شعاع
اگست 2016
سوسائٹی ڈاٹ کام
No: C.P.L. 12
عید نمبر 2

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! اگست 2016ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

14 اگست 1947ء وہ تاریخ ساز دن ہے۔ جب ایک فلسفی کا تصور، ایک شاعر کا خواب حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آیا۔ جب ایک قوم نے اپنے عزم واستقلال اور یقین کی قوت سے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہو کر اپنا وطن حاصل کیا اور دنیا کے نقشے پر پاکستان تخلیق پایا۔

پاکستان ہمارے لئے کتنی بڑی نعمت ہے۔ اس حقیقت کا ادراک کرنا ہو تو بھارت کے مسلمانوں کی حالت زار پر نظر ڈال لیں۔ غور کریں تو پاکستان میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ہم ایٹمی طاقت ہیں، پہاڑ، دریا، سمندر کون سی نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہیں نوازا۔ اس کے باوجود اقوام عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو پاکستان کو بہت پیچھے پاتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قائداعظم کے پاکستان کو صحیح قیادت نہیں ملی۔ ہمارا اتحاد قائم نہ رہ سکا۔ پاکستان جس جذبہ اور یقین کے ساتھ بنایا گیا تھا ہم اسے زندہ نہ رکھ سکے۔

آج ہم جن حالات میں گھرے ہوئے ہیں اور وطن عزیز کو جو خطرات لاحق ہیں۔ ایک بار پھر اسی جذبہ، اسی یقین اور اسی اتحاد کی ضرورت ہے۔ جو قیام پاکستان کے وقت برصغیر کے مسلمانوں میں تھا۔

قارئین کو جشن آزادی کا خوشیوں بھرا دن مبارک ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے وطن کو جو ہماری شناخت، ہمارا حوالہ، ہماری پناہ گاہ ہے ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین یارب العالمین۔

اس شمارے میں:۔ چھنکتی چوڑی، کھنکتی پائل، عید سروے کا بقیہ حصہ، نائلہ طارق، سویرا فلک اور مصباح نوشین کے مکمل ناول، مصباح علی تارڑ کا ناولٹ، حمیرا نوشین، سونیا چوہدری، ماریہ یاسر اور تمثیلہ زاہد کے افسانے، سدرۃ المنتہیٰ، نایاب جیلانی اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

اس دست عطا سے کوئی محروم نہیں ہے
کس ہاتھ سے دیتا ہے یہ معلوم نہیں ہے

موجود ہر اک شے میں فقط نام ہے اس کا
حاکم ہے ازل سے کہیں محکوم نہیں ہے

طالب کو پتا ہے کہ وہ دیتا ہے سبھی کو
جو اس کا سوالی ہے وہ مغموم نہیں ہے

ظاہر کی خبر ہے اسے باطن کا پتا ہے
واحد متکلم ہے وہ مقسوم نہیں ہے

سب اس کے کرم سے ہے تا مشرق و مغرب
فانی ہے سبھی کچھ وہی معدوم نہیں ہے

یعقوب غزنوی

نعت رسول مقبولﷺ

تعلق ان سے بنا لیا تو بہشت رستوں پہ ڈال دے گا
وہی تعلق تمہارے دل سے تمام کانٹے نکال دے گا

وہ جس نے طائف میں کھا کے پتھر عطائے بخشش کی دی دعائیں
وہ کملی والا ہمارے سر پہ بھی اپنی رحمت کی شال دے گا

کسی بھی حصے میں زندگی کے کسی بھی شعبے میں بندگی کے
اگر ضرورت پڑی جہاں کو وہ آپؐ ہی کی مثال دے گا

درود پڑھ کر سلام پڑھنا سلام پڑھ کر درود پڑھنا
یہ ورد ایسا ہے تیرے دل کو تیرے بدن کو اجال دے گا

یہ آرزو تھی کہ میں بھی آصف ثنائے خیر الانام لکھوں
خدائے برتر مجھے بھی اک دن سخنوری کا کمال دے گا

آصف راز

سید اختر ناز

حقوق ہمسایہ

اسلامی معاشرت میں ہمسایہ کے حقوق پر جس قدر زور دیا گیا ہے اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت سے بخوبی ہو جاتا ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے ہمسائے (کے حقوق) کے بارے میں (اس قدر) برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ خیال ہوا کہ وہ اسے (ترک کا) وارث بھی بنا دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں جس قدر قرب ہمسائے کو ہوتا ہے اگر اس کو اس قدر حقوق نہ دیے جاتے تو معاشرے میں واضح انتشار پیدا ہو جاتا، ذرا تصور کریں اگر ہمسایہ بدباطن ہو، دشمن ہو، لڑائی جھگڑے پر ہر وقت مصر ہو، دوسروں کے مال، آرام اور سکون کا دشمن ہو تو بھلا ایسے ماحول میں گزر بسر کرنا ممکن ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں، ایسا ماحول تو جہنم کدہ ہی ہو سکتا ہے، اسلام جس معاشرت کا داعی ہے، اس میں ہمسایہ دشمن نہیں ہوگا جان و مال کا دشمن نہیں بلکہ صحیح معنوں میں محافظ ہوگا، امیر و غریب کی تفریق نہیں ہوگی بلکہ سب بہن بھائی ہوں گے، اس کی شہادت قرآن و حدیث کے ان احکامات سے ہوتی ہے۔

خدا اور آخرت پر ایمان

حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) یہ فرمان سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کی عزت و تکریم کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ہمسائے کی خبر گیری

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے ابو ذر! جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسائے کی خبر گیری کر۔'' (یعنی انہیں سالن میں سے تحفہ بھیج) (صحیح مسلم)

تحفہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

''اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی کسی ہمسائی کے لئے (تحفے کو) حقیر نہ سمجھے چاہے (وہ تحفہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔'' (صحیح بخاری)

قریبی ہمسایہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔'' (صحیح بخاری)

مومن نہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔'' (شعیب الایمان للبیہقی)

بہترین دوست

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لئے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لئے بہترین ہے۔'' (ترمذی شریف)

ہمسائے کا حق

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمسائے کا حق یہ ہے کہ:۔

- ☆ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔
- ☆ اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔
- ☆ اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اسے (بشرط استطاعت) قرض دے۔
- ☆ اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو تو اس کی پردہ پوشی کرے۔
- ☆ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو تو اسے مبارکباد دے۔
- ☆ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تو اس طرح بلند نہ کرے کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔
- ☆ تو اپنی ہنڈیا کی مہک سے اسے اذیت نہ دے، الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اسے بھی بھیج دے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

یتیموں کے حقوق

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایہ رحمت و عاطفت سے محروم ہو جائے اسے یتیم کہا جاتا ہے، اسلامی معاشرت میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لے، اسے پیار کرے، اس کی خدمت کرے، اس کو تعلیم دلائے، اس کے متروکہ مال و اسباب کی حفاظت کرے اور جب وہ عقل و شعور کو پہنچ جائے تو پوری دیانت داری سے اس کی امانت اسے پوری کی پوری واپس کر دی جائے، اس کی شادی اور خانہ آبادی کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

''اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کی عمر کو پہنچ جائیں۔'' (انعام:۱۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''اور یہ کہ یتیموں کے لئے انصاف پر قائم رہو۔'' (النساء:۱۹)

یتیموں کے مال میں اسراف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

''اور اڑا کر اور جلدی کر کے ان کا مال نہ کھا جاؤ کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں۔'' (النساء:۱)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

''اور جو (متولی) بے نیاز ہے اس کو چاہیے کہ بچتا رہے اور جو محتاج ہے تو منصفانہ طور پر دستور کے مطابق کھائے۔'' (النساء:۱)

یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ کرنے کی جہاں تنبیہ کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت ہے کہ نابالغ یتیم بچوں کے سپرد ان کا مال نہ کرو، جب وہ سن رشد کو پہنچ جائیں تو پھر ان کی عقل کو دیکھ بھال کر ان کی امانت ان کے سپرد کریں، ارشاد خداوندی ہے۔

''اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نہ پکڑا دو اور ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہو اور یتیموں کو جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو ان میں سے اگر ہوشیار دیکھو تو ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:۱)

یتیم کی عزت نہ کرنے والے اور اس کی بھوک پیاس کا احساس نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر تنبیہ کی گئی ہے۔

سورۃ الماعون میں ارشاد خداوندی ہے۔

''کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جو انصاف کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

سورۃ الفجر میں ارشاد خداوندی ہے۔

''نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے پر آمادہ کرتے ہو اور مرے ہوئے لوگوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیا کے مال و دولت پر جی بھر کر ریجھے رہتے ہو۔'' (الفجر:۱)

مکی دور نزول قرآن میں یتیموں کی پرورش اور بے کس و نادار پر رحم و کرم کی دعوت متعدد آیات قرآنی میں دی گئی ہے، دولت مندوں کو غریبوں کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصل کامیابی ہے، اس گھاٹی کو کیونکر پار کیا جا سکتا ہے، ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردنوں کو چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیموں کی خدمت کرنا،

سورۃ البلد میں ارشاد خداوندی ہے۔

''یا بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔''

سورۃ الدھر میں ارشاد ہوا۔

''اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں۔''

سورۃ الضحٰی میں ارشاد فرمایا۔

''یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔''

''بنی اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔'' (البقرہ:۸۳)

سورۃ البقرہ ہی میں ایک اور ارشاد خداوندی ہے۔

''پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، کہو جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔'' (البقرہ:۲۲)

غرضیکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کی تعلیمات میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت احکامات دیے ہیں، ان احکامات کی روشنی میں ہم یتیموں کے حقوق کو بالا اختصار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ یتیم بچے کا احترام و اکرام اور پیار و محبت اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے تاکہ اسے اپنے باپ کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہو۔

۲۔ یتیم بچے کی پرورش اسی طرح کی جائے جس طرح اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

۳۔ یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا اہتمام کیا جائے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اگر یتیم بچے کے اپنے والدین کے ترکہ سے ادا کیے جا رہے ہیں تو انہیں عدل کے ساتھ کیا جائے۔

۴۔ یتیم بچے کی جائیداد اور مال کی حفاظت اور اس کی سرمایہ کاری کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کا کرتا ہے، انصاف کے ساتھ اسے اپنی محنت کا حق لینے کا حق حاصل ہے۔

۵۔ یتیم بچے کے مال کی اس وقت تک حفاظت کی جانی چاہیے جب تک بچہ سن بلوغت کو پہنچ کر اس جائیداد کو سنبھالنے کے لئے ضروری علمی و عقلی استعداد و کمال کا مالک نہ بن جائے۔

۶۔ خوش کلامی و خوش اخلاقی کے ساتھ یتیم کی مالی کفالت اور حاجت روائی معاشرے کے سارے افراد پر واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۷۔ یتیم کے ساتھ معاشرتی عدل و احسان کا حکم ہے اور یہ سلسلہ ترحم اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک کہ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کر دیا جائے، یتیم بچی کے ساتھ شادی کرنے اور اسے دبائے رکھنے کے ارادوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے، اسلام کا حکم یہ ہے کہ یتیم بچی کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو اس کے ساتھ بالکل نکاح نہ کرو۔

۸۔ یتیم کی پرورش کے لئے مسلمانوں کے صدقات و خیرات کی رقم کا استعمال کیا جا سکتا ہے، پرورش سے مراد بچوں کے خورد و نوش، لباس اور تعلیم و تربیت کے اخراجات ہیں۔

۹۔ غریب و یتیم کو کھانا کھلانا نیکی ہے لیکن کبھی بھی اس نیکی کا احساس دلانا یا جتلانا ناجائز نہیں ہے۔

۱۰۔ یتیم کے ولی پر لازم ہے کہ وہ یتیم کے مال اور جائیداد کا مناسب انتظام کرے جس میں تجارت کے ذریعہ افزائش مال کا اہتمام کرے اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو پوری دیانت داری سے اس کا اصل بمع منافع اس کو واپس کر دے۔

۱۱۔ یتیم بچوں کی پرورش و پرداخت کی نگرانی اور اس سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب و تربیت دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

☆☆☆

ابن انشاء

جب ہم چین گئے ہیں تو چینی زبان سے بالکل کورے رہے، لیکن ہمت کرے انسان تو کیا نہیں ہوسکتا، سترہ اٹھارہ دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ دو لفظ نہایت روانی سے بولنے لگے، ایک نی ہاؤ (مزاج شریف) دوسرا چائی چن (یعنی اچھا پھر ملیں گے) سو مہمان کو یہی دو لفظ آنے چاہئیں باقی گفتگو کے لئے ترجمان موجود ہے، ہاں یاد آیا، ایک اور لفظ بھی ہم برجستہ اور باموقع بول کر چینیوں کو حیران کرتے تھے، وہ ہے شے شے (یعنی شکریہ) بعضوں نے پوچھا بھی کہ آپ نے اتنی جلدی چینی زبان کیسے سیکھ لی۔

چند دن بعد ہم جاپان گئے تو جاپانی زبان میں بھی اسی طرح مہارت حاصل کرنے کا عزم کیا، کیونکہ ہم کو لسانیات سے ہمیشہ شغف رہا ہے، افسوس کہ وہاں ہمارا قیام مختصر تھا یعنی کل آٹھ دن، اس کے باوجود ہم جاپانی زبان میں شکریہ ادا کرنے پر قادر ہو گئے، یعنی ''آری گاتو گزائی مش'' کا لفظ اہل زبان کی طرح بولتے تھے، اگر کچھ فرق تلفظ میں تھا بھی تو تھوڑا سا جھک کر سینے پہ ہاتھ رکھنے سے سننے والا جان لیتا تھا کہ ہم اظہار ممنونیت کر رہے ہیں، ایسے بھی اعتراض کرنے والے موجود ہیں، جنہوں نے کہا کہ واہ ایک ہفتے میں ایک لفظ جان لینا کیا کمال ہے، ہمارے قارئین انصاف سے کہیں، ان میں سے کتنوں کو معلوم تھا، آری گاتو گزائی مش کا، ہمیں یقین ہے کہ ہم چند ماہ اور وہاں رہے تو ان ہی کی زبان میں صاحب سلامت کرنے لگتے۔

ہاں تو چین میں ایسا بھی ہوا کہ ترجمان پاس نہ تھا پھر بھی ہم کو بھی چینیوں سے مکالمہ کرنے میں دقت نہ ہوئی، ہم نی ہاؤ کہتے تھے ادھر سے چینی زبان میں کچھ ارشاد ہوتا تھا، ہم شے شے، شے شے کرتے جاتے حتیٰ کہ اس کی بات ختم ہو جاتی اور ہم چائی چن چائی چن کہہ کر رخصت ہو جاتے۔

ممکن ہے ہم چینی زبان میں مزید لیاقت بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے بلکہ اب یاد آتا ہے کہ ہم گرم پانی بھی چینی زبان ہی میں طلب کرتے تھے اور کے سوائے کہتے تھے، لیکن ڈاکٹر عالیہ امام کی مثال کو دیکھ کر ہم نے تحصیل السنہ کا ارادہ ترک کر دیا، وہ وہاں کئی ماہ سے ہیں، پیکنگ ریڈیو پر کام کرتی ہیں، ایک روز تشریف لائیں تو ہم نے کہا۔

''آپ کے لئے چائے کا بندوبست کریں؟''

فرمایا۔

''کرو۔'' ہم نے کہا۔

''مشکل یہ ہے کہ ہم اردو میں کر سکتے ہیں، حد سے حد انگریزی میں، بیرا ہم بلائے دیتے ہیں، گفتگو آپ کیجئے گا۔''

بیرا آیا، بیگم عالیہ امام نے اپنے لکھنوی لہجے میں بہت کچھ کہا، اتنا یاد ہے کہ چ کے مرکبات تھے، بیرا کھڑا سر ہلاتا رہا اور ہم نے ازراہ تحسین عالیہ امام صاحبہ کو دیکھا بلکہ کہا بھی کہ آپ نے ایسی قابل رشک مہارت کیسے پیدا کی؟

انہوں نے بتایا کہ۔

''آدمی ذہین ہو تو چینی زبان مشکل نہیں۔''

چونکہ ہم یہ شرط پوری نہ کر سکتے تھے، لہٰذا کچھ دل گیر اور مایوس ہو گئے لیکن اتنے میں بیرا آ گیا، دیکھا کہ دو قد آدم گلاس دودھ کے ہیں۔

بیگم عالیہ بیرے پر بہت خفا ہوئیں کہ تم اتنی چینی زبان بھی نہیں سمجھتے کہ۔

''میں کہوں چائے تو چائے لے آؤ۔''

لیکن وہ بس کھڑا ہاتھ ملتا رہا، دل میں ضرور شرمندہ ہوا ہوگا۔

اردو کے مشہور ادیب خاطر غزنوی بھی وہاں ہیں اور ان کا کام ہی تحصیل زبان ہے تاکہ واپس آ کر یہاں چینی زبان سکھا سکیں، ہم نے دیکھا کہ وہ ٹیکسی والے کو سمجھا لیتے ہیں کہ کدھر چلنا ہے، بولے دو ڈھائی سو لفظ سیکھ گیا ہوں، پانچ ہزار لفظ سیکھ کر اخبار پڑھا جا سکتا ہے۔

ہم نے کہا۔

''کتنے دن لگیں گے؟''

بولے۔

''بشرط حیات چند برس اور۔''

ہم نے کہا۔

''خیر یہ رہا اخبار کچھ تو پڑھو۔''

کافی دیر کوشش کے بعد انہوں نے کئی لفظوں پر انگلی رکھی کہ یہ آتے ہیں فی الحال۔

خیر قطرہ قطرہ بہم شود دریا۔

پھر ایک روز ہم نے سوچا کہ دیکھیں چینی لوگ اردو سیکھتے ہیں تو کیسی سیکھتے ہیں، اگر چینیوں کو اپنی زبان کے مشکل اور پیچیدہ ہونے پر ناز ہے تو ہم کو بھی ہے، خیر ایک زور بندوبست ہوا اور ہم لوگ پیکنگ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں جا نکلے۔

پہلے تو ایک بیٹھک میں وائس صاحب نے ہمیں شرف ملاقات بخشا، پھر تعارف کراتے کراتے کہا۔

''یہ ہیں مادام شان یون، یہاں اردو پڑھاتی ہیں۔''

ہم نے کہا۔

''آیئے بیگم صاحبہ ہمارے پاس آ جایئے۔'' وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر آ گئیں اور بولیں۔

''آپ ابن انشا صاحب ہیں نا، آپ کی نظمیں ہم نے پڑھی ہیں، افکار ہمارے پاس آتا ہے، آپ کی کتاب ہماری لائبریری میں ہے۔''

چائے وائے پینے کے بعد ہم نے وہ کتابیں نذر کیں جو ہم یہاں سے لے گئے تھے اور مادام شان یون نے کہا۔

''آیئے آپ کو طالب علموں سے ملائیں۔''

پیکنگ یونیورسٹی ایک وسیع و عریض رقبے میں پھیلی ہوئی ہے، راستے میں مختلف شعبوں کی عمارتیں تھیں، ہر جگہ طالب علموں کے ٹھٹ تھے جو ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور تالیوں سے استقبال کرتے، رسم یہ ہے کہ مہمان بھی جواباً تالی بجاتا ہے، چین کے قیام کے دنوں میں ہم کو ہر

روز اتنی تالیاں بجانا پڑتی تھیں کہ رات کو آ کر ہاتھ آگ پر سینکتے تھے اور وکس کی مالش کرتے تھے۔

شعبہ اردو کے طالب علم ہمارے خیر مقدم کے لئے پہلے سے کھڑے تھے، ان میں آدھے لڑکے تھے، آدھی لڑکیاں، بڑے تپاک سے علیک سلیک ہوئی، بعضے فر فر بولتے تھے، بعضے اٹک اٹک کر۔

ہم نے کہا۔

"چلیے کلاس دیکھیں، لیکن طالب علم مصر تھے کہ پہلے ہم ان کی قیام گاہیں دیکھیں۔" وہاں دکھانے کی کوئی ایسی بات نہ تھی، بہت چھوٹے چھوٹے کمرے تھے اور ہر ایک میں ایک دو منزلہ چارپائی ایک کونے میں ایک میز اور کتابوں کے لئے ایک الماری، ایک طالب علم نیچے کی چارپائی پر سوتا تھا دوسرا اوپر ٹنگتا تھا، ویسے نرم گدے اور اجلی چادریں تھیں، ہم لوگ قریب قریب سب کے سب دو کمروں میں تقسیم ہو گئے، وہاں اتنی کرسیاں کہاں تھیں، بس چارپائیوں پر اور میز پر چڑھ بیٹھے، باقی باتیں تو فروعات تھیں، اردو کی محبت اور شوق اصل چیز تھی، اکثر لڑکے اور لڑکیاں فر فر بولتے تھے اور سب سے تعجب کی بات یہ تھی کہ کسی سے تذکیر و تانیث کی کوئی غلطی نہ سنی جیسی اندرون پاکستان ہم مختلف علاقوں کے لوگوں سے ضرور ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ خط پختہ تھے، بعضوں کے مشیانہ اور املا میں کوئی غلطی سہجے کی نہ تھی۔

ہم نے کہا۔

"پڑھتے کیا ہیں آپ لوگ؟" معلوم ہوا اچھی خاصی لائبریری اردو کتابوں کی ہے اور پھر اخبار جنگ آتا ہے، اس میں سے مضامین اور اداریے یا خبریں لے کر سائیکلو اسٹائل کرائی جاتی ہیں اور طالب علموں میں بانٹ دی جاتی ہیں، ہم نے دیکھا تو پہلا ہی سبق صدر ایوب کے دورہ چین پر تھا۔

لائبریری میں گئے تو واقعی نئے ادب کی بہت سی اچھی کتابیں موجود تھیں اور طالب علم ہمارے بعض ہم عصروں کا ذکر ان کی کہانیوں کے حوالے سے کرتے تھے، مادام نے کہا۔

"میں آپ کی نظم شنگھائی کا ترجمہ چینی میں کر رہی ہوں۔"

ہمارے وفد کے رکن جو اردو کے آدمی تھے، ان کی سرشاری کا بیان کرنا مشکل ہے، اتنی دور ایک مختلف تہذیب کے ملک میں اردو کے پودے کو پھولتے پھلتے دیکھنا واقعی ایک جذباتی تجربہ تھا۔

ہم نے مادام سے کہا کہ......"ان طالب علموں کو ہم چائے کی دعوت دیتے ہیں ان سب کو لائیے وہاں اور باتیں ہوں گی، ہم ان کو کتابیں دیں گے اور واپس پاکستان جا کر کتابوں کی لین ڈوری باندھ دیں گے۔" یاد رہے کہ ایسے وعدے وفا نہیں ہوا کرتے۔

طالب علم تو پھر آئے اور ہمارے ساتھ چائے پی، ان کو کتابیں بھی ہم نے دیں، لیکن مادام کسی وجہ سے تشریف نہ لا سکیں، تیس برس کی ہوں گی، بہت پسندیدہ اطوار کی اور سنجیدہ، ہم نے کہا کہ ہماری ڈائری میں اپنے دستخط دے دیجئے، انہوں نے یہ مہربانی کی کہ دستخطوں کے علاوہ ایک عبارت بھی لکھ دی، ان کا خط کم از کم ہمارے خط سے تو بہتر ہے، یہ بھی یاد رہے کہ طالب علموں نے اتنی مہارت فقط دو سال بلکہ کم میں حاصل کی تھی اور بیگم صاحبہ نے بھی اردو ایک چینی سے پڑھی ہے۔

☆☆☆

عید سروے:

کھنکتی رہے چوڑی چھنکتی رہے پائل

فوزیہ شفیق

عید کی روشن سحر خوشیوں کا پیغام لے کر آتی ہے، دوست احباب کی میزبانی، رشتہ داروں سے میل ملاقات اور تحفے تحائف کا تبادلہ عید کی روایتیں ہیں، ایسی کئی خوبصورت عیدیں ہماری مصنفین کی یادوں میں محفوظ ہوں گی، ہم نے سوچا مصنفین کے ان یادگار لمحات میں قارئین کو بھی شریک کیا جائے، اس سلسلے میں ہم نے چند سوالات مصنفات سے کیے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سوالات:۔

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں کون سی بات آپ کو بے حد پسند اور کون سی ناپسند ہے؟
۲۔ کوئی ایسی عید جس کے یادگار لمحات آپ کے ذہن میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ گئے ہوں؟
۳۔ عید کا خصوصی اہتمام، خصوصی ڈش بمعہ ترکیب؟
۴۔ کوئی ایسی عزیز ہستی جن سے ملے بغیر آپ کو عید ادھوری لگتی ہے؟
۵۔ عید وشنگ کا بہترین ذریعہ، عید کارڈ ایس ایم ایس یا پھر فون کال؟
۶۔ اگر آپ شادی شدہ ہیں تو سسرال میں پہلی عید کا احوال اور جیون ساتھی کی طرف سے کیا تحفہ ملا؟
۷۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

آیئے دیکھتے ہیں مصنفین نے ان کے جوابات کیسے دلچسپ انداز میں دیئے ہیں۔

قرۃ العین خرم ہاشمی............لاہور

میں نے چاہا تجھے عید پہ کچھ پیش کروں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن

۱۔ سب سے پہلے ادارہ حنا ڈائجسٹ کے سجانے، سنوارنے، سب روشن روشن ستاروں کو میری طرف سے عید مبارک اور دائمی خوشیوں کی بہت سی دعائیں۔

عید کا تہوار مجھے ذاتی طور پر بہت پسند ہے اس دوڑتی، بھاگتی زندگی میں جہاں جہاں بھی خوشیوں کے پل ملیں، انہیں مٹھی میں قید کرنے کی آرزو، جگنوؤں اور تتلیوں کے پیچھے بھاگتے بچے کی طرح ہی میرے اندر شدت سے ابھرتی ہے۔

ماہ رمضان کے بابرکت مہینے کے بعد عید مسلمانوں کے لئے خوشی اور انعام کی طرح ہے، مجھے عید کے روایتی رنگوں سے بہت محبت ہے، بچپن میں عید کی تیاری جتنے جوش وخروش سے کرتے تھے، آج بھی اسی طرح (مگر ذرا میچور انداز میں) عید کی تیاری کرتی ہوں، کتنی بھی مصروف ہوں مگر چاندرات کو اپنی چھوٹی بہن فرحت کے ساتھ مل کر مہندی ضرور لگاتی ہوں، فرحت فائن آرٹس کی قابل طالبہ ہیں اس لئے مہندی بہت اچھی لگاتی ہے، مگر میں بار بار اسے کہوں گی کہ ''میرے ہاتھ پر مہندی کا ڈیزائن اچھا نہیں بنایا ہے'' اور وہ دانت پیس کر کہتی ہے کہ ''اپنا ہاتھ سیدھا رکھو، بار بار ہلا دیتی ہو'' اس موقع پر منجھلی بہن نور واصف کی بہت یاد آتی ہے، جو شادی کے بعد شہر شہر گھومنے کا شوق بخوبی پورا کر رہی ہے، (ان کے شوہر آرمی میں جو ہیں اس لئے) وہ شادی کے بعد بہت کم کم عید کے موقعوں پر ہمارے ساتھ شامل رہی ہے، ہم تینوں ہوں تو پھر بہت باتیں، قہقہے اور شرارتیں ہوتی ہیں، ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی مہندی پر کمنٹس دے کر اپنے اپنے دل کو تسلی دیتے رہتے ہیں پھر امی کے ہاتھ پہ مہندی لگا کر انہیں ونر قرار دے دیتے ہیں تاکہ ہم میں بحث ختم ہو جائے۔

دراصل یہ نوک جھونک ہی زندگی میں تازہ ہوا کی مانند ہے، عید کے دوسرے دن میرے سسرال میں بہت بڑی دعوت ہوتی ہے، جس میں سب کو بہت ساری عیدی ملتی ہے بہت اچھا اور یادگار دن ہوتا ہے اور عید کی خوبصورتی ہی ایک دوسرے سے عید ملنے میں ہے۔

ایک چیز جواب بہت کم نظر آتی ہے وہ ہے عید کارڈز پہ ''عید کارڈز'' دینے کا رواج نہیں رہا، جبکہ مجھے سب سے زیادہ یہی پسند ہے، ایک زمانے میں میری سب فرینڈز کے خط، عید کارڈز آتے تھے، اب انٹرنیٹ نے اس انتظار کا مزہ ہی ختم کر دیا، مگر میں آج بھی اپنے سب قریبی (جن پر میرا مان اور رعب دیدبہ ہوتا ہے) عید کارڈز ہوں یا کوئی بھی موقع، میں کارڈز کی فرمائش یا ضد ضرور کرتی ہوں، چاہے وہ ای میل کے ذریعے آئیں یا ڈاک کے، ایک زمانے میں اچھے اچھے لفظوں اور منظروں سے سجے کارڈز خریدنا میری ہابی بھی تھا، دراصل مجھے لفظوں سے عشق ہے۔

اچھے، خوبصورت، جاندار......!

لفظوں کی دنیا بہت خوبصورت اور دلفریب ہوتی ہے ناں......!

خوشبو سے بھری شام میں۔
جگنو کے قلم سے
ایک نظم
تیرے واسطے لکھے گئے کسی دن!!

۲۔ بہت سی ایسی عیدیں ہیں، بچپن کی عید، اس کی تیاری، جوش وخروش، چاندرات کو رات دیر تک جاگنا، مہندی لگانا، صبح تیار ہو کر گھر والوں سے ملنا، پھر سب دوستوں کا مل کر ایک دوسرے کے گھر جانا، بڑے ہو کر اتنی آزادی اور بے فکری سے کہیں بھی آنا یا جانا مشکل لگتا ہے، مگر ہر عمر کے تقاضے بھی اپنے اپنے ہیں اور رنگ بھی اور آپ کی کامیابی اس میں ہے کہ ہر رنگ میں ایسے رچ بس جائیں کہ آپ بھی اسی رنگ کا حصہ لگیں۔

۳۔ عید کے پکوان زیادہ تر روایتی ہی ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ترکیب بھی تقریباً سب کو پتا ہوگی، سسرال میں ہونے والی گرینڈ دعوت کا مینو بہت شاندار ہوتا ہے، جس کی تیاری آخری روزوں میں شروع ہو جاتی

ہے، بریانی، چکن کڑاہی، کوفتے، پالک گوشت، شامی کباب، میٹھے میں کھیر اور آئس کریم۔

یہ وہ ڈشز ہیں جو تقریباً ہر گھر میں بنتی ہیں باقی محنت اور ذائقہ اپنے اپنے ہاتھ کا۔

۴۔

آج وہ دور نہیں ہے جو یہ دن دکھلائے جس جگہ یار ملیں پائیں وہاں عید کے دن اپنے سب قریبی اور پیارے لوگوں سے ملے بغیر عید ادھوری ہی لگتی ہے، عید کے دن تو بہت پرانے اور دور بسنے والے لوگ بھی بہت شدت سے یاد آتے ہیں، بہت سے بچھڑے دوست، بہت سے کھوئے ہوئے پیارے پیارے لوگ بھی۔

اس لئے ہر لمحہ اب قیمتی اور نایاب لگتا ہے، نجانے کل یہ وقت آئے تو کون ساتھ ہو اور کون نہیں، اس لئے میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے سب قریبی عزیزوں سے ضرور ملوں، باقی جو دور بستے ہیں، ان سے احساس کا رشتہ، یاد کی تاروں سے جڑا ہوا ہے۔

کھول کر دیکھئے دریچہ دل
لمس جاناں کا پیراہن اوڑھے
شام آئی ہے مسکراتی ہوئی
ایسی ساعت میں
دوریوں کا عذاب
چبھ رہے ہیں درون چشم خواب
اس طرف تم ہو
اس طرف ہم ہیں
سر خوشی میں بھی کیا عجب غم ہیں
کاش یہ فاصلے سمٹ جائیں
قربتوں کے گلاب کھل پائیں
تم سے ہم روز عید مل پائیں

۵۔ عید وش کرنے کا بہترین طریقہ، گلے مل کر، عید مبارک کہنا اچھا لگتا ہے، باقی دور رہنے والوں کے لئے فون کالز اور ایس ایم ایس تو ہیں ہی۔

(عید کارڈ اب کوئی دیتا نہیں، سب سے پسندیدہ طریقہ یہی لگتا ہے)۔

۶۔ سسرال میں پہلی عید روایتی اور اچھی رہی، شوہر کی طرف سے عید کی خاص شاپنگ اور ان کی پسند کا ڈریس، گفٹ ملا تھا، باقی سب نے بھی مختلف گفٹس دیئے تھے، اچھی اور یادگار عید تھی۔

۷۔ بچپن کی عید اور آج کی عید میں بہت فرق تو ہے، بچپن میں امی کی انگلی پکڑ کر بازار جاتے تھے، امی نے جو لے دیا، وہی بیسٹ لگتا تھا، چوڑیاں، مہندی، جوتے، جیولری اور بہت سی چیزیں، عید کا انتظار بے چینی سے ہوتا تھا، جبکہ آج ہم خود اتنے بڑے ہیں کہ ہر چیز اپنی پسند سے لے رہے ہوتے ہیں، اب میں بہن یا چھوٹے بھائی، ہم تینوں بازاروں کی خاک چھانتے ہیں، ہم مل کر شاپنگ کرتے ہیں، جو کام رہ جائے وہ چاندرات کو شوہر کی ذمہ داری ہے۔

زندگی کا ہر لمحہ، ہر پل بہت خوبصورت اور مہربان ہے اگر شکر کی نظر سے دیکھیں تو، اس لئے میرے پاس جو ہے میں اس کا شکر ادا کرنے میں ہی اتنی مگن رہتی ہوں کہ جو نہیں ہے اس کا غم منانے کی فرصت ہی نہیں۔

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے
کہیں آنکھیں کہیں چہرہ نہیں ہے
جو دیکھو تو ہر اک جانب سمندر
مگر پینے کو اک قطرہ نہیں ہے

در ثمن بلال...............................سرگودھا

سب سے پہلے حنا ڈائجسٹ کے تمام اسٹاف کو ''فوزیہ شفیق'' اور حنا کے تمام قارئین کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ عید

مبارک۔

۱۔ عید کی روایتی چیزوں میں جو بات مجھے بے حد پسند ہے وہ ہے اس عید پہ خاص میٹھا بنانا اور ایک دوسرے کے گھروں میں جانا، ملنا ملانا، زندگی کی مصروفیات میں ہم جن رشتے داروں اور دوستوں سے مہینوں نہیں ملتے عید پہ ان سے ملتے ہیں تو عید کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے اور یہی بات خاص ہے اس میٹھی عید کی۔

۲۔ ہر وہ عید اور عید کا ہر وہ لمحہ میرے لئے یادگار ہے جو میں نے امی کے ساتھ گزاریں، جب امی زندہ تھیں تو ان عیدوں کے مزے ہی اور تھے مجھے یاد ہے میں عید پہ سوائے امی سے اور کسی سے عیدی نہیں مانگتی تھی اور امی ہر عید پہ میرے لئے بڑے چاؤں سے تین سے چار ڈریس تو ضرور بنوایا کرتی تھیں اور عید کے دنوں میں مجھے کچن میں بالکل کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھیں اور بار بار اسرار کرتیں کہ اچھے سے تیار ہو جاؤ اور جب میں تیار ہوتی تو مجھے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتی تھیں، ہائے اب تو وہ دن خواب ہو گئے ہیں۔

۳۔ ڈیئر عید کا خصوصی اہتمام ویسے ہی کرتی ہوں جیسے ہر گھر کی عورت کرتی ہے، عید سے پہلے گھر کی خصوصی صفائی کروانا، پردے ڈرائی کلین کروانا، نئی کراکری نکالنا، نئی بیڈ شیٹ بچھانا، مہمانوں کی آؤ بھگت کے لئے مختلف اسنیکس بنا کر فریز کرنا اور جب میرے ہزبینڈ پاکستان میں تھے تب بہت اچھے سے ڈریس اپ ہوتی تھی عید کی خصوصی ڈش میں، میں فروٹ کسٹرڈ اور شیر خورمہ بناتی ہوں، شاہی شیر خورمہ کی ترکیب لکھ رہی ہوں امید ہے آپ قارئین اسے پسند کریں گے۔

شیر خورمہ

اشیاء

سویاں	ایک چوتھائی کپ
دودھ	ڈیڑھ کلو
چینی	ایک تہائی کپ
گھی	آدھا کپ
چھوہارے	ایک چوتھائی کپ
بادام	ایک چوتھائی کپ
کھوپرا	ایک چوتھائی کپ
الائچی	چھ دانے
کیوڑہ	دو بڑے چمچ
زعفران، دودھ (ایک چٹکی زعفران کو ایک چوتھائی کپ دودھ میں بھگو دیں)	
فریش کریم	ایک پیکٹ
کھویا	پانچ چمچ

ترکیب

دودھ کو ابال کر پکنے کے لئے دھیمی آنچ پر رکھ دیں اتنا پکائیں کہ دودھ ایک کلو رہ جائے اب اس میں پسی ہوئی الائچیاں ڈال دیں ایک دوسری کڑاہی میں گھی گرم کر کے سویاں تل لیں دودھ میں زعفران ڈالیں تمام خشک میوہ جات کو کاٹ دیں اور ہلکی آنچ پر دس منٹ پکائیں، دس منٹ کے بعد اس میں کھویا ڈال دیں اور مزید پانچ دس منٹ پکائیں پھر اس میں کیوڑہ ڈال دیں چمچ ہلائیں اور چولہا بند کر دیں جب ڈونگے میں ڈالنے لگیں تو اچھی طرح سے پھینٹی ہوئی فریش کریم ڈال دیں، مزیدار شاہی شیر خورمہ تیار ہے۔

۴۔ میرے ہزبینڈ بلال گزشتہ چار پانچ سال سے سعودیہ میں مقیم ہیں جاب کے سلسلے میں ان کے بغیر ہر عید ادھوری لگتی ہے ان کے بغیر عید پہ نہ ڈریس اپ ہونے کو دل کرتا ہے نہ کہیں آنے جانے کو، بلکہ اداسی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

۵۔ ہائے ایک دوسرے کو عید کارڈ بھیجنے کا بھی کیا

سنہرا دور ہوا کرتا تھا اب تو اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں کسی اپنے کسی دوست یا کسی رشتے دار کا کوئی میسج بھی آ جائے تو بہت خوشی ہوتی ہے ویسے میں عید پہ اپنے تمام رشتے داروں کو میسج بھی بھیجتی ہوں اور کالز بھی کرتی ہوں اور دوستوں کو عید مبارک کا میسج ضرور کرتی ہوں۔

۶۔ سسرال میں میری پہلی عید بہت اچھی اور یادگار گزری تھی، فجر کی نماز کے بعد ہی میں کچن میں چلی گئی تھی اور میں نے بہت شوق سے لنچ کے لئے مختلف ڈشز بنائی تھیں بلال جب عید کی نماز پڑھ کر آئے تو میں نہ صرف دوپہر کا لنچ بنا کر فارغ ہو چکی تھی بلکہ خوب اہتمام سے تیار بھی ہوئی تھی بلال حیران رہ گئے تھے کہ اتنی جلدی سارے کچن کے کام کیسے کر لیے وہ بھی صبح ہی صبح اور پھر سسرال میں میرے بنائے کھانے کی خوب تعریف ہوئی تھی سب نے مجھے عیدی بھی دی تھی، بلال شادی کے بعد سے لے کر اب تک ہر عید پہ مجھے میری پسند کا ڈریس دلاتے ہیں اور عیدی بھی ضرور دیتے ہیں، تب بھی سوٹ کے ساتھ عیدی ہی ملی تھی سسرال میں پہلی عید بہت یادگار تھی۔

۷۔ ہائے تو یہ بچپن کی عید اور اب کی عید میں مجھے تو زمین آسمان کا فرق محسوس ہوتا ہے وہ دور بھی کیا دور تھا محبتوں میں سچائی تھی خلوص میں کوئی کھوٹ نہیں ہوا کرتا تھا ایک دوسرے سے بنا مفاد کے ملا جاتا تھا، ہمارا تو بچپن بھی بہت معصومانہ ہوا کرتا تھا، میری عادت تھی کہ میں اپنی عید کی شاپنگ بار بار دیکھا کرتی تھی ماں کی ممتا ساتھ تھی تو زندگی کا ہر لمحہ گھنی چھاؤں جیسا لگتا تھا، مجھے یاد ہے میں اپنی تمام جمع شدہ عیدی رکھ کر کہیں بھول جایا کرتی تھی اور وہ عیدی میرے شریر بھائی کے ہتھے لگ جایا کرتی، تب وہ مجھے بلیک میل کرتا کہ اپنی عیدی میں سے مجھے اتنے پیسے دو تب تمہیں عیدی واپس کروں گا اور میں اپنے شریر بھائی کی ڈیمانڈ پوری کر کے اپنی عیدی وصول کرتی تھی اب وہ دن اور عید یاد آتی ہے تو لبوں پہ مسکراہٹ کھل اٹھتی ہے۔

میرے بچپن کے دن کتنے اچھے تھے دن
آج بیٹھے بٹھائے کیوں یاد آ گئے ؟

بچپن اور بچپن کی وہ عید بہت یادگار ہوا کرتی تھیں اب تو نہ وہ خوشیاں رہی ہیں نہ وہ خلوص و محبتیں اور نہ وہ عیدیں، سب کچھ آرٹی فیشل سا ہو گیا ہے، ہر چیز میں بناوٹ آ گئی ہے پہلے رشتوں میں پر خلوص محبتیں ہوا کرتی تھیں اب محبتوں کے صرف دکھاوے ہی کیے جاتے ہیں، کچھ بھی حقیقی نہیں رہا ہے اسی لئے بچپن کی عید اور آج کی عید میں بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔

فرزانہ حبیب..................کراچی

سب سے پہلے تو رمضان المبارک کے بابرکت اور مقدس مہینے کے بعد عید کے پر مسرت موقع پر تمام قارئین اور لکھاری دوستوں کو دلی طور پر عید مبارک۔

۱۔ ویسے تو عید سے ہی ہمارا مذہبی اور روایتی تہوار جس کا ہر رنگ اور لمحہ خوبصورت ہے مگر عید کے دن نماز عید کی ادائیگی کے بعد بڑوں سے عیدی وصول کرنا اور شیر خورمہ سے دوست احباب کی تواضع کرنا سب سے تمام گلے شکوے بھلا کر گلے ملنا بے حد پسند ہے، ناپسند بس ان لوگوں پر غصہ آتا ہے جو عید جیسا اسلامی اور روایتی تہوار جو اللہ نے رمضان کے تحفے کے طور پر عطا کیا ہے اسے سو کر گزار دیتے ہیں یہ سراسر ناشکری ہے۔

۲۔ پچھلے سال کی عید میں کبھی نہیں بھلا سکتی جس

کے چوتھے روز ہم نے اپنے پیارے پاپا جانی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے گزارہ اور اسی رات ان کی اچانک طبیعت خراب ہوئی اور وہ ہمیں گھنٹوں میں چھوڑ کر چلے گئے، پھر عید آئی ہے مگر وہ عظیم ہستی ہمارے ساتھ نہیں بس ان کی یادیں ہیں۔

۳۔ عید کی روایتی ڈش تو شیر خورمہ اور اس کے ساتھ چنے چاٹ پسند ہے ان دونوں کی ترکیب تو ماشاء اللہ ہماری تمام سگھڑ قاری بہنوں کو آتی ہے لہٰذا بتانے کی ضرورت تو نہیں (ہاہاہا) اس کے علاوہ چونکہ گرمی بھی ہے لہٰذا ان کے ساتھ کھجور کا ٹھنڈا مشروب ہو جائے تو کیا بات ہے۔

کھجور کا مشروب

اشیاء

دودھ	آدھا کلو
کھجور	ایک پاؤ
چینی	سو گرام
سبز الائچی	تین عدد
برف کا چورا	حسب ضرورت

ترکیب

دودھ میں تھوڑا پانی ڈال کر ایک ابال دے کر اتار لیں پھر کھجور کی گٹھلیاں نکال کر تھوڑے سے دودھ میں نرم ہونے کے لئے بھگو دیں پھر بھیگی ہوئی کھجوروں کو مسکچر میں ڈال کر خوب باریک پیس لیں اب اس مرکب کو دودھ میں شامل کرکے دوبارہ باریک کر لیں پھر گلاس میں ڈال کر اوپر سے برف کا چورا اور سبز الائچی کا پاؤڈر ڈال کر آنے والے مہمانوں کو پیش کریں اور ان سے داد کے طور پر عیدی وصول کریں۔

۴۔ اللہ کا شکر تمام میرے دل کے قریب لوگ میرے آس پاس ہیں بس چھوٹی بہن ترانہ لاہور میں ہے اس کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے اور اب پاپا کی کمی تو ہر عید، ہر خوشی پر محسوس ہوگی ان کے بغیر سب کچھ ادھورا لگتا ہے۔

۵۔ میرے نزدیک عید وشنگ کا بہترین ذریعہ عید کارڈز تھے مجھے یاد ہے بچپن اور لڑکپن کی عیدیں جب اپنی پاکٹ منی جمع کرکے دوستوں کے لئے کارڈز خرید کر خود ڈیکوریٹ کرتے تھے پھر انہیں سرپرائز کے طور پر تحفے کے ساتھ دیتے تھے وہ ہمیں یاد کرتی تھیں اس اہمیت اور خوشی کی بات ہی کچھ اور تھی اب فون کالز اور ایس ایم ایس سے رابطے تو قریب ہو گئے ہیں مگر دل کی دوریاں بڑھتی جا رہی ہیں، ایک ایس ایم ایس یا فون کال کی بس جناب عید ملن کی رسم ادا ہو گئی۔

۶۔ ماشاء اللہ سسرال میں میری یہ پہلی عید ہے تمام سسرالی بہت اچھے ہیں اور میرے شوہر تو بہت ہی کیئرنگ اور لونگ ہیں انہوں نے مجھے خود شاپنگ کروائی چار خوبصورت ڈریسز اور سینڈلز وغیرہ دلائی اور چاندی کا سیٹ تحفے میں دیا، اپنے سسرال میں سب کے ساتھ مل کر بہت اچھی عید گزری۔

۷۔ اف کیا سوال کر لیا، بچپن کا زمانہ تو بے فکری اور آزادی لئے ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ہمارے دامن میں ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال کر چپ چاپ گزر جاتا ہے بچپن کی عید پر بس اپنے نئے کپڑے، جوتوں دوستوں سے ملنے اور سب سے زیادہ عیدی جمع کرنے کی خوشی ہوتی تھی اور اب بھی عید اچھی گزرتی ہے مگر دل میں کچھ قریب ہستی کے بچھڑ جانے کا دکھ اور ذمہ داریوں کو نبھانے کی فکر کے ساتھ۔

فوزیہ جی آپ کا شکریہ آپ نے عید سروے کے ذریعے مجھے بھی حنا کے سنگ عید کے رنگ میں شامل ہونے کا موقع دیا، حنا کی

خوشبو اس طرح ہمارے درمیان مہکتی رہے آمین۔

سویرا فلک.............................کراچی

سب سے پہلے تو میری طرف سے حنا اور اس کے پڑھنے والوں کو دلی عید مبارکباد قبول ہو، دعا ہے کہ رب کریم عید کے دم سے آنے والی خوشیوں کو تاحیات ہماری زندگیوں میں شامل رکھے آمین۔

۔ اگر مشرقی روایات کی بات کی جائے تو بلاشبہ تمام روایتیں ہی بہت خوبصورت ہیں، تاہم عید کی سب سے خوبصورت روایت جواب کچھ گھروں میں مفقود ہوتی جا رہی ہے وہ مجھے یہ لگتی ہے کہ ان عزیزوں، رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے جن سے ہمارا پورا سال رابطہ نہیں ہو پاتا، عید کے بہانے ملنا اور عید کی مبارکباد کے بہانے رابطے کی بحالی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور ناپسندیدہ روایت جو شاید خالصتاً ہمارے یہاں پائی جاتی ہے وہ ہے بازاروں میں بے جا پھرنا اور اسراف کرنا کہ ہر ہر چیز عید کے لئے نئی چاہئے، چاہے کسی کا حق ہی نہ مارا جائے۔

۲۔ ایسی کوئی مخصوص عید تو نہیں البتہ بچوں کے ساتھ عید منانا ہی سب سے خوبصورت لمحہ ہے، ان کی معصوم باتیں چہرے پر خوشی کے رنگ ہی یاد کے بن کر محفوظ ہو جاتے ہیں ذہن و دل میں۔

۳۔ عید پر ہمارے یہاں روایتی ڈشیں، قورمہ، بریانی، شیر خورمہ اور کسٹرڈ وغیرہ ہی بنتے ہیں کیونکہ فاروق (میرے شوہر) خاصے روایت پسند انسان ہیں اور میرے خیال سے قورمہ اور بریانی تو اب کافی عام ڈشز بن چکی ہیں جن کی ترکیب سب کو ہی آتی ہے۔

۴۔ جو ہستی عزیز ترین تھیں یعنی میری امی، وہ اب اس دنیا میں رہی ہی نہیں، ان کے بغیر آنے والی تمام عیدیں اب اپنی ذات کے حوالے سے لایعنی ہی لگتی ہیں، وہ سب سے زیادہ خوش ہوتی تھیں اور دعا دیتیں تھیں عید پر تیار ہونے پر، جو ایک نہیں تو میرا جہان نامکمل سا ہے۔

۵۔ بلاشبہ اپنے پیاروں کے لئے خوبصورت کارڈز کی تلاش پھر ان پر ان سے چاہت کے اظہار کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نظمیں، غزلیں اور اشعار لکھنا بہترین ذریعہ تھا، مگر اب وقت اور مہنگائی کے باعث ایس ایم ایس ہی مناسب ترین لگتا ہے۔

۶۔ میری شادی کے دو ماہ بعد ہی عید آ گئی تھی، سسرال والے اچھے ہیں تو عید بھی اچھی ہی گزری تھی، میاں سے تحفہ بطور ساڑھی زبردستی نکلوایا تھا، ہاہاہا۔

۷۔ پہلے جب یہ گیت سنتی تھی کہ وہ کاغذ کی کشتی، وہ دریا کا پانی تو بڑا عجیب لگتا تھا، مگر آج جب شعور جاگا ہے، تو لگتا ہے کہ واقعی شاعر نے کتنا درست لکھا ہے کہ بچپن جیسی انمول نعمت جو ایک بار جانے کے بعد دوبارہ نہیں ملتی، ہم کھو چکے ہیں اللہ کا شکر ہے بچپن اچھا گزرا، عیدیں اچھی گزریں، اب خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کی ہر عید بلکہ ہر لمحہ خوشیوں سے بھر دوں کیونکہ بچپن کے سہانے دن لوٹ کر نہیں آتے۔

☆☆☆

اُم مریم

آٹھویں قسط کا خلاصہ

بالآخر محبت کو فتح نصیب ہوئی اور غانیہ کا ستارہ چمک اٹھا، گاؤں سے تاؤ جی کی بیماری کی اطلاع کے ساتھ اچانک شادی کا اصرار ہوا اور شادی کی تاریخ طے کر دی گئی، غانیہ خواب کی سی کیفیت کے زیر اثر ہنوز غیر یقینی کا شکار ہے، کیا واقعی وہ اتنی خوش قسمت ہے......؟

منیب چوہدری دوسری مرتبہ اس تلخ تجربے سے گزرنے پہ آمادہ نہیں، کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ غانیہ سے شادی سے منکر ہونے کا کہتا ہے، غانیہ کی پہلو تہی کو اپنی توہین محسوس کرتا وہ سر تا پا قہر و غضب ہے۔

حمدان ماں کی کمی کا شکار بچہ ماما کی آمد کا سن کر خوش ہے مگر یہ خوشی بہت سے سوالوں کے جواب نہ ملنے پہ ادھورے پن کا شکار ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

نویں قسط

زرد کلائی میں کالا دھاگہ
درد کی جلتی دوپہروں میں
جیون ہار کے چلتے چلتے
کالی رات سی کالی ہوگئی
دیکھ......!
دیکھ میں ہجراں والی ہوگئی

وقت کیسے رک جاتا ہے، یہ اس نے جانا اس شخص کو ہمیشہ کو گنوا کر، سانس کیوں کر نہیں چلتا، یہ بھی اسے ابھی معلوم ہو سکا، اب وہ مردوں سے بدتر زندگی گزارنے پہ مجبور تھی، مفلوج ذہن حقیقت کی سفاکی و کربناکی کو نہ سہہ پاتا تو بار بار ماضی کے دریچوں سے جھانکتے خوشحال خوش بخت سنہرے لمحوں کو گرفت میں لینا چاہتا، اس وقت بھی وہ ایسے ہی ایک سنہری لمحے کو قید کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جاتی تھی، جن وقت کی سحر کاری نے اسے خوش نصیبی کے تمغے سے سرفراز کیا تھا، جب وہ اس کا تھا اور وہ دنیا کی سب سے بلند بخت روشن نصیب لڑکی تھی، اس کی نظروں کا سنہرا رنگ اسے اجالتا تھا تو وہ چمکیلی ہوئی جاتی تھی، جب خامشی کے شور میں خوشبوئیں بھر لاکرتی تھیں، جب اس کی گلاب رنگ ساڑھی کا بارڈر سیاہ و سنہری تھا، جب ڈھیروں پھول اس کی چوٹی سے لپٹے تھے، جب اس کی سڈول کلائیاں بھی پھولوں سے آراستہ رہا کرتی تھیں، وہ سحر کار تھی اب بھی تھی، مگر اب اسے وہ جادو بھول گیا تھا جو اس ساحر پہ چلاتی رہی تھی وہ۔

وقت بدل گیا تھا، وہ آخری بار اس کے پاس آیا تو جتنا بھی حسین و دلنشین لگتا تھا انداز تبدیل کر کے ستم گر ہو گیا تھا، اس نے شہزادوں سے بڑھ کر خوب صورتی رکھنے والے اپنے اس محبوب شخص کو دیکھا تھا جو اجنبی سا اجنبی ہوا پڑا تھا جو اپنی سرخ ڈوروں سے سجی آنکھوں اضطراب کی کیفیت میں اس پہ جمائے کڑا اسے گھورتا تھا، بولتی ہوئی سحر نا کی جاندار آنکھیں مگر جن میں اس کے لئے کوئی احساس کوئی رنگ کوئی جذبہ اب ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا، وہ روہانسی ہونے لگی، حواسوں سے باہر ہونے لگی، اسے پھر یاد آیا، جب گلاب رنگ ساڑھی کا سارا گلابی رنگ سلیمان کی جادہ اثر نگاہی کے باعث اس کے چہرے پہ منتقل ہوتا گیا تھا، بیش قیمت جواہرات سے سجی جیولری کا لاکر اس کے سامنے کھلا تھا، زیورات کی آب تاب اس کی اپنی جگر جگر چمکتی خوب صورتی کے سامنے ماند پڑ رہی تھی، وہ جیولری کے انتخاب میں کنفیوژڈ ہوتی سلیمان کی رائے پوچھ رہی تھی۔

''صاحب...... بتایئے...... یہ سیٹ کیسا لگ رہا ہے؟'' جواباً ایسا جواب ملا کہ وہ جھینپ گئی تھی۔

''بس مجھے اپ سیٹ کر رہا ہے۔'' وہ جب رومینٹک موڈ میں ہوتا تو اس کا عشق کہیں کونے میں جا کھڑا ہوتا، وہ ذرا سی محبت جتلا کر بھی عشق کی شہنشاہیت کے مرتبے پہ جا پہنچتا، وہ خود کو داسی بنا کر بھی اس کے قدموں میں جگہ ڈھونڈتی رہ جاتی، کیا شک وہ ایک سحر کار مرد تھا، بے حد پرکشش اور اس کا حسن بھی زید شکن تھا، بچہ رو دیا وہ چونک گئی، سلیمان بچے کی سمت متوجہ ہو گیا، اسے خار بن کر چبھی یہ مداخلت۔

''اسے مجھے دیں۔'' وہ فوراً آگے بڑھی، گویا بچے کے بہانے خود توجہ حاصل کرنا چاہی، سلیمان نے بچہ اسے دے دیا۔

''بہت پیار کرتے ہیں اس سے؟'' وہ بیٹے کو نہیں محبوب کو دیکھتی تھی، محبوب اسے نہیں بچے کی سمت متوجہ تھا۔

''کیا شک۔'' محبوب مسکراتا تھا تو اس کا نازک دل ڈول جایا کرتا، کتنا جچتی تھی اسے یہ مسکان۔

''اور اس کی ماں کیسی لگتی ہے؟'' دل مچل گیا، سوال اٹھ گیا، صاحب کو پھر بھی چونکنا نہیں آیا، البتہ مسکان گہری ہوگئی، مزید قاتل ہوگئی اور وہ قتل ہوگئی۔

''ماں اچھی لگی تھی تو اس کی ماں بنی، یہ بات تو تم بھی جانتی ہو۔'' وہ بے نیازی میں بھی جچتا تھا، کٹھور مغرور نظر آتا پھر بھی دل سنبھالے پھرتا تھا اس کا، حالانکہ فطرتاً درویش صفت تھا، بلا کا سادہ بے ریا، مگر انداز فطرتاً شاہانہ تھے، مغرورانہ و قاتلانہ جن کا خود اسے احساس نہیں تھا، وہ کتنے دلوں پہ کمندیں ڈالتا ہے اور ناکام نہیں ہوتا، یعنی حد تھی بے نیازی کی، وہ اکثر شکوہ کیے بغیر نہ رہتی۔

''مجھے اس وقت دکھ نہیں ہوتا صاحب، جب لڑکیاں آپ کو دیکھتی ہیں، مجھے دکھ اس وقت ہوتا ہے جب آپ لڑکیوں کو دیکھتے ہیں، انہیں رسانس دیتے ہیں۔''

کیسی جیلسی تھی، اس سے اس کا لوگوں کو محض آٹو گراف دینا بھی برداشت سے باہر ہوا جاتا تھا اور اب...... اب وہ سرے سے کھو بیٹھی تھی اسے جو اس کی سانسوں کی آمد و رفت کا باعث تھا، لازم و ملزوم تھا، اس کے بغیر رہ سکتی تھی؟

نہیں رہ سکتی تھی جب یہ طے تھا تو اب کیسے رہتی، مگر رہنا پڑ رہا تھا، اس نے جانا تھا موت اس پہ آسان نہیں، مہربان نہیں تو وحشتوں کو قرار کیسے آتا، انہی وحشتوں میں گھری وہ بھاگتی ہوئی، ٹھوکریں کھاتی کمرے تک آئی، اس کمرے تک جہاں اکثر صاحب کا قیام ہوا کرتا تھا، شادی سے پہلے شادی کے بعد بھی، اک اک شے میں اس کے صاحب کا لمس اس کی مہک کا احساس رچا تھا، وہ اک اک شے کو پاگلوں کی طرح چھونے محسوس کر کے سسکنے لگی، بستر پہ بچھی چادر پر یوں شکنیں تھیں جیسے وہ ابھی ابھی اٹھ کر وہاں سے گیا ہو، کھڑکیوں پر لٹکتے پردے، سائیڈوں پہ لپٹے ہوئے تھے، ملحقہ ڈریسنگ رم اور باتھ روم کے دروازے پہ رکھے باتھ سلیپرز کے رو میں یوں مسلے ہوئے اور بے ترتیب تھے جیسے ہلکے نم ہوں، آفٹر شیو لوشن باتھ سوپ اور شیمپو کی باتھ روم میں بند خوشبو دروازہ کھلنے پہ باہر آئی، وہ آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی عجیب سی حسرت سمیت اس خوشبو کو دل میں اتارتی رہی، ڈریسنگ روم کی دیوار پر لکڑی کے منقش فریم میں جڑے شیشے کی شلف پر پرفیوم کی بوتل اور ایک مردانہ رول آن رکھا تھا، شیشے کے قریب رکھی کرسی پر ہلکا نم باتھ روب پڑا تھا، اس کے آنسو باتھ روب کو مٹھی میں لے کر زی سے مسلتے نم ہونے لگیں۔

محبوب کا سب کچھ یہاں تھا، بس محبوب خود نہیں تھا، سکون نہیں تھا، خوشی نہیں تھی۔

ایسے جاتی ہے زندگی کی امید
جیسے پہلو سے یار اٹھتا ہے

وہ بے اختیار سسکنے لگی، غم سے لرزنے لگی، وہ غم جس کا کوئی مداوا نہیں تھا، وہ دکھ جس کا اب کوئی کوئی بھی درماں نہیں تھا۔

سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں
تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

وہ پھر حال سے بے حال ہونے لگی، وہ پھر حواس کھونے لگی، یاد ماضی کے چند خوشگوار لمحے اور پھر حال کی حقیقت اور اس کی کربنا کی، زندگی اب اسی دھوپ چھاؤں کا کھیل تھی، وہ اس کھیل سے اکتانے لگی، تھکنے لگی تھی۔

☆☆☆

بجلی بہت زور سے کڑکی، اتنے زور سے کہ اسے لگا صحن میں ہی آ گری ہے، اس کی دبی دبی سی چیخ نکل گئی، کمرے کی کھڑکی زور زور سے چوکھٹ سے ٹکر مار رہی تھی، جیسے زخمی پرندہ پنجرے کی دیوار سے تڑپ تڑپ کر سر ٹکراتا ہے، باہر ہوا شاں شاں کرتی تھی، بارش ابھی بھی ہو رہی تھی، ہوا کا تیز جھونکا تھوڑی تھوڑی دیر بعد بوندوں کی ایک بوچھاڑ سی کھلے پٹ سے اندر کی طرف اچھال دیتا، بیڈ کی دائیں طرف اس بوچھاڑ سے اچھی طرح بھیگ چکی تھی، اس نے خود کو بائیں طرف کھسکا لیا، کتنی دیر بجتی ہوا کی کھڑکی کا پٹ ساکن ہو گیا تو مدھم ہوتی بارش کی کن من کا شور سنائی دینے لگا، اس نے جیسے تھک کر آنکھیں موند لیں، آنکھوں میں جیسے کسی نے جلتے انگارے رکھ دیئے ہوں، وہ شخص اسے تھکانے کو ہر روز اک نیا ستم ایجاد کیا کرتا تھا، اسے میکے چھوڑتے کتنی بے اعتنائی و بے رحمی سے کہہ گیا تھا، وہ اپنا شوق پورا کرے یہاں رہنے کا۔

اس نے تو کبھی شوق ظاہر ہی نہ کیا تھا، پھر وہ کون سے شوق جتلا گیا تھا، ایسے ان دیکھے کون سے ارمان پورے کرانا چاہتا تھا، وہ سوچ سوچ ہاری تھی اور ہار ہار کر سوچتی تھی، دکھ دینے والا توہین آمیز سا احساس رگ و پے میں سرایت کرتا جاتا تھا، اسے یہاں آئے بھی ہفتہ دس دن ہوئے، ماما جو اس کی آمد کی متمنی تھیں، اب آمد ہو جانے کے بعد سسرال سے برتی جانے والی لاتعلقی کے باعث گھبرائی بوکھلائی پھرتیں، اس کی حیثیت کا اوقات کا اندازہ لگانا اب بھلا دشوار کہاں رہا تھا۔

''منیب کا رویہ تمہارے ساتھ ٹھیک تو ہے غانیہ!'' بیٹی کا بجھا چہرا یاس زدہ آنکھیں انہیں روایتی ماں بنا کر متفکر کرنے لگیں، انہیں بھول گیا وہ اس رشتے کی کتنی مخالف تھیں، کتنا ناپسند کرتی تھیں، یاد تھا تو بس یہ کہ ان کی بیٹی کا گھر اور دل جس سے آباد تھا، جس سے بستا تھا وہ شخص منیب چوہدری تھا، انہیں اس شخص کی فکر اور پرواہ تو کرنی تھی۔

''سب ٹھیک ہے ممی! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں، بس وہ مصروف اتنے رہتے ہیں کہ ٹائم کم نکال پاتے ہیں، اسی وجہ سے جلدی ملانے نہیں لا سکے تھے آپ سے، اب بھی یقیناً اسی وجہ سے نہیں آ پا رہے، لیکن فون کرتے ہیں مجھے۔''

وہ پھر جھوٹ بولنے لگی، وہ پھر بھرم رکھ رہی تھی، انہوں نے صاف سمجھا اور سر جھکا لیا، یاسیت گہری ہوتی جا رہی تھی، الجھا ریشم مزید الجھ چکا تھا، دکھ حد سے سوا ہو جاتا تھا، انہیں لگا کہنے کو مزید کچھ باقی نہیں رہا، غانیہ کی جبری مسکراہٹ خواہ مخواہ کی ہنسی اس کے ان کہے دکھوں کے بھید کھولتی

تھی، وہ اسے دیکھتیں اور آنسو اندر اتار لیتیں، کیسے بیٹی کو جتاتیں، دیکھا غلط فیصلہ ہے تمہارا، زخم کیسے کریدتیں، یہ انہیں زیب دیتا تھا نہ اس کی تاب رکھتی تھیں، فضہ واپس جانے کو تیار تھی، گویا اس سے ملنے کا ہی انتظار تھا اور جس دن وہ جا رہی تھی اس سے ایک دن پہلے بالکل غیر متوقع طور پہ بنا اطلاع کیئے وہ شخص اچانک چلا آیا، غانیہ فضہ کے اصرار پہ ہی اس کی دوست کے ہاں جانے کو تیار ہوئی تھی، یہ الوداعی دعوت تھی، جو فضہ کی دوست نے اسے دی تھی، غانیہ کہاں جانے پہ آمادہ تھی، فضہ کی دھمکیوں کے باوجود اسے بن بلائے وہاں جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا، جبھی اصرار کے باوجود کپڑے نہیں بدلے جو فضہ ہی نکال کر رکھ گئی تھی۔

''تم تیار نہیں ہوئیں؟ اچھا چلو نہ سہی، وہاں نہ جانا مگر آؤٹنگ پہ تو چل سکتی ہو ناں؟ اب کپڑے بدل لو، ورنہ مجھ سے ہرگز برا کوئی نہ ہوگا۔''

اسے کمرے میں بیٹھے ہی فضہ انٹرکام پہ دھمکیاں دے رہی تھی، غانیہ کو اب کے اٹھنا پڑا، بھلا جان سے پیارے رشتوں کی آس اور دل توڑنا اتنا آسان تھوڑی ہوا کرتا ہے، اسی نے لباس اٹھا کر دیکھا، نیٹ کا آف وائیٹ بہت خوب صورت سوٹ تھا، شام کی مناسبت سے کپڑے بالکل مناسب تھے، اس نے گہرا سانس بھر کے ہینگر اٹھا لیا، اس سے قبل کہ واش روم میں جاتی آندھی طوفان کی طرح فضہ اندر آن دھمکی۔

''چھوڑو یہ سب...... اور یہاں لیٹو، چہرے پر زبردستی سہی بے چارگی و نقاہت طاری کرنا بھی بہت ضروری ہے کہ تم بیمار نظر آؤ، سمجھیں؟'' فضہ نے اسے کھینچ تان کر بستر پہ دھکیلا، یہیں پہ اکتفا نہیں کیا، اس پر زبردستی کمبل بھی اوڑھا دیا، وہ حیران پریشان بلکہ جھلا کر اٹھنے کو ہوئی تو فضہ نے پھر سے اسے پکڑ کر تکیے پہ پٹخا۔

''افوہ...... بے وقوف لڑکی! بات نہیں مانتی ہو، منیب چوہدری صاحب تشریف لائے ہیں۔'' فضہ کے جوشیلے غصیلے انداز پہ اس نے کہاں کان دھرا، دل تو اس اطلاعیہ فقرے میں کہیں اٹک گیا تھا، تھم گیا تھا یا پھر بے تحاشا دھڑک اٹھا تھا۔

''کیا...... میرا مطلب ہے واقعی؟'' وہ سرعت سے اٹھی، سوکھے دھانوں پہ گویا پانی پڑا، پھر سے زندہ ہو گئی۔

''بالکل واقعی...... مگر میں نے بلوایا ہے، فون کر کے، جھوٹ بول کے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، اب بیچارا پتا نہیں کیا کچھ سوچ کر آس باندھ کر دوڑا آیا ہوگا، کہ تم سے خوشخبری سننے کو ملے گی، دیکھو اگر ایسی بات ہے تو پہلے مجھے ضرور بتا دو۔''

غانیہ جو اس کی بات پہلے بھی نہیں سمجھی تو ایک دم دبک کر رہ گئی تھی، ڈھنگ سے اسے گھور بھی نہ کہ اسی پل منیب چوہدری دستک دیتا اندر داخل ہو گیا تھا، غانیہ کی تمام حسیات ساکن و سامت ہو کر رہ گئیں، منیب فضہ سے رسمی گفتگو میں مصروف ہوا، ایک سرسری نگاہ غانیہ کے بھی حصے میں آئی، جو اس کا دل دھڑکانے کا سبب بن گئی تھی۔

''بالکل ٹھیک ٹھاک، آپ کی مسز کی خیریت البتہ کچھ مشکوک لگتی ہے، ان پہ توجہ دیں، میں چائے لاتی ہوں۔'' فضہ مسکراتی ہوئی پلٹ گئی، تب وہ شخص پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوا،

غانیہ جو شانوں پہ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دے رہی تھی، اس کی توجہ پہ موم بن کر پگھلی، دوپٹہ لاپرواہی سے شانے پہ پڑا تھا، سیاہ جدید تراش خراش کا لباس اس کے شفتری وجود کو مزید اجاگر کر رہا تھا گویا، وہ استحقاق رکھتے ہوئے بھی نظریں چرا گیا، ابھی تو پہلے وار کا اثر زائل نہ ہوا تھا، دوسری مرتبہ دانستہ خود کو گھائل کیونکر ہونے دیتا، غانیہ کے لئے اک نگاہ بھی کافی تھی، سٹپٹانے کو، بوکھلانے کو، حواس جگانے کو، بال اس کے ہاتھ کی کمزور پڑتی گرفت سے چھوٹ گئے، وہ گم صم بیٹھی رہ گئی، معاً سنبھلی اور تیزی سے اٹھی۔

"بیٹھیں آپ، میں چائے لاتی ہوں۔" منیب نے ایک دم اسے دیکھا، ہاتھ کے اشارے سے منع کیا، غانیہ تھم سی گئی، اٹھا ہوا قدم واپس آ گیا۔

"کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو؟" مخاطب بغور جائزہ لیتا تھا، نگاہیں زیرک تھیں، گویا لمحوں میں سچ جھوٹ پرکھ جائیں گی، غانیہ کی گھبراہٹ چھپائے نہ چھپی، فضہ پہ جی بھر کے غصہ آیا، کوئی تک تھی بھلا ایسے غلط بیانی کی، اسے قطعی سمجھ نہ آئی، کیا جواب دے، جبکہ سوالیہ نگاہیں جواب کی منتظر تھیں۔

"کک...... کچھ نہیں، بس یونہی۔" وہ گڑبڑائی، منیب نے اسے سرد نظروں سے دیکھا۔

"کیا یونہی......؟ آپ کی بہن صاحبہ جھوٹ بول رہی تھیں؟" وہ سوال کر رہا تھا، بلکہ سوال پہ سوال کر رہا تھا، انداز اور نظریں تلخ تھیں، شک آلود تھیں، غانیہ کو عجیب سے دکھ نے آن جکڑا، چاہنے کے باوجود بھی آنکھوں کی سطح کو بھیگنے سے نہیں بچا سکی، جسے اس شخص نے دیکھا، سمجھا اور محسوس کیا تھا، جبھی اس پہ ترس کھاتے گرفت ہٹالی۔

اب وہ اس کی بجائے گھڑی دیکھ رہا تھا، غانیہ بے ساختہ چونک کر متوجہ ہوئی، ادھر بے نیازی وغفلت تھی، مگر مژدہ جانفزا سنا دیا تھا، وہ لمحوں میں سرسبز ہونے لگی۔

"مجھے لینے آئے ہیں؟" خوشی میں حماقت سرزد ہوگئی، احمقانہ سوال پہ اس شخص کا نازک مزاج برہمی سمیٹ لایا، نالاں ہو گیا، جبھی گھور کر اسے دیکھا، وہ لمحوں میں خفت سے بھری، شرمندہ نظر آنے لگی۔

"کیوں؟ اور رہنے کا ارادہ ہے تو مجھے اعتراض نہیں، چلا جاتا ہوں، یا خوشی میں دماغ چل گیا ہے؟"

بھلا ممکن تھا کہ وہ اس سے بات کرے اور طنز کے بغیر کرے، اس کے بخیے نہ ادھیڑے، تکلیف نہ دے، نہیں یہ ممکن نہیں تھا، غانیہ کا چہرہ دہک گیا، سرخ ہو گیا، آنکھیں خفت سے جل اٹھیں، کچھ کہے بغیر لب کچلتی آگے بڑھی اور اپنا بیگ اٹھا کر عجلت میں تیاری کرنے لگی، کپڑے بیگ میں بھر کے زپ کھینچی، دوپٹہ ڈھلک گیا تھا، بالوں کی لٹیں چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں، جن سے وہ جتنی غافل وہ شخص اتنا ہی ان میں الجھ رہا تھا، فضہ کا استری کیا ہوا لباس ہی اٹھا لیا نہا کر پہننے کو، تب ہی فضہ ملازمہ کی معیت میں چائے کی ٹرالی سمیت چلی آئی، لوازمات کے انبار سمیت، وہ شخص ایک دم شرمندہ نظر آیا۔

"ارے رہے...... آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی اور ادھر کیوں آ گئیں، میں نیچے ہی آ رہا تھا،

چچی جان کے ساتھ چائے پیتا۔"

"ممی بھی یہیں آ جائیں گی، آپ تشریف رکھیئے اور غانیہ تم کدھر بھاگی جا رہی ہو؟" فضہ نے غانیہ کو گھیرا، جو واش روم کے دروازے تک پہنچ چکی تھی، اک نظر اسے پھر اس شخص کو دیکھا، جو اس سے ہنوز غافل اور لاتعلق نظر آ رہا تھا، وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

"دو منٹ میں آتی ہوں۔" وہ اتنا سا جواب دے کر اندر گھس گئی، چند منٹ میں باتھ لے کر باہر آئی، تو بال گیلے تھے، اس کو اس شخص کے سامنے بال سلجھاتے عجیب سی جھجک محسوس ہوئی، جسے محسوس کرتا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"چاچو آ گئے ہوں گے، میں ان سے مل لوں۔" بھاری آواز میں کہتا وہ اگلے لمحے دروازے سے باہر تھا، فضہ نے گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا، جواب قدرے ریلیکس انداز میں بال سلجھا رہی تھی۔

"بہت عجیب میاں بیوی ہو تم لوگ، کوئی دیکھ کے کہہ سکتا ہے کہ تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔" وہ چڑی ہوئی لگتی تھی، غانیہ کیا کہتی، اپنی تیاری میں لگی رہی، بال سلجھائے، ڈرائیر سے خشک کیے لپیٹے سمیٹے، بینڈ چڑھایا، دوپٹہ گلے میں چادر اوڑھ تیار، فضہ تو حق دق رہ گئی۔

"یہ تم سسرال جا رہی ہو یا کسی سوئم کی محفل میں؟ آج کل تو کوئی وہاں بھی ایسے نہیں جاتا، نہ کوئی میک اپ نہ جیولری، پاگل تو نہیں ہو گئی ہو تم غانیہ۔" وہ ایسے اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی گویا آستین چڑھا کر ابھی اس پہ چڑھائی کر دے گی، غانیہ کو اس کے اسی انداز پہ بے ساختہ ہنسی آئی۔

"یار...... کیا ہو گیا ہے، انہیں پسند نہیں ہے، بن سنور کر باہر نکلنا، اوپر سے پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر...... سمجھا کرو پلیز۔"

"اتنا بڑا دکیل ہے یہ بندہ! ایک گاڑی افورڈ نہیں کر سکتا، کم از کم اب تو خرید ہی لینی چاہیے کہ بیوی کو بسوں ویگنوں میں دھکے نہ کھلوائے۔" فضہ کا اعتراض سامنے آ گیا، غانیہ کیا کہتی، اس بات کا جواب ہی نہیں تھا اس کے پاس، بیگ اٹھا کر اسے دیکھا، مسکرائی۔

"اب نیچے چلیں؟"

"بہت جلدی ہے تمہیں جانے کی؟" فضہ نے آڑے ہاتھوں لیا، پتا نہیں کیوں، وہ بے بس ہوئی، عجیب کوفت سے بھر گئی۔

"مجھے ہے یا نہیں، تمہیں ضرور بھیجنے کی جلدی تھی، جبھی انہیں جھوٹ بول کر بلوا لیا۔" فضہ نے جواباً سرد آہ بھری، اس کا گال سہلایا۔

"برا نہ مانو، ہم بہرحال تمہارے خیر خواہ ہی ہیں اتنا تو یقین ہے نا تمہیں؟" غانیہ محض سر ہلا کر رہ گئی، ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

"ہم سب چاہتے ہیں جلدی سے تمہاری گود بھر جائے، اولاد کی ضرورت تمہیں ہے، منیب کا تو پہلے سے بیٹا موجود ہے، وہ تو شاید تم سے اولاد بھی نہ چاہے، کہیں واقعی ایسی تو بات نہیں؟" فضہ تسلسل اس کے چھکے چھڑانے پہ تل گئی، چودہ طبق روشن کیے گئی، وہ جتنا بھی گھبرائی بوکھلائی فضہ

اپنے سوالوں کے جواب ہر صورت چاہتی تھی، جبھی جان نہیں چھوڑی۔

''کیسی باتیں کرتی ہو؟ ایسا بھلا کیوں چاہیں گے وہ۔'' غانیہ نے جھلا کر کہا تھا اور اب کی بار قدم بڑھا دیئے مگر دروازہ کھولتے ہی اس کے سر پہ جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا، منیب چوہدری دروازے پہ کھڑا تھا، چہرہ بالکل سپاٹ، وہ ہرگز اندازہ نہیں کر پائی آیا وہ کس حد تک ان کی گفتگو سے فیض یاب ہوا، ہوائیاں بجیت ہوگئی۔

''اتنی دیر کردی آپ لوگوں نے کہ مجھے انتظار کرتے کرتے دوبارہ آنا پڑا، انہیں تو پتا ہے شام ڈھل رہی ہے گاؤں کے راستے بھی طویل ہیں۔'' وہ مخاطب بھلے فضہ سے تھا مگر شکایت ساری کی ساری گویا غانیہ سے تھی، وہ گھبرا سی گئی، دبک کر رہ گئی، مدد طلب نظروں سے فضہ کو دیکھا، جو بے نیازی کا تاثر دیتی کاندھے اچکا کر رہ گئی تھی، غانیہ اسے وہاں سے جاتے پا کر دوہری افتاد کا شکار ہوئی۔

''سوری...... میں آئندہ خیال رکھوں گی۔''

وہ از حد کنفیوژ تھی، منیب چوہدری نے اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھا اور لمبے ڈگ بھرتا آگے آگے چل پڑا سیڑھیاں اتر کر دونوں نیچے آئے تو مما وہیں ان کی منتظر تھیں۔

''بیٹے غانیہ کو جلدی بلانے لایا کرو، بلکہ جتنی جلدی ممکن ہو ادھر ہی شہر میں شفٹ ہو جاؤ، محض ایک مہینے کے اندر دیکھو غانیہ کیسے مرجھا کر رہ گئی ہے، ماحول کا فرق بچی کو۔''

''ایکسکوزی آنٹی، آپ کو اپنی بیٹی کا اتنا خیال تھا تو اس کی شادی اس ماحول میں نہیں کرنی تھی جو آپ کی بیٹی کے لئے سوٹ ایبل نہیں تھا، معذرت کے ساتھ مگر میں واضح طور پہ کہنا چاہوں گا کہ اس شادی پہ سراسر دباؤ اور خواہش ادھر سے تھی، اب بھی اگر آپ کو کسی قسم کا کوئی پچھتاوا ہے تو ان محترمہ کو میں یہیں چھوڑ جاتا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، بی کوز میں اپنا گھر اپنے رشتے چھوڑ کر کسی ایک فرد کے لئے شفٹنگ نہیں کر سکتا، ساری زندگی نہیں، مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں تھا، آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکل گیا، غانیہ جو اس دوران پتھرا سی گئی تھی، تھرا کر ہوش میں آئی، پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی تو ٹھوکر کھا کر کئی بار گرتے گرتے بچی۔

''منیب...... رکیں منیب!'' اس کا سانس پھول گیا، آواز رندھ گئی، آنکھوں تلے اندھیرے چھانے لگے، یہ خیال ہی سراسیمگی کی انتہاؤں تک لے جانے والا تھا کہ وہ اسے چھوڑ دے گا، اس سے خفا ہو جائے گا، زندگی میں باقی تو کچھ بچتا ہی نہیں تھا، کچھ رہتا ہی نہیں تھا، وہ کیا کرتی، وہ کیسے جیتی۔

''منیب! فار گاڈ سیک، رک جائیں۔'' وہ بالآخر اس تک پہنچ گئی، اس کا بازو پکڑ لیا، منیب جھنجھلا کر پلٹا، غصے سے کچھ کہنا چاہا، مگر لب بھینچ گیا، آنکھوں میں آنسو، سرتاپا لرزش زدہ وجود، وہ واقعی قابل رحم تھی یا اسے لگی کہ بہر حال وہ اس پہ اپنا قہر اپنا غضب نہیں اتار سکا۔

''معاف کر دیں، پلیز معاف کر دیں، غلطی ممی کی ہے، سزا مجھے تو نہ دیں، مجھے تو ہرگز اعتراض نہیں، آپ جیسے رکھیں، جہاں رکھیں خوش ہوں، خوش رہوں گی، آ...... آپ گواہ ہیں، میں

نے کبھی شکایت نہیں کی۔''

بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ یقین دہانی کروا رہی تھی، اعتبار سونپ رہی تھی اور کچھ غلط بھی تو نہ کہہ رہی تھی، وہ نازک موم سے بنی گلابی گڑیا جیسی لڑکی جس کا وجود بیلے کی کلیوں سے بھی نازک تر تھا، اس کی ستم ظریفیاں کس حوصلے سے سہہ جاتی تھی، واقعی اف نہ کرتی تھی، یہ محبت تھی؟ یا نفس کی اطاعت؟ فیصلہ آسان تھا مگر وہ کرنا ہی نہ چاہتا تھا، دل جو صاف نہ تھا، محبت سے بھاگتا جو تھا، آگ میں جلتا تھا تو پھول کیسے بانٹ سکتا تھا۔

''اچھا۔'' وہ طنزیہ ہنسا۔

''کب تک؟ کب تک خوش رہو گی؟ کب تک شکایت نہیں کرو گی؟'' جواباً لہجہ طنزیہ تھا، حقارت سے بھرپور، غانیہ کے وجود میں ببول اگ آئے، حلق کانٹوں سے بھر گیا، اذیت بے انت اذیت روح تک جا پہنچی، کتنی دیر وہ کچھ بولنے کے قابل نہ ہو سکی۔

''آخری سانس تک۔'' وہ بولی تو اس کے لہجے کے یقین نے مضبوطی نے منیب چوہدری کو جھنجھلاہٹ و کوفت سے لبریز کیا تھا۔

''اپنی ماں کو سمجھا دینا، آئندہ مجھ سے یہ فضول بات نہ کریں۔'' وہ نخوت سے تلخی سے کہہ رہا تھا، بلکہ حکم صادر کر رہا تھا۔

''نہیں کہیں گی، کبھی نہیں کہیں گی۔'' غانیہ نے فی الفور حکم نامے پہ تعمیل کی مہر ثبت کی، منیب کے چہرے کا تناؤ قدرے کم ہوا، آنکھوں کی سختی ذرا سی ڈھلی، دوران سفر وہ دو اجنبی تھے، جو اک ساتھ اک سیٹ بیٹھے مکمل غفلت اور بیگانگی کے ساتھ اک ہی منزل پہ تو پہنچتے ہیں مگر اک دوسرے کو نہیں جانتے نہیں پہچانتے، جس وقت گاؤں کو آتی آخری بس نے انہیں اڈے پہ اتارا اور ہارن بجاتی آگے بڑھی شام کے سرمئی سائے چاروں طرف اپنے پر پھیلا چکے تھے۔

قرب و جوار کی مساجد میں مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں، جبکہ گاؤں کے آخری سرے کی مسجد سے ابھی بھی اذان کے آخری کلمات سنائی دے رہے تھے، فضا میں دونوں پہر ملنے پر جو گہرا سکوت اور اداسی چھا جاتی ہے وہی درد اس وقت فضا میں رچا بسا محسوس ہو رہا تھا، شام کے ان انتہائی لمحات کو گمبھیر تا کچھ فضا میں بسا حزن اس کی تھکی ماندی افتاد کو اور بھی سست بنا رہا تھا، گھر کا دروازہ ادھ کھلا تھا، وہ آہستگی سے دھکیل کر اندر داخل ہو گیا، اس کے پیچھے غانیہ بھی، نیم تاریک برآمدے سے ہوتا صحن میں آ گیا، صحن میں لگے امرود کے اکلوتے درخت پر پرندوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے، یہ پرندوں کی بھی واپسی کا وقت ہوتا ہے، درخت پر پرندوں کی بے تحاشا شور نے ماحول کی اداسی کو کسی حد تک شکست دینے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔

کمرے سے نکل کر اماں ایک دم سامنے آ گئیں، اسے دیکھا اور جیسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہ کرتے ہوئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، یقین آیا تو نہال ہو کر آگے بڑھیں، بے ساختہ گلے لگایا، ماتھا چوما۔

''کیسی ہے دھی رانی آ گئی تو، کتنے دن سے پیچھے پڑی تھی منیبے کے لے کے آ دھی کو، سنتا ہی نہ تھا، سہیل سے کہتی تھی ٹیلی فون کا نمبر ملا کے دے، بات کرنی ہے، کہتا مجھے بھرجائی کا نمبر پتا نہیں،

شکر ہے رب سوہنے کا، تو گھر آئی تو گھر گھر لگا، آ...... ادھر آ...... اپنی دادی سے مل، ہر دو ملے تجھے یاد کرتی ہے۔'' وہ خوشی سے نہال اس کا ہاتھ پکڑے دادی کے کمرے میں لے گئیں، بیٹے کو ذرا جو لفٹ کرائی ہو، وہ جل سا گیا، ہاتھ میں موجود اس کا بھاری بھرکم بیگ جھلا کر وہیں پٹخا اور خود کمرے میں جا گھسا، کمرہ ویسا ہی تھا، جیسا ہر روز جیسا ہر روز ہوتا تھا بے ترتیب، ویران ویران سا، اس نے ٹائی کھینچی اور کوٹ کے ساتھ ہی اتار کر بستر پہ پھینک دی، اس کے کپڑوں کا آخری جوڑا تھا جو اس نے کل پہن لیا تھا، اماں سے اب کہاں کپڑے دھلتے تھے، یا دانستہ اسے احساس دلانے کو غفلت برتی تھی، کہ وہ اسی بہانے جا کے غانیہ کو لے آئے اور بہانہ مل گیا تھا، اس نے صبح اتارا ہوا لباس ہی اٹھا لیا، نہا کر وہی پہن کر باہر آیا تو غانیہ کمرے میں موجود تھی، ہر شے معمول پہ ہی نہیں صاف ستھری بھی نظر آنے لگی، وہ چند منٹوں میں اس کا کئی دنوں کا پھیلاوہ سمیٹ چکی تھی، دھونے والے کپڑوں کا ایک بڑا سا ڈھیر دروازے کے پاس لگ چکا تھا۔

''سہیل بھائی پلیز مجھے سرف تو لا دیں، ختم ہے۔'' منیب کھانے کے لئے کچن میں آیا تو وہ سہیل سے مخاطب تھی، جو صحن میں چارپائی پہ فرصت سے بیٹھا چاولوں کی فل بھری ہوئی پلیٹ پہ رائتے اور سلاد کا پہاڑ بنائے مرغ کی ٹانگ بھنبھوڑ رہا تھا، اس کام کو سن کر منہ کا زاویہ بگاڑ لیا۔

''صبح لا دوں گا بھرجائی، آپ نے کون سا ابھی کپڑے دھونے ہیں۔''

''ابھی ہی دھوؤں گی، سو پلیز۔'' پانی کا بھرا ہوا جگ اور گلاس اس کے پاس دھری چھوٹی میز پہ رکھتی وہ رسانیت سے گویا ہوئی، جہاں منیب طمانیت سے بھرا وہاں اماں نے اچھی خاصی حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

''جھلی نہ بن کڑیے! اتنا لمبا سفر کر کے تھک کے گھر آئی ہے، ہن آرام کر، مشین صبح لگواؤ گی میں خود تیرے نال۔''

''میرا کوئی کپڑا ابھی دھلا ہوا نہیں ہے اماں! کتنی الجھن ہو رہی ہے مجھے میلے کپڑوں میں اندازہ بھی نہیں ہوگا آپ کو۔''

اس سے قبل کہ غانیہ کوئی جواب دیتی، وہ جھلا کر کہتا باہر نکل گیا، اب بھلا ممکن تھا کہ غانیہ ٹک کر بیٹھتی، اماں نے بڑے تاسف بھرے انداز میں بیٹے کی بے حسی کو دیکھا تھا۔

''کوئی جرورت نئیں سارے کپڑے دھونے کی، بس اک جوڑا دھو کے پھلا دے منیبے کا، اپنا پتا ہے اسے کہ کپڑے میلے ہیں، یہ پتا نئیں کہ نمانی تھکی ہوئی ہوگی، بڑا ہی کوجا ہے یہ منیبا۔'' اماں بعد میں بھی بہت دیر تک بڑبڑاتی رہیں، سہیل نے بغیر کوئی تبصرہ کیئے سرف کے پیکٹ لا کر اس کے حوالے کر دیئے۔

''ڈبو دوکان بند کرنے ہی لگا تھا، بر وقت پہنچ گیا میں، نئیں تو اس کے گھر جانا پڑتا جو گاؤں کے آخری سرے پہ ہے، جو میں تو نہ جاتا چاہے ویرا کتنا ہی ناراض کیوں نہ ہو جاتا، بھرجائی تو کپڑے مشین میں ڈال میں نکالتا جاؤں گا، تو کھنگال دینا چھت پہ میں پھیلا دوں گا، ٹھیک ہے؟''

سب اس سے اپنے اپنے انداز میں ایسے ہمدردی کر رہے تھے کہ جیسے واقعی پتا نہیں اس پہ ظلم کا کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو، جبھی شرمندہ سی ہوگئی۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ ہرگز کوئی ایسی مشقت تو نہیں۔''

''کیسے نہیں ہے، بس جو میں نے کہہ دیا بھرجائی ویسا ہی کر تو۔'' سہیل اس کے ساتھ ہی لگا رہا، دو گھنٹوں میں کپڑے دھل گئے تھے، اس دوران رات بھی گہری ہوگئی، یہ سردیوں کی راتیں تھیں، جلد گہری اور تاریک ہو جانے والی۔

اس کے کپڑے بھیگ رہے تھے، جنہیں بدلنے کی غرض سے وہ اندر آگئی، منیب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی فائل میں گم تھا، اس پہ سرسری سی نگاہ بھی نہیں ڈالی، کپڑے نکالتے واش روم میں جا کے بدلتے، وہ بار بار چھینکی تھی، تب وہ ذرا کا ذرا متوجہ ہوا۔

''کہاں جا رہی ہو اب؟'' غانیہ جو شال لپیٹتی دروازے سے نکل رہی تھی اس پکار پہ چونک کر متوجہ ہوئی، بلکہ باقاعدہ حیرانگی سے پلٹ کر اسے دیکھنے لگی، نگاہوں کی غیر یقینی کا عالم بھی اک قیامت رکھتا تھا، حسن و دلکشی کے باعث مگر مقابل منیب چوہدری تھا، جس کا دل پتھر ہو چکا تھا غالباً۔

''جی؟'' وہ ششدر تھی ہنوز، منیب نے کوفت سے شدید کوفت سے نظریں پھیر لیں۔

''افوہ...... لیٹو ادھر...... مسلسل باہر رہو گی تو ٹھنڈ سے بیمار ہی پڑو گی، پھر الگ مصیبت۔'' وہ کتنی نخوت سے گویا تھا، غانیہ کو ایسی بے حسی ناقدری اور بے اعتنائی کی توقع نہیں تھی، حالانکہ ہونی چاہیے تھی، سہیل نے کام نپٹنے پہ اسے کچھ دیر چولہے کے پاس آ کر بیٹھنے کی دعوت دی تھی، ساتھ وہ اس کے لئے انڈے ابال رہا تھا، دودھ پتی بنا رہا تھا، اس شخص سے زیادہ تو اس کے گھر والوں کو اس کا خیال تھا، گرما گرم چائے کی اس وقت اسے کتنی شدید طلب تھی مگر اسے یہ بھی گوارا نہ تھا شاید، دل شکایت سے بھر گیا، مگر وہ اک لفظ نہیں بولی، پلٹی اور صوفے پہ اپنا لحاف رکھ کر اگلے لمحے لیٹتے ہی سر تک تان لیا، محبتوں کا صلہ تھا نہ خدمتوں کا، شاید اسے یونہی ساری عمر گھلنا تھا، گھل گھل کر ختم ہو جانا تھا، دل مایوسی کے غم کے اندھیروں میں ڈوبتا جاتا تھا، پرسان حال کوئی نہیں تھا، وہ مکمل طور پہ مایوس و دلگرفتہ تھی جب اس اندھیرے میں امید کا آس کا ننھا جگنو جگمگا اٹھا، یہی قانون قدرت ہے، کوئی بھی کیفیت یا احساس دائمی نہ ہو پائے، جہاں یکسانیت ہوگی وہاں ہی مایوسی و ناامیدی بھی جگہ پائے گی، تبدیلی فطرت کا اصول اور قانون ہے، زندگی جبھی آگے بڑھتی ہے۔

وہ آنسوؤں میں ڈوب رہی تھی جب لحاف سرک کر اس کے چہرے سے ہٹ گیا، وہ یکدم ساکن رہ گئی، وہ تو ہلی تک نہ تھی، پھر لحاف اس نے بے ساختہ آنکھیں کھولیں، وہ شخص محض ایک قدم کے فاصلے پہ کھڑا اسی کی سمت متوجہ تھا، لحاف کا کونا اسی پل اس نے آہستگی سے گرفت سے آزاد کیا اور کچھ کہے بغیر ہاتھ کے اشارے سے میز پہ رکھے بھاپ اڑاتے فل سائز چائے کے مگ اور نفاست سے کٹے نمک کالی مرچ کی پھوار سے مہکتے ابلے ہوئے انڈوں کی جانب توجہ مبذول کرائی، غانیہ ایک دم سا کن رہ گئی۔

''تمہیں اس وقت ان کی بہت ضرورت ہے، میں نہیں چاہتا بیمار پڑو۔'' واپس اپنے بستر پہ جاتا ہوا وہ سپاٹ آواز میں کہہ رہا تھا، غالباً اس کے بے حس و حرکت وجود کو بے نیازی و نخوت سے تعبیر کرتا ہوا روڈ ہو چکا تھا، غانیہ پھر کچھ نہیں بولی، دل اس ذرا سی عنایت پہ گداز ہو چلا تھا، سارے

شکوے لمحہ بھر میں زائل ہوئے، ان کی جگہ خوش امیدی مسرت وانبساط نے لے لی، یہ دل بھی کیسا دیوانہ تھا، بالکل دیوانہ، اسی دل نے تو کہیں کا نہ رہنے دیا تھا اسے۔

"گھر کے کام کاج تمہاری ذمہ داری ہیں، اگر کرو گی تو ہرگز احسان نہیں ہوگا ہم پہ۔" وہ اسے جتلا رہا تھا، غانیہ جو اسی زاویے سے بیٹھی تھی، اس طرح برس پڑنے پہ گھبرا کر متوجہ ہوئی۔

"مم...... میں نے کب کہا کہ......"

"شٹ اپ، اک زبان حرکات وسکنات بھی رکھتی ہے، جسے باڈی لنگویج کہا جاتا ہے، تمہاری باڈی لنگویج کہہ رہی ہے کہ تم اس وقت کپڑے دھو کر ہم پہ احسان عظیم......"

"منیب پلیز...... ایسا کچھ نہیں ہے، مجھے بس سردی زیادہ لگ رہی ہے۔" وہ عاجزی سے لجاجت سے منمنا ہی سکی، جواباً منیب نے اسے گہری بہت اندر تک اترتی نظروں سے دیکھا تھا، کچھ دیر دیکھتا رہا، غانیہ کی پلکیں اس توجہ اس عنایت پہ لرز کر عارضوں پہ جھکیں مسلسل کانپتی رہیں۔

"انہیں توجہ دو گی یا میں زحمت کروں؟ اور میں جیسے کھلاؤں گا تمہیں شکایت بھی بہت ہوگی۔" اس کا لہجہ تبدیل ہوگیا، غانیہ کو تو لگا وہ مسکرایا بھی ہے، خفیف سی شرارت جو اس شخص کے لہجے سے چھلکی تھی غانیہ کو گلگوں کر گئی، وہ سٹپٹا کر چائے کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا چکی تھی، منیب جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس حرکت پہ مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا۔

"یعنی تمہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ میں تمہارا اتنا سا کام ہی کر سکوں؟" اب کے لہجہ پھر سے تبدیل تھا، ہلکی سی تپش ہلکی سی آنچ لئے، توجہ گہری انداز شکایتی، غانیہ کو تو یقین نہیں آیا، یقین آیا تو چھکے چھوٹ گئے، سٹپٹاہٹ کا عالم انوکھا ہوگیا۔

"ویسے تو محبت کے بڑے دعوے تھے، پتا نہیں کیسی محبت کرتی ہیں آپ۔" وہ اس پہ نگاہ تو جمائے ہوئے ہی تھا، یہی گھبراہٹ وسراسیمگی کا باعث کم نہیں مگر الفاظ کا انتخاب لہجے کا اتار چڑھاؤ غانیہ کو تو لگا وہ بے ہوش ہو جائے گی، آج اسے کیا ہوگیا تھا، وہ تو کہیں سے بھی سرد مہر روڈ اور پر نخوت منیب چوہدری نہ لگتا تھا مگ اس کے ہاتھ میں زور سے لرزا، چائے چھلک گئی، دل اتنی رفتار سے دھک دھک کر رہا تھا کہ اسے لگا ابھی سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آن گرے گا، وہ ہونٹ بھینچے بیٹھی تھی، خود کو بامشکل سنبھالے۔

"میری آفر آج بھی ابھی بھی موجود ہے، سردی کم نہ ہو تو میرے بستر میں آ جانا، ویسے مجھے حیرت ہے، اگر تم ہر حربہ آزما کر میرے گھر تک آ سکتی ہو تو پھر اس اگلے اقدام میں اتنی قباحت کیوں؟"

چائے کا مگ اب کے اس کے بے جان ہوتے ہاتھوں سے بالکل چھوٹ گیا، حیرانی، دکھ اور احساس توہین، وہ منجمد نہیں ہوئی وہ خزاں زدہ پتے کی مانند پھڑ پھڑانے لگی، ایسے گویا تشنج کی دائمی مریضہ ہو، آنکھیں کیسے لمحوں میں سمندر بنی تھیں، رنگ پہلے بالکل سرخ پڑا پھر یکدم اتنا زرد ہوگیا گویا لہو کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا ہو، کتنا ظالم تھا وہ شخص۔

کس درجہ بے حس، نیا ستم اس پہ آزماتے اسے ذرا بھی اس کی نزاکت وعزت نفس کا خیال نہیں آتا تھا، ایسا جارح بے رحم انسان بھی کوئی ہو سکتا ہے، اسے یقین نہ آتا تھا، وہ اگر اس کے لئے

گنجائش نکالتا بھی تھا تو اس کو جھکانا چاہتا تھا، اسے توڑنا مقصود تھا، یا پھر وہ واقعی اس کا کردار پرکھ رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پائی، وہ سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی، وہ نازک تھی، کمزور تھی، جانے کب ٹوٹ جائے، کب بکھر جائے، اسے یہی خوف لاحق ہوا، وہ اس شخص کے سامنے جھکنا نہیں چاہتی تھی، اس سے بھیک یا نگنا نہیں چاہتی تھی، وہ اس کی نظروں سے تو گر ہی گئی تھی، وہ اب اپنی نظروں سے گرنا نہیں چاہتی تھی، ہاں وہ مر جائے گی، مگر جھکے گی نہیں، وہ سسکیاں بھرتی خود سے عہد باندھتی رہی، وہ شخص کب کا سو چکا تھا، اس کے پرسکون خراٹے غانیہ کے زخمی دل میں شگاف ڈالتے رہے تھے۔

☆☆☆

"بہت تنگ کرنے لگے ہو مون قسم سے، ایسے تو کوئی ماں یا بیوی کو بھی نہیں ستاتا جیسے تم مجھے...... بھلا ہے کوئی بات کرنے کی، بس آرڈر کر دیا، آپا قدر کو لے آئیں، دیکھنے کو دل کر رہا ہے، اب میں کیسے نہ لاتی، ذرا سی بچی، اسے بھی تو باپ کے لمس سے آشنا ہونا چاہیے، ایک طرح سے تو خوشی بھی ہوئی کہ چلو تمہیں ہمارا کسی کا نہ سہی اپنی بیٹی کا تو خیال ہے، مگر میری اپنی بھی تو گھر داری ہے، ہر دوسرے دن چھوڑ کر کیسے بھاگی بھاگی آؤں، بس تم اس کا کوئی مستقل انتظام کر لو، سن رہے ہو؟"

آپا اپنے مخصوص انداز میں بول رہی تھیں، ایسا انداز جس میں دھونس بھی تھی زبردستی بھی محبت بھی پیار اور لاڈ ودلار بھی استحقاق بھی، ممتا کا غرور بھی، جواباً مون نے ایسی نظر سے انہیں دیکھا، گویا تسلی دی ہو۔

"بے فکر ہو جائیں، میں انتظام کر چکا ہوں، اک دو دن کی بات ہے، تب تک تو رکیں گی نا آپ؟" وہ بچی کے کاٹ پہ جھکا ہوا تھا، انہوں نے خوشگوار حیرت میں گھر کر اپنے اکلوتے بہت شاندار بھائی کو دیکھا، جو اولاد سے بڑھ کر عزیز تھا انہیں، جو اتنا حسین خوبرو تھا کہ جسے دیکھنے والا دیکھ کر مبہوت رہ جایا کرتا، جسے یونانی دیوتا سے تشبیہ دی جاتی، وہ تھا ہی اتنا حسین وجمیل، ستواں ناک گہری بے حد جان لیوا بے حد حسین آنکھیں جن کا جادو سر چڑھ کر بولے، مردانگی کا بے حد حسین شاہکار۔

"میں تو دو ایک ہفتے بھی قیام کرنے کو باخوشی تیار ہوں، تم خوشخبری تو سناؤ مجھے، بتاؤ واقعی کوئی لڑکی پسند آ گئی؟" ان کی آواز میں نوجوانی والی چہکار اور دلکشی کے ساتھ ترنگ اتر آیا، مون تو بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

"واٹ ڈو یو مین آپا، لڑکی پسند آ گئی؟ بٹ وائے؟" سیدھا کھڑا ہوتا وہ ششدر ہوا انہیں دیکھ رہا تھا، آپا گویا سر پیٹنے والی ہوگئیں۔

"احمق لڑکے! شادی کرو گے تو لڑکی پسند آئے گی تو کرو گے، اتنا تو تمہیں جان ہی چکی میں بھی کہ اس معاملے میں ہمیں کچھ نہیں گردانتے، اگر پہلے من مرضی کی تو اب کیسے کسی اور کی پسند قبول کر لو گے، تمہیں تو ویسے بھی پاکستان کی آدھے سے زیادہ لڑکیاں پسند کرتی ہیں، جس پہ ہاتھ رکھو گے جھٹ ہاں۔"

"کیپ کوائیٹ آپا، فار گاڈ سیک۔" وہ اتنا جھلایا تھا کہ عمروں کے اتنے فرق کو خاطر میں

لائے بغیر ایک طرح سے انہیں جھڑک ڈالا، پھر انہیں ہرٹ ہوتا محسوس کر کے عجیب سی دل گرفتگی میں گرفتار ہوتا قریب آیا اور اپنا مضبوط آہنی بازو ان کے شانے پہ دراز کرتا خود سے قریب کرتا ہوا بے حد بے بسی اضطراب بھرے انداز میں گویا ہوا تو لہجہ از حد مدھم اور پر ملال تھا۔

''بار بار ایک بات کر کے مجھے تکلیف کیوں دیتی ہیں آپا، جبکہ جانتی بھی ہیں میں اب شادی نہیں کروں گا، پھر اس بات اور میں انتظام مطلب گورنس کی بات کر رہا ہوں، آپ کدھر پہنچ گئیں؟''

''کیوں...... کیوں نہیں کرو گے؟ ابھی جوان ہو، ارے بتیس سال عمر ہی کیا ہوتی ہے؟ برباد کرو گے جوانی؟ ایسا ظلم نہ کرو مون، کیوں ہمیں......''

''آپا! پلیز لیو دیں، ابھی اس ٹاپک کو کلوز رہنے دیں، گزارش سمجھ لیں۔'' وہ جیسے گڑگڑایا تھا، آپا دکھ سے منجمد ہو گئیں، پھر ایک لفظ نہ بولیں، دونوں اپنی اپنی جگہ اذیت میں آ گئے تھے، وہ آنکھوں پہ بازو رکھے اندھیرے میں پڑا تھا، کیسا نیم جان ہو رہا تھا، یاد جسے وہ خاطر میں نہ لاتا تھا، گردانتا نہ تھا، اس پل دل سے لپٹی جاتی تھی، بالکل فرحت عباس شاہ کی اس دل سوز نظم کے مصداق، جو کہتا تھا۔

وہ کہتی ہے چلو فرحت ہوا کے ساتھ چلتے ہیں
میں خامشی سے اس کے ساتھ چل دیتا ہوں بجھنے کو
وہ مجھ سے پوچھتی ہے تم کہاں غائب ہو صدیوں سے
میں کہتا ہوں ہزاروں وسوسوں کے درمیاں گم ہوں
وہ مجھ سے پوچھتی ہے رات کی بے چینیاں کیا ہیں
میں کہتا ہوں وہی جو دوریوں کے دل میں ہوتی ہیں
وہ مجھ سے پوچھتی ہے خوف کا دورانیہ کیا ہے
میں کہتا ہوں جو دل کا اور غم کا ہوتا ہے مصیبت میں
وہ مجھ سے پوچھتی ہے بادلوں کی عمر کتنی ہے
میں کہتا ہوں تمازت کے مطابق پانیوں کے وقت جتنی ہے
وہ بولی دل کو کوئی بے وجہ سے خوف رہتا ہے
میں کہتا ہوں عشق تو بے باک لوگوں کا ہی شیوہ ہے

اس نے کروٹ بدلی تو بے ساختہ کراہ لبوں سے پھوٹ نکلی، آنکھیں کسی یاد کی انگاری سے جل رہی تھیں، وہ اب پلٹنا نہیں چاہتا تھا، اپنے بیٹے کی خاطر بھی نہیں، شاید واقعی کمزور ہو گیا تھا، ٹوٹنے سے ڈرتا تھا، حالانکہ وہ متعدد پیغام دے چکی تھی۔

''آ جائیں صاحب! ایک بار آ جائیں، بس ایک جھلک اور کچھ بھی تقاضا نہیں۔'' اس گزارش میں کتنی بے چارگی اضطراب وحشت اور بے بسی تھی، وہ جان سکتا تھا، جبھی نہیں جانا چاہتا تھا، پھر اس نے دھمکی دی تھی۔

''آپ کو آنا ہو گا صاحب، ورنہ میں آپ کی کھڑی کردہ ساری دیواریں ڈھا کر خود آ جاؤں

گی اور یقیناً یہ آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔''

وہ باقاعدہ رو رہی تھی، مون اس دھمکی میں آنے والا بھی نہیں تھا مگر آ گیا تھا، اس سے اگلی صبح وہ لندن کے ائیر پورٹ پہ جہاز سے اترا تھا تو اپنے آنے کی اطلاع کرنا ضروری خیال نہیں کیا، مگر وہ وہ بھی جس ہوا میں اس کی خوشبو سے آگاہ کیا کرتی تھیں، خود کو سیاہ لبادے میں چھپائے وہ اس لڑکی کا سایہ بھی نہ لگتی تھی پر چھائیں بھی محسوس نہ ہوتی تھی جسے وہ جانتا تھا، وہ تو اجڑا ہوا درخت تھی، جس کے سبھی رنگ اور پھول جھڑ گئے تھے، ساری بہاریں رخصت ہو چکی تھیں، بربادی دائمی بربادی اپنا تسلط جما چکی تھی۔

''صاحب! آپ آ گئے صاحب!'' وہ کیسے بے تابانہ اس کی جانب لپکی تھی، گویا کہ ابھی گلے لگ جائے گی، دھاڑیں مار کر روئے گی تو پھر وہ خود بھی چپ نہ کرا پائے گا، وہ کتنا گھبرا گیا تھا، سٹپٹا گیا تھا، دونوں ہاتھ بے ساختہ اٹھا کر اسے فاصلے پہ روک دیا۔

''میں ایزد سے ملنے آیا ہوں، پلیز اسے بلواؤ۔'' وہ سرتاپا بیگانہ تھا، لہجہ تک بیگانگی سے اجنبیت سے لبریز، وہ آنکھوں میں آنسو لئے اسے دیکھتی رہی، پھر منہ پہ ہاتھ رکھے دو قدم لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی، وہ کھڑے شہتیر کی مانند گرنے کو تھی جب کسی مضبوط سہارے نے پیچھے سے اسے کاندھوں سے تھام کر صوفے پہ بٹھایا، اس کے یخ بستہ گال نرمی سے اپنے مضبوط توانا گرم ہاتھوں سے تھپتھپائے۔

''ریلیکس۔'' وہ کتنے نرم انداز میں تسلی دے رہا تھا، جو ہو کر نہ دیتی تھی، جواب کسی طور نہیں آ سکتی تھی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی، کوئی اور وقت ہوتا تو اس کی اتنی قربت ملنے پر حواس کھو بیٹھتی، کیسے بحال رکھتی، اب بھی بے اختیار سسکی اور ٹوٹتی شاخ کی مانند ڈھلک کر اس کے شانے سے لگتے ہی زار و قطار رونے لگی، وہ کسمسایا تھا، خود کو چھڑانا چاہا، مگر وہ حواسوں میں ہی تو نہیں تھی، ان لمحوں کی کھوج میں تو وہ صدیوں کا سفر طے کر آئی تھی، پھر بھی کو وصال کا لمحہ اس کے وجود کو نہیں مہکا سکا تھا۔

''معاف کر دیں صاحب! غلطی ہو گئی، سنگین غلطی، مگر بھول جائیں، اب صرف وہ ہو گا جو آپ چاہیں گے، پلیز معاف کر دیں، سب بھول جائیں۔'' آنسو، آہیں، سسکیاں، بے چینی، وحشت سی وحشت، وہ واقعی حواسوں میں نہیں رہی تھی۔

''کنٹرول یور سلف اور ہمیشہ کو سن لو، اب کوئی ازالہ نہیں، اسلام میں طلاق کے بعد کوئی گنجائش نہیں بچتی، دوبارہ ایسی بات نہ کرنا۔'' وہ زبردستی اسے پیچھے ہٹا کر خود فاصلے پر ہوا، جبکہ وہ وحشتوں بے انت وحشتوں میں مبتلا ایسے بے ساختہ و بے اختیار روئی گویا کل متاع لٹ رہی ہو۔

''پلیز...... پلیز مجھے مت چھوڑیں صاحب! مجھے آپ کی ضرورت ہے پلیز، آپ کے بغیر مر رہی ہوں، بالکل مر جاؤں گی۔'' وہ ایسے کہہ رہی تھی اگر بات نہ مانی گئی تو ابھی جان سے چلی جائے گی، وہ چند لمحے ساکت نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلا گیا، وہ یونہی بیٹھی پاگلوں کی طرح بین کرتی رہی اسے نہ پانے کا خیال دوبارہ نہ پانے کا خیال سوہان روح تھا، جو پورے وجود میں پارے کی مانند بے چینیاں بھر رہا تھا، وہ غش پہ غش کھاتی تھی، یہ وہ کیا کہہ گیا

تھا، طلاق کے بعد گنجائش نہیں بچتی۔

"کیوں نہیں بچتی، بچنی چاہیے۔"

وہ نومسلم تھی، نومسلم بھی ایسی جو اسلام کی محبت میں نہیں ایک خاکی کی محبت میں اسلام قبول کرتی ہے، اسے کیا پتا اسلام کے اصول وضوابط کا، وہ اسے یہی تو سکھانا چاہتا تھا، وہ توجہ دیتی تو سیکھتی بھی، توجہ ہی نہ دی، وقت ریت جیسا تھا، مٹھی سے پھسل گیا، اب ہاتھ خالی تھا، دل خالی تھا، دامن بھی خالی تھا، وہ لڑکھڑا کر چلتی کھڑکی تک آئی، سانس دقت سے آتی تھی، حلق سانس کھینچنے کی مشقت سے زخمی ہوا جاتا تھا، لہولہان ہو چکا تھا، اذیت سی اذیت تھی، پردہ ہٹایا کھڑکی کانپتے ہاتھ سے کھولی، باہر بادل چھاتے ہوئے تھے، مٹیالا سا اندھیرا ہر طرف پھیلا تھا، سرمئی ہلکے بادلوں کے ادھر سے ادھر منڈلاتے غبار اور شام کی گھلتی سیاہیاں خوشبودار ہوا کے پھریرے ان اندھیروں کو اور بھی جاذب نظر بنا رہے تھے، اس نے وہیں سے سلیمان کو ایزد کے ہمراہ انیکسی میں جاتے دیکھا تو ساکن پلکوں سے دیکھتی رہ گئی، زندگی اسی شخص کو ذات سے ساتھ سے منسوب تھی، ورنہ کچھ نہیں تھا، سب ختم تھا، اس نے پھر جانا، پھر سمجھا اور جیسے خواب سے جاگ اٹھی، چونک پڑی، ایکدم پلٹی اور تیز تیز چلتی بلکہ وحشت سے بھاگتی باہر آئی، کبھی اس کے ہر انداز ہر ادا سے نزاکت ٹپکتی تھی، اب وہ سراپا وحشت تھی، خود سے بے پرواہ۔

انیکس کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، سلیمان ایزد کو بستر پہ لٹا رہا تھا، اس گستاخانہ مداخلت پہ چونک کر سیدھا ہوا، اس نے دیکھا اس کی طلسمی شخصیت کا تاثر پورے ماحول پہ چھایا محسوس ہو رہا تھا، وہ یک ٹک اسے دیکھتی پھر سب بھولنے لگی، اپنی آمد کا مقصد تک۔

خوب صورت، اونچا لمبا پرکشش نقوش اور سیاہ آنکھیں اور آنکھوں کی بے تحاشا چمک وہ متوجہ ہوا اور پھر سے لاتعلق ہو گیا، شاید نہیں یقیناً وہ اس قسم کی متاثر کن نظروں کا عادی تھا۔

"میں تمہیں اب جانے نہیں دوں گی صاحب، ہم پھر سے اکٹھے رہ سکتے ہیں، رہ سکتے ہیں نا؟" وہ بولی نہیں روئی تھی، سسکی تھی، سلیمان ایک دم مزید سنجیدہ ہوا، اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں۔" ایک لفظی مگر قطعی جواب، وہ بڑی تیزی سے بڑی شدت سے ٹوٹ کے بکھری۔

"کیوں نہیں، صاحب مان جاؤ، میں مان گئی کہ غلطی پہ تھی، کسی زعم میں مبتلا یہ غلطی کر گئی، یہ سمجھتے ہوئے کہ میں طلاق کا مطالبہ کروں گی تم آپ پسپا ہو جاؤ گے، مگر آپ نے تو سارے دھاگے ایک ہی جھٹکے سے توڑ دیئے، ہر زنجیر کاٹ پھینکی۔" وہ کتنے رنج کتنے دکھ میں مبتلا ہوتی کہہ رہی تھی، سلیمان کا چہرہ متغیر ہوا، چند ثانیوں کو ہونٹ بھینچ گیا، یوں جیسے الفاظ کے تاثر سے نکل نہ پا رہا ہو۔

"یہاں سے جاؤ، اب جو ہونا تھا ہو چکا، مزید کچھ نہیں ہو سکتا، سمجھو بات کو۔" سلیمان بولا تو آواز بوجھل تھی، اس پہ الٹا اثر ہوا، وہ ایک دم چیخی۔

"نہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ بری طرح بکھری۔

"مجھے ہر قیمت پہ آپ چاہیے ہو صاحب، ہر قیمت پہ، نہیں تو ابھی یہیں جان دے دوں گی، نہیں جی سکتی آپ کے بغیر۔" وہ کیسے سسک رہی تھی، اس کے کوٹ کی آستین کھینچ کر روئے جا رہی تھی، دل اک گداگر تھا، فقیر ہوا جاتا تھا، سوالی بن بیٹھا تھا، توجہ کے محبت کے سکے کی خاطر گڑگڑاتا تھا، جو ملتی نہیں تھی، آنسو تھے کہ بہے جاتے تھے، کیسی بے بسی تھی، اسے تو خود کو تسلی دینا بھی نہیں آتی تھی۔

"چھوڑیں مجھے، پاگل ہوئی ہیں آپ تو۔" سلیمان جھلایا اور ایک جھٹکے سے اپنے کوٹ کی آستین چھڑا کر کمرے سے نہیں گھر سے اور اس شہر سے اس ملک سے ہی چلا آیا، اب اسے لگتا تھا، وہ کبھی پلٹ کر نہیں جائے گا، وہ لڑکی واقعی خواسوں میں نہیں تھی، وہ مزید نقصان نہیں کرنا چاہتا تھا، مزید خوار نہیں ہونا چاہتا تھا، ادھر کی بے قراری ادھر بھی منتقل ہو رہی تھی، پہلے وہ دکھ میں مبتلا تھا، اسے اس سے محبت ہی نہ تھی، جبھی اتنی آسانی سے دستبردار ہو گئی، اب احساس ہوا غلطی اپنی تھی، وہ اسے سمجھا تھا نا اس پاگل دیوانی لڑکی کی محبت کو۔

کیا دکھ تھا کہ یکدم فیصلہ کر ڈالا، قطعی دوٹوک فیصلہ، اسلام میں یونہی تو ایک ساتھ تین طلاق دینے کو پسند نہیں فرمایا گیا، وہ یہی ناپسندیدہ عمل سرزد کر بیٹھا تھا، پہلے صرف ادھر عمر بھر کا پچھتاوا تھا اب یہ پچھتاوا ادھر بھی تھا، ادھر تو پھر بھی زندگی مقصد رکھتی تھی، عزائم رکھتی تھی، ادھر تو نری دیوانگی تھی، وحشت ہی وحشت تھی، نقصان ادھر نہیں ادھر ہوا تھا بڑا، ملال تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا، تاسف تھا کہ گہرا ہوتا جاتا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

چاند کے روبرو

سویرا فلک

مکمل ناول

طاہر ولا کی رونق آج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، بیرونی دروازے سے لے کر اندرونی راہداریوں تک مخملی سرخ غالیچے بچھائے گئے تھے اور غالیچوں کے کناروں پر آرائشی پھولدار گملے اپنی بہار دکھار ہے تھے، کشادہ ہال جو اس محل نما کوٹھی کے وسط میں واقع تھا، بڑے بڑے فانوس لگا کر اس قدر روشن کر دیا گیا تھا کہ آنکھیں خیرہ ہونے لگیں تھیں، مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی، باورچی الرٹ ہوئے ہوئے تھے، دیسی کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں اعلان عام کر رہی تھیں کہ آج طاہر ولا میں جشن منایا جا رہا ہے، عفان احمد کی آمد کا جشن عفان احمد جو اس وسیع و عریض کوٹھی کا اکلوتا وارث تھا، آج لندن سے اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آ رہا تھا۔

اس کے انتظار میں اپنی نظریں اور دل بچھائے اس کے پیارے اس کے ابی جان اور می جان اکڑتی کمر کے ساتھ دروازے پہ نظریں گاڑھے یوں بیٹھے تھے کہ گویا لمحہ بھر کی دیر ہوئی تو یہ نظارہ ان سے چوک نہ جائے، امیر احمد کتنی بار ان کو آ کر سمجھا چکے تھے کہ وہ اندر اپنے کمرے میں آرام کریں مگر ابی جان کا ایک ہی جواب تھا۔

''ارے مجھے کچھ نہیں ہوتا، میاں اس عمر میں تم سے پنجہ لڑاؤں تو جیتوں گا میں ہی، میں جب تک اپنے شیر کو دیکھ نہ لوں، اسے اپنے سینے سے نہ لگا لوں، آرام حرام ہے مجھ پر۔'' ابی جان کہتے کہتے ہانپنے لگے تو عفت بیگم نے امیر کو اشارے سے انہیں مزید اصرار کرنے پر مجبور کیا، راحیلہ جواب تک خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں، مسکراتی ہوئی قریب چلی آئیں۔

''بھائی جان آپ فکر کیوں کرتے ہیں، ہمارا عفان آ رہا ہے نا، دیکھئے گا یہ توانائی یہ جوش مزید بڑھے گا، آپ نے سنا نہیں اصل سے سود پیارا

ہوتا ہے، آپ باپ ہیں تو وہ دادا دادی، رہنے دیجئے، اچھا ہے دل بہلا ہے ورنہ ویسے تو کمرے میں ہی بیٹھے رہتے ہیں۔''

''ٹھیک کہتی ہو راحیلہ، خون میں بڑی کشش ہوتی ہے، اسی لئے کہتے ہیں شاید لاکھ دوری ہو، فاصلہ ہو مگر یہ خونی رشتوں کی ڈور کبھی نہیں ٹوٹتی۔'' بہن کے سمجھانے پر امیر بھی پرسکون ہو کر بیٹھ گئے تو عفت بیگم بھی میاں کا اطمینان دیکھ کر مطمئن ہو گئیں اور انتظامات دیکھنے کچن کا رخ کرنے ہی لگی تھیں کہ یکا یک کسی خیال نے ان کے قدم جکڑ لئے وہ واپس پلٹ کر اپنی نند راحیلہ کے قریب چلی آئیں۔

''ارے راحیلہ، علینہ نظر نہیں آ رہی۔''

''ہاں بھابھی وہ ذرا یاور بھائی کی سمن کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی، گرمی بڑھ گئی ہے نا، سمن کے دن بھی چڑھ رہے ہیں تو آج ذرا طبیعت زیادہ گڑبڑ ہو رہی تھی اس کی، میں نے کہا ڈاکٹر کو دکھا آؤ احتیاط تو علینہ کا فون آیا تھا کہ ڈاکٹر نے کچھ دیر کو روک لیا ہے سمن کو، کچھ بی پی ہائی ہوا ہے۔'' راحیلہ نے سرگوشی میں تفصیل دیئے، اردگرد مرد بچے نوکر سب ہی موجود تھے اور ان کا خاندان بہت تہذیب یافتہ تھا۔

''اوہو اللہ خیر کرے، چلو ٹھیک ہے، میرے خیال سے شفیق بھابھی بھی اسی وجہ سے نہیں پہنچی ابھی تک، ماں ہے ناں اور سمن کا پہلا پہلا کیس۔'' راحیلہ کے لہجے میں جٹھانی کے لئے فکر تھی۔

''ہاں اسی لئے تو میں نے بھابھی کو ساتھ نہیں جانے دیا، وہ ویسے ہی ذرا ذرا سی بات پر ہاتھ پیر پھلا کر بیٹھ جاتی ہیں اور اب تک ویسے ہی شوگر بھی ہے، کہیں طبیعت اوپر نیچے ہو گئی تو بیٹی کو دیکھیں گی یا خود کو۔'' راحیلہ بھی نند کے لئے متفکر تھیں۔

''اچھا کیا، میرے خیال سے یاور بھائی بھی اسی لئے نہیں آئے، اچھا تمہاری باقی دونوں بچیاں کہاں ہیں؟'' راحیلہ نے فروا اور مسکان کی بابت دریافت کیا۔

''وہ دونوں کوچنگ سینٹر میں ہیں، ایکسٹرا کلاسز چل رہی ہیں، بس ہفتہ رہ گیا ہے ان کے پیپر میں، ان کے ابا ان دونوں کو لیتے ہوئے ہی آئیں گے۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے، ابھی تو عفان کے آنے میں چار گھنٹے باقی ہے، تم ذرا اماں جی کے پاس بیٹھو، میں کچن میں جھانکوں، باقی مہمان بھی آہستہ آہستہ آتے جا رہے ہیں، گرمی بہت ہے، ٹھنڈا سرو کرواؤں۔''

''اماں جی تو قرآن پاک پڑھ رہی ہیں، کہتی ہیں اپنے پوتے کی خیریت سے پہنچنے کی دعائیں کر رہی ہوں، تم مجھے ڈسٹرب نہ کرو، تو میں بھی آپ کے ساتھ کچن میں ہی چلتی ہوں فارغ بیٹھی ہوں، کچھ مدد ہی کرا دوں۔'' راحیلہ نے ہنستے ہوئے کہا تو عفت بھی مسکرا دیں اور دونوں کچن کی طرف چل دیں۔

☆☆☆

''پلیز سمن آپی گھبرائیں نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا، میں فون کرتی ہوں ممانی جان کو۔'' علینہ نے اسٹریچر پر لیٹی سمن کے ماتھے پہ آیا پسینہ ٹشو پیپر سے صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ جو پہلے ہی اس سچویشن سے گھبرائی بھی تھی اور بھی گھبرا گئی۔

''نہیں پلیز علینہ، امی کے مزاج کا تو پتہ ہے تمہیں کس قدر گھبرا جاتی ہیں ایسے میں ٹینشن سے کہیں شوگر اپ اینڈ ڈاؤن ہو گئی تو اور مصیبت ہی ہو جائے گی۔

''اوہ ہاں، یہ تو ہے، اچھا ایسا کرتی ہوں امی کو فون کر کے ساری صورتحال بتاتی ہوں اور آپ پلیز ٹینشن نہ لیں، ڈاکٹر نے منع کیا ہے نا۔'' علینہ نے سمن کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دی۔

''علینہ آئی ایم سوری ڈیئر، آج عفان آ رہا ہے اور تمہیں میری وجہ سے یہاں رکنا پڑ رہا ہے۔'' سمن کا دل دکھا ہوا تھا تو بات بے بات آنکھیں بھرے جا رہی تھیں۔

''افوہ کیسی غیروں والی باتیں کر رہی ہیں آپ، اپنے کس لئے ہوتے ہیں، ابھی اس وقت آپ کو میری زیادہ ضرورت ہے، وہ کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا۔''

''مگر پھر بھی۔'' سمن نے کچھ کہنا چاہا تو علینہ نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بس اب آپ چپ کر کے لیٹ جائیں، بی ریلیکس سب ٹھیک ہو جائے گا میں جلدی سے امی کو فون کر دوں، نرس فائل لے کر آنے والی ہو گی، پھر آپ کو وارڈ میں شفٹ کرنا ہے تو میں بزی ہو جاؤں گی۔''

''او کے۔'' سمن نے آہستگی سے کہا تو علینہ اس کا گال تھپتھپا کر ایمرجنسی سے نکل کر باہر آ گئی اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے لگی، سمن کی حالت اور موجودہ سچویشن سے اسے خود خاصا پزل کر دیا تھا، لائن ملتے ہی اس نے بنا سلام کیے، راحیلہ کو ساری خبر گوش گزار کی تو پہلے تو انہوں نے اسے ڈپٹ دیا۔

''یہ کیا طریقہ ہے علینہ، ہر حال میں اپنے حواس قائم رکھنا سیکھو اور یوں اچانک ایسی خبریں سنایا کرتے ہیں، خیر میں اپنے طور بھابھی کو فون کر کے بتاتی ہوں تم جب تک وہیں رکو، پھر میں وہاں پہنچتی ہوں، رات میں رک بھی جاؤں گی، تم اپنے ابو کے ساتھ یہاں واپس آ جانا سب پوچھ بھی رہے ہیں تمہارا۔''

''سوری امی، اصل میں سمن آپی کی حالت دیکھ کر میں بھی گھبرا گئی تھی، اچھا نرس بلا رہی ہے انہیں وارڈ میں شفٹ کرنا ہے، میں بعد میں بات کرتی ہوں، اللہ حافظ۔'' علینہ نے قریب آتی نرس کو دیکھ کر فون آف کر دیا۔

☆☆☆

''اور کتنی دیر لگے گی ذرا پوچھو تو سہی۔'' اماں بی کوئی بیسویں دفعہ عفت سے کہہ رہی تھیں اور عفت ان کی بے چینی پر مسکرا رہی تھی۔

''ارے اماں بی، ابھی تو آدھا گھنٹہ ہوا امیر کو نکلے ہوئے، ائیرپورٹ بھی نہ پہنچے ہوں گے۔''

''اچھا جانے مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ کئی پل بیت گئے ہوں، کیا بتاؤں دلہن بیگم، پہاڑ جیسا لگ رہا ہے یہ وقت کہ سرک کے ہی نہیں دے رہا، تھک گئی ہوں، جانے کب آئے گا میرا لعل، میرا عفان۔'' اماں کے لہجے میں عجیب بے چارگی تھی، عفت بیگم کا بھی دل مسوسنے لگا، دل میں سوچنے لگیں واقعی بچے بڑے ایک سے ہوتے ہیں معصوم، جن کا سمجھنا بھی مشکل اور جن کو سمجھانا بھی مشکل، بہر کیف انہوں نے کسی طرح سمجھا بجھا کر اور بہلا پھسلا کر اماں بی کو جوس دیا اور تھوڑا لٹا دیا، اماں بی بھی ضد کر کے وعدہ لے کر لیٹیں اور اس شرط پر آنکھیں موندیں کہ عفان کے آتے ہی انہیں اٹھا دیا جائے گا۔

عفت بیگم انہیں تو آرام کی نیت سے لٹا آئیں مگر خود ان کی اپنی حالت بے قرار تھی، اکلوتا بیٹا جو پورے خاندان کی آنکھوں کا تارا تھا کیونکہ تمام بہن بھائیوں میں صرف امیر کے ہی عفان کی صورت میں اولاد نرینہ تھی، بہت مجبوری میں اسے کسی قابل بنانے بیرون ملک تعلیم کی غرض

سے بھیجا تھا، خود عفان بھی خواہش تھی کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جائے تاکہ آکر اپنے خاندانی بزنس کو اچھی طرح سنبھال سکے، اکلوتا ہونے کے باوجود وہ سعادتمند اور فرمانبردار تھا شاید اسی لئے باہر کی رنگینوں میں گم ہونے کے بجائے وہ حسب وعدہ واپس آرہا تھا، عفت بیگم نے تو باقاعدہ شکرانے کے نفل پڑھ ڈالے کیونکہ وہ عفان کے بیرون ملک جانے کے سخت خلاف تھیں بلکہ کچھ دن تو انہوں نے شوہر اور بیٹے سے بات بھی نہ کی مگر آج اس کے استقبال کی تیاریاں دیکھ کر اور خود اس میں حصہ لے کر وہ بہت شاد و مسرور تھیں، سب ہی انہیں خوش قسمت گردان رہے تھے کہ اکلوتا بیٹا مگر پھر بھی لائق فائق اور فرمانبردار سپوت پایا تھا عفت بیگم نے، وہ خود تمام انتظامات پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھیں، خاندان کے سبھی لوگ جمع تھے، عفان کا ننھیال بھی اور ددھیال بھی، سب ہی بہت اچھے تھے، کوئی خاندانی بغض اور عداوت نہ تھی نہ روایتی انا پرستی و جھگڑے، اس لئے خاندان و اقارب میں شامل افراد کی تعداد وسیع تھی، وگرنہ آپس میں چپقلشیں ہوں تو بڑے بڑے خاندانوں کے شیرازے بکھر جاتے ہیں، کیونکہ ایسے میں نہ دلوں میں محبت ہوتی ہے نہ احساس، نہ لحاظ نہ مروت، روایتیں دراصل بڑوں سے قائم دائم رہتی ہیں جو بچوں کو یہ سکھاتی ہیں کہ یہ تمہارے اپنے ہیں ان سے ہر حال میں جڑ کر رہو، ورنہ جہاں بچوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بو دیئے جائیں کہ اس سے کم بات کرو، فلاں سے دور رہو تو بچے فرق کرنا، فاصلہ رکھنا سیکھ جاتے ہیں، ہر کسی کو اس کا جائز مقام دیا جائے تو کسی کو بھی شکوہ نہیں ہوتا، اماں بی نے بھی عفت بیگم کو آتے ہی گھر کی چابیاں سونپ دیں کہ اب تم اس گھر کی مالکن ہو، کیونکہ وہ بڑی بہو تھیں مگر عفت بیگم نے کسی چابی کا استعمال اماں بی کی اجازت اور دوسری بہوؤں کے مشورے کے بغیر نہ کیا تھا سو آج بھی سب میں گٹھ جوڑ قائم تھا، خوشیاں جب ہی تو دوبالا ہوتی ہیں جب اس میں ہمارے اپنے شامل ہوتے ہیں، عفت بیگم بھی اسی لئے خوش تھیں کہ ان کی خوشی میں سب ہی لوگ شامل تھے جو بہت سی دعاؤں کا ہار لئے ان کے بیٹے کو خوش آمدید کرنے کھڑے تھے، سو انہوں نے بھی مہمانوں کی خاطر مدارت بھی کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔

ہر آنے والے مہمان کو وہ خود اٹھ کر ویلکم کر رہی تھیں، اپنی نگرانی میں گرمی میں آنے والے مہمانوں کو جوسز سرو کروا رہی تھی، اماں بی کو سلا کر وہ دوبارہ کچن میں آگئیں تھی جہاں پرانی ملازمہ حاجرہ اور اس کی بیٹی مینو کام میں لگے ہوئے تھے، انہوں نے فریج سے کباب نکال کر حاجرہ کو پکڑوائے اور تلنے کی ہدایت کی اور سلاد کاٹتی مینو کی طرف آگئیں۔

''مینو بیٹا قاشیں پتلی رکھنا، موٹے قتلے اچھے نہیں لگتے سلاد میں۔''

''اچھا جی۔'' مینو نے آہستگی سے جواب دیا تو عفت بیگم نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ بھی مسکرا دی، عفت بیگم نے اسے بھی نوکر نہیں جانا تھا، دونوں ماں بیٹی بھی خوب وفادار ثابت ہوئیں تھیں۔

''بی بی جی عفان میاں کب تک آئیں گے۔'' حاجرہ نے کباب تلتے ہوئے پوچھا۔

''بس پہنچنے ہی والے ہونگے، دعا کرو خیر و عافیت سے پہنچ جائیں۔''

''آمین، اب تو خوب بڑے ہو گئے ہوں گے، جب گئے تھے تو سولہویں برس میں تھے۔'' حاجرہ کے لہجے میں عفان کے لئے محبت تھی، اس نے بھی عفان کو گودوں میں کھلایا تھا۔

''ہاں بس حاجرہ بی وقت ایسے ہی گزر جاتا ہے، یہ مینو دیکھیں نا آپ کی گودوں میں آئی تھی، آج آپ کے قد برابر ہو گئی ہے ماشاء اللہ۔'' عفت بیگم نے کہا تو مینو شرما کر مسکرا دی۔

''اچھا میں ذرا باہر چکر لگا آؤں، چاول عفان کی آمد کے بعد ہی بھگوئے جائیں گے۔'' عفت بیگم ہدایت دیتی ہوئی کچن سے باہر آئیں تو راحیلہ کو تیزی سے خود کی جانب آتا دیکھ کر رک گئیں۔

''بھابھی ایک مسئلہ ہو گیا ہے؟'' راحیلہ کے لہجے میں فکر تھی، عفت بیگم گھبرا گئیں۔

''کیا ہو گیا؟ خیریت؟''

''وہ ثمن کا بی پی ہائی ہونے کی وجہ سے ڈاکٹرز اسے ایڈمٹ کر رہے ہیں کیونکہ بی پی کنٹرول نہیں ہوا تو خدانخواستہ ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔''

''اوہو راحیلہ! یہ تو واقعی پریشانی والی بات ہے، بھابھی تو ایسی صورتحال کا سن کر اپنی ہی طبیعت خراب کر ڈالیں گی، ایسا کرو تم ہی چلی جاؤ، علینہ بھی بچی ہے وہ کیسے ساری سچویشن ہینڈل کرے گی۔'' عفت نے سوچتے ہوئے کہا۔

''میں بھی یہ سوچ رہی ہوں، مگر یہاں عفان آنے والا ہے، سب جمع ہیں تو......'' راحیلہ نے اٹکتے ہوئے کہا، کچھ بھی تھا، معاملہ تھا سمدھیانے کا معاملہ تھا۔

''ارے راحیلہ کیسی بچوں جیسی باتیں کرتی ہو تم، ماشاء اللہ فہیم ہو، اس وقت ثمن کو تمہاری ضرورت ہے، ایسے وقت میں اپنے نہیں کھڑے ہوں گے تو کون ہوں گے اور عفان کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا، وہاں سب خیریت رہے ثمن بیٹی خیر و عافیت سے فارغ ہو جائے، یہ دعا اور کوشش کرو چلو اب جلدی نکلو، ڈرائیور تو ہادی کے ساتھ ائیرپورٹ گیا ہے، تو تم ایسا کرو امیر کے ساتھ چلی جاؤ۔'' عفت بیگم نے گویا منٹوں میں سارا مسئلہ حل کر دیا۔

''شکریہ بھابھی، آپ نے تو میری ساری فکر دور کر دی، ورنہ میں سوچ رہی تھی، دونوں طرف ہی بھاوجیں ہیں، کیا کروں، کیا نہ کروں؟'' راحیلہ نے ہنستے ہوئے کہا تو عفت بھی مسکرا دی۔

''خاصی بیوقوف واقع ہوئی ہو تم، رشتے نبھانے کا یہی تو اصل وقت ہے، ویسے بھی راحیلہ حق کا تقاضا یہ ہے کہ اصل ضرورت مند کی طرف نگاہ کی جائے، تم نے سنا نہیں، نیت صاف تو منزل آسان۔''

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے، چلیں میں چلتی ہوں، اللہ حافظ۔'' راحیلہ کہہ کر مڑ گئیں۔

''اللہ حافظ۔'' عفت نے با آواز بلند کہا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم عفان بھائی! خوش آمدید۔'' ہادی نے عفان کو آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر گلے لگا لیا۔

''آئی ایم فائن برادر، تم سناؤ؟ اکیلے آئے ہو؟'' عفان نے جوابی مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں امیر ماموں تو کہہ رہے تھے آنے کو، میں نے منع کر دیا، گرمی بہت ہے۔'' ہادی نے اس کا سوٹ کیس اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہے، یہ رہنے دو یار، آئی کین ہینڈل اٹ (میں اسے پکڑ سکتا ہوں)۔'' عفان نے سوٹ کیس واپس اپنی طرف کھینچا تو ہادی نے اپنی گرفت ہینڈل پر مضبوط کر کے اس کی کوشش

ناکام بنادی۔

"ارے عفان بھائی، ٹیک اٹ ایزی، آپ ابھی سفر سے تھکے ہوئے ہیں اور پھر ابھی تو ہمارے مہمان ہی ہوئے۔"

"آں ہاں یہ بھی خوب کہی۔" عفان معنی خیز ہنسی ہنسا تو ہادی بھی مسکراتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا، دونوں گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی گھر کی طرف رواں دواں ہوگئی، عفان بڑی دلچسپی اور غور سے ہر چیز کو دیکھ رہا تھا، گاڑی کی کھڑکی سے نظر آنے والے مناظر گو کہ اس کے لئے نئے نہیں تھے مگر آنے والی تبدیلیاں اسے کافی متاثر کررہی تھیں۔

"کراچی کافی چینج ہوگیا ہے نہیں؟" عفان نے ہادی کو مخاطب کیا جو خود بھی دوسری جانب سے باہر ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بظاہر تو ہوگیا ہے۔" ہادی نے مبہم لہجے میں جواب دیا۔

"ہیں؟" عفان نے اچنبھے سے پوچھا۔

"عفان بھائی ویسے تو کافی ترقی ہوئی ہے، بڑی بڑی عمارتیں بن گئی ہیں تو جدید طرز تعمیر کا شکار ہیں، بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز جو انٹرنیشنل مالز کے لیول کے ہیں، تفریح گاہیں مگر جو چیز تبدیل ہونی چاہیے وہ ویسی ہے بلکہ بگڑتی جارہی ہے، ہمارے ملک کے حالات، لوگوں کے رویے، سوچ، ذہنیت۔" ہادی کا لہجہ پرسوچ تھا۔

"رائٹ یعنی بیرونی تبدیلی تو مثبت ہے مگر اندرونی تبدیلی منفی رنگ لئے ہوئے ہے۔" عفان نے کہا تو ہادی نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟" عفان اب مکمل طور پر ہادی کی طرف متوجہ تھا۔

"عفان بھائی، کسی امر کو تو ہرگز اس کی وجہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، کئی عوامل ہیں جو اس بگاڑ کا سبب ہیں۔" ہادی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"پھر بھی فار ایگزامپل (مثال کے طور پہ)؟" عفان کی آنکھیں سوالیہ تھیں۔

"مثال ک طور پہ مفاد پرستی، حرص و ہوس، بے حسی، بنیادی حقوق وفرائض سے پہلو تہی یا ناآشنائی۔" ہادی کا انداز مولل تھا۔

"پھر کیا اس بگڑتی صورتحال کو سنبھالنے کے لئے کوئی تدبیر بھی کارگر ثابت ہوسکتی ہے؟" عفان نے گہری نظروں سے ہادی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوشش سے تو سب ممکن ہے عفان بھائی، مگر اس کوشش میں لگنے والی محنت پر کوئی راضی نہیں، کیونکہ اس کوشش کا دورانیہ بہت طویل ہوگا، کیونکہ بگاڑ اوپر سے نیچے تک ہے، آپ کیا کہتے ہیں؟" اس بار ہادی نے سوال کیا۔

"ہادی جہاں مساوات اور عدل وانصاف کا فقدان ہو، وہاں ترقی کا عمل رک جاتا ہے، کیونکہ اس کے سبب بنیادی حقوق حاصل نہیں ہوپاتے، جہاں عام لوگ تعلیم، صحت، غذا پانی، اور دیگر ضروریات زندگی سے محروم ہوں اور وہیں اسی خطے میں ریاست کے علمبرداروں کو سب کچھ حاصل ہو، وہاں سدھار کا خواب محض خواب ہی رہ سکتا ہے۔" عفان نے بڑی تفصیل سے اپنا مدعا بیان کیا تو ہادی نے دادطلب نظروں سے عفان کو دیکھا۔

"ماشاء اللہ، آپ کا تجربہ بہت جامع ہے۔"

"مانتے ہو اپنا استاد۔" عفان نے شرارت سے مصنوعی کالر جھاڑے تو ہادی کے حلق سے قہقہہ برآمد ہوگیا اور ٹھیک اسی لمحے گاڑی جھٹکے سے رکی اور ڈرائیور بولا۔

"صاحب جی گھر آگیا ہے۔"

"اوہ باتوں میں پتہ ہی نہیں چلا۔" ہادی نے چونکتے ہوئے دروازہ کھولا اور کار سے باہر آگیا، دوسری جانب سے عفان بھی اتر آیا، ڈرائیور ڈگی کھول کر سامان نکالنے لگا تو ہادی نے مسکراتے ہوئے عفان کو قدم بڑھانے کا اشارہ کیا، لیکن عفان احمد کو تو سامنے کو منظر دیکھ کر گویا سکتہ طاری ہوگیا تھا۔

☆☆☆

"ڈاکٹر اب کیسی طبیعت ہے سمن کی؟" راحیلہ آتے ہی ڈاکٹر سے ملنے پہنچ گئیں تھیں۔

"بی پی تو کنٹرول ہوگیا مگر پھر بھی ابھی انہیں ڈسچارج نہیں کیا جاسکتا ہے، دوسرا میں آپ کو واضح طور پہ بتادوں کہ آپریشن کی نوبت بھی آسکتی ہے، کیونکہ اگر بی پی دوبارہ بڑھا تو مزید رسک نہیں لے سکیں گے، ویسے بھی ڈلیوری کا ٹائم تقریباً ہو ہی چکا ہے، دس پندرہ دن کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔" ڈاکٹر نے سمن کی حالت تفصیل سے بیان کی تو راحیلہ متفکر ہوگئیں۔

"کیا اس کی حالت زیادہ خراب ہے؟"

"نہیں ایسا نہیں ہے، مگر پھر بھی میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو ممکنہ صورتحال سے بھی آگاہ رکھوں۔" ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو راحیلہ نے گہرا سانس لے کر ہونٹ بھینچ لئے تو ڈاکٹر ان کے کندھے تھپتھپاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"امی آپ کب آئیں؟" علینہ جو میڈیکل اسٹور سے دوائیں لینے گئی تھی، سمن کے وارڈ کے باہر کھڑی راحیلہ کو دیکھ کر چونک گئی۔

"بس ابھی تھوڑی دیر پہلے آئی ہوں بیٹا، تم کہاں تھیں؟" راحیلہ نے علینہ کے ہاتھ میں موجود شاپر دیکھتے ہوئے کہا۔

"دوائیں منگوائی تھیں ڈاکٹر نے، وہی لینے گئی تھی، آپ اکیلی آئی ہیں؟" علینہ نے وارڈ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں، امیر بھائی لے کر آئے ہیں، مگر زنانہ وارڈ ہے نا تو انہیں آنے نہیں دیا۔"

"اچھا، چلیں آپ سمن آپی سے مل لیں، پھر واپس چلے جائیں، ماموں جان کب تک انتظار میں بیٹھیں رہیں گے۔"

"نہیں بھئی، میں یہیں رکوں گی، تم جاؤ، عفان پہنچ گیا ہوگا۔"

"امی آپ کیسے رکیں گی، آپ کے خود گھٹنوں میں درد رہتا ہے اور یہاں ہاسپٹل میں منٹ منٹ میں دوڑاتے ہیں، یہ دوا لاؤ، وہ انجکشن لاؤ، پھر رات کو اس بینچ پہ کیسے سوئیں گی۔"

"ارے مگر وہاں......" راحیلہ نے کچھ کہنا چاہا مگر علینہ نے انہیں بیچ میں روک دیا۔

"امی گھر میں کوئی بھی بچہ تو نہیں کہ ایمرجنسی کی صورتحال کو نہ سمجھ سکے۔"

"مگر علینہ موقع کی مناسبت سمجھنے کی کوشش کرو، ایسا کرتی ہوں فروا یا مروا میں سے کسی کو رکنے کا کہہ دیتی ہوں۔" راحیلہ موبائل نکال کر کال ہی ملانے لگی تھی کہ علینہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا کرتی ہیں امی، چار دن باقی ہیں، ان کے پیپر ہیں، جب میں ہوں تو کیا مسئلہ ہے، ایک دن سے کیا ہوجائے گا۔"

"تم خاموش رہو علینہ، تمہیں نہیں پتہ ان معاملات کا، بیٹا بسا اوقات بہت چھوٹی دکھائی دینے والی باتیں، بہت بڑے مسئلے کو جنم دے دیتی ہیں، ایسا کرتی ہوں ہادی کو کہتی ہوں، فضہ کو لے کر آئے، کم از کم آج رات وہ رک جائے۔" راحیلہ کسی طور علینہ کے ٹھہرنے پہ رضامند نہیں

تھیں۔

''علینہ تم معاملے کی نزاکت کو سمجھ نہیں رہی ہو بیٹا۔'' راحیلہ نے بے چین ہو کر علینہ کا ہاتھ پکڑا۔

''میں بالکل سمجھ رہی ہوں امی کہ معاملہ کتنا نازک ہے، پلیز آپ بھی سمجھیں، کیا کرنا درست ہے اور کیا نہیں۔'' علینہ کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ راحیلہ کو اس کی ماننے ہی بنی۔

''ٹھیک ہے میں سمن سے مل لوں، تم گھبراؤ نہیں، کچھ بھی اوپر نیچے ہو فوراً فون کرنا۔'' راحیلہ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں اور آگے بڑھ کر سمن کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''ارے پگلی، ایسے معاملات میں تو اکثر ایسا ہو جاتا ہے، گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں، میں نے ڈاکٹر سے تفصیلی بات کی ہے، اس نے بھی کہا ہے سب ٹھیک ہے، بس اب تم ہمت رکھو اور جو بھی ہو اسے اوپر والے کی مرضی سمجھ کر قبول کرنا۔''

''جی۔'' سمن اتنا ہی کہا تو وہ ماتھا چوم کر اس کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اچھا علینہ بہن کا خیال رکھنا اور فون کرتی رہنا۔''

''جی امی، آپ بے فکر رہیے۔'' علینہ نے سمن کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے تو راحیلہ کمرے سے باہر نکل گئیں اور علینہ، سمن کو راحیلہ کا لایا ہوا سوپ پلانے لگ گئی۔

☆☆☆

قطار در قطار لگی بوگن ویلیا کی بیلیں، سرسبز گھاس سے سجا فرش جس کے درمیان میں لال اینٹوں کی سیڑھی بنائی گئی تھی جو کسی غالیچے کی مانند دکھائی دے رہی تھی، داخلی دروازے تک چلتی جا رہی تھی، لان کے چاروں اطراف اونچے لمبے درخت سایہ فگن تھے۔

وہ آہستگی سے چلتا ہوا دروازے تک پہنچا جو درمیانی ہال میں کھلتا تھا، تو اسے اپنے قدموں کو رو کنا پڑ گیا، دروازے کی ایک جانب اس کے ددھیالی ہاتھوں میں گلاب کے ہار لئے کھڑے تھے تو دوسری جانب ننھیال والے بھی استقبال کی مکمل تیاریاں کئے ہوئے، ابی جان نے تو اسے دیکھتے ہی بانہیں وا کر دیں، اسے یوں لگا جیسے وہ پھر چودہ پندرہ سالہ عفان بن گیا ہو، اتنا ہی تھا جب وہ یہاں سے گیا تھا، اپنوں سے دور اور آج ستائیس سال کا ہو کر لوٹا تھا، اس کی زندگی کے ماہ و سال بدل گئے تھے، اس کا قد اور دراز ہو گیا، کندھے اور چوڑے ہو گئے، جسم بھر گیا تھا، اس کے گھر کا کچا آنگن خوبصورت باغیچے میں بدل گیا تھا، ہر چیز کسی نہ کسی تبدیلی کی کہانی سنا رہی تھی۔

نہیں بدلا تھا تو اپنوں کی نظر میں دکھائی دینے والا پیار، وہ تقریباً بھاگتا ہوا آ کر ابی جان سے لپٹ گیا، ابی جان نے بھی اس کے چوڑے وجود کو اپنی لاغر بانہوں میں یوں بھر گیا گویا وہ آج بھی کم سن و کم عمر بچہ ہو۔

''میرا شیر، میرا بچہ۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''دادو کہاں ہیں؟'' اسے ایک اور لمس یاد آیا۔

''بڑی مشکل سے سوئی ہیں تمہاری دادو بیٹا، تمہارے آنے کا سن کر کل رات سے جاگ رہی تھیں۔'' نرم گرم ہتھیلی نے سر کو چھوا تو اسے لگا جیسے وہ ہلکا پھلکا ہو کر ہوا میں معلق ہو گیا، گرمی اور سفر کی تھکان اڑن چھو ہونے لگی تھی، ماؤں کے قدموں تلے جنت ہی نہیں، اس کی آغوش و لمس میں جنت سا سکون بھی رکھ دیا گیا ہے۔

''امی کیسی ہیں آپ؟'' اس نے مڑ کر ان کے آگے سر جھکایا۔

''ٹھیک ہوں بیٹا، اب تو بالکل ٹھیک ہوں۔'' عفت بیگم کی آنکھیں بھر آئیں اور آواز بھرا گئی تو عفان نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔

''سوری امی، بہت انتظار کروایا آپ لوگوں کو میں نے۔''

''امی ابو کہاں ہیں؟'' اسے ایک دم خیال آیا۔

''بیٹا وہ ذرا کسی ضروری کام سے گئے ہیں، تم اندر آؤ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' عفت بیگم نے مصلحتاً اصل بات پوشیدہ رکھی، سب موجود تھے، بات پھیلتی تو دور تک جاتی اور جہاں نہیں پہنچنی چاہیے پہنچ ہی جاتی، عفت نے اشارہ کیا تو وہ ان کے ہاتھ پکڑ کر مسکراتا ہوا آگے بڑھ آیا، سب سے فرداً فرداً مل کر وہ اندر آ کر بیٹھا، تو سب ہی اس کے گرد ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئے، سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہونے لگی تھی کہ ابی جان کی آواز ابھری۔

''ارے بچہ تھکا ہارا آیا ہے، اسے نہا دھو کر فریش تو ہو لینے دو، جاؤ عفان بیٹا اوپر اپنے کمرے میں جا کر شاور لے آؤ۔'' ابی نے کہا تو دل ہی دل میں شکر ادا کر کے کھڑا ہو گیا، واقعی اسے شاور لینے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی، وہ سب کو چند منٹوں میں واپس آنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

کمرے میں داخل ہوا تو پیچھے سے ڈرائیور نے بیگ لا کر رکھ دیا، اس نے بیگ سائیڈ پر رکھ کر دروازہ بند کیا اور اے سی کھول کر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا، چند ثانیے کے لئے آنکھیں بند کیں تو ایک آواز نے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

''دیکھ لیجیے گا آپ، سب سے پہلے نمبر پر میں ہی کھڑی ہوں گی آپ کو ریسو کرنے۔'' اس نے جھٹ آنکھیں کھول لیں، کمرے میں ہنوز وہ اکیلا تھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری پھر یکدم غائب ہو گئی، اس نے دماغ پر زور دینا شروع کیا، شاید اس کی جھلک دکھی ہو بھیڑ میں۔

''نہیں بالکل۔'' دماغ نے سختی سے تردید کی۔

''اب میں ایسا غائب دماغ بھی نہیں۔''

''پھر کیا ہوا؟ سیل بھی آف جا رہا ہے؟ آخر ہوا کیا ہے؟'' اپنے ہی سوالوں کی بوچھاڑ پر اس کا اپنا سر چکرانے لگا تو اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سختی سے مٹھیاں بھینچ لیں، ساتھ ہی ساتھ اس کے ہونٹ بھی بھینچ گئے، جھنجلاہٹ بڑھنے لگی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے آ جاؤ؟'' اس نے دروازے کی طرف بنا دیکھے کہا۔

''صاحب جی، کھانا لگنے والا ہے، بی بی جی آپ کو بلا رہی ہیں۔'' مینو نے آہستگی سے دروازہ کھول کر اس میں آہستہ آواز میں کہا۔

''ٹھیک ہے جاؤ، میں آ رہا ہوں۔'' عفان نے جواب دیا تو مینو دروازہ واپس بند کر کے چلی گئی، عفان شاور لینے گھس گیا۔

☆☆☆

''شکر اللہ کا، سب خیر خیریت سے ہو گیا۔'' راحیلہ نے نماز ادا کر کے سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''واقعی اللہ نے بڑا کرم کیا، میں بھی ڈر گئی تھی، شکر ہے آپریشن کامیاب رہا، سچ ہے بھئی ماں بچے کو جنم دیتے وقت قبر کے منہ سے ہو کر آتی ہے، پھر بھی اولاد کو ماں کی قدر نہیں آتی۔'' عفت بیگم جو نماز ادا کر چکی تھیں، جائے نماز تہہ کرتے

ہوئے بولیں، فجر کا وقت تھا مرد مسجدوں میں نماز ادا کرنے گئے تھے اور تمام خواتین گھر پر با جماعت نماز ادا کر کے فارغ ہو رہی تھیں۔

''سچ کہا بھابھی، جنم دینے سے لے کر اسے پال پوس کر بڑا کرنے تک ماں کتنے جوکھم اٹھاتی ہے مگر بہت کم خوش قسمت مائیں ہوتی ہیں جو اپنے اس ایثار کا صلہ سعادتمند اولاد کی صورت میں پاتی ہیں، ورنہ تو آج کل اولاد یہی کہتی سنائی دیتی ہے کہ آپ نے ہمارے لئے کیا ہی کیا ہے۔'' راحیلہ بھی اب جائے نماز تہہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''لیکن ہم لوگ خوش قسمت ہیں آپا، ہمارے بچے ماشاء اللہ فرمانبردار اور سعادتمند ہیں، اب اپنے عفان کو ہی دیکھ لیجئے، ماشاء اللہ اکلوتا ہے، شکل صورت، تعلیم، خاندان ہر لحاظ سے بھرپور ہے، مگر کل اسے دیکھ کر میں حیران رہ گئی، اس کے ہر ہر انداز سے تہذیب و تمیز جھلک رہی تھی، گو کہ باہر سے ہو کر آیا مگر ذرا جو لہجے میں، رویے میں بدلاؤ آیا ہو، وہی چہرے پر ازلی مسکان سجائے، سر جھکائے سب سے ملتا رہا۔'' یہ عفت کی چھوٹی بہن شازیہ تھیں جو رات میں مہمانوں کے ساتھ یہیں رک گئی تھیں۔

''ہاں بھئی اس میں تو کوئی شک نہیں، ہمارا عفان کسی ہیرے سے کم نہیں، اب اس کی یہی سعادتمندی بھلا کیا کم ہے کہ وہ بچپن میں ہوئے رشتے کو آج بھی ایسے ہی نبھا رہا ہے، میں تو حیران تھی جب امیر بھائی کے بائی پاس کے وقت ان کی خواہش پر وہ علینہ سے فون پر نکاح پر راضی ہو گیا، کچھ بھی ہو، بھلا باہر لڑکیوں کی کمی ہے، بھئی عفت نظر اتارا کرو عفان کی روز۔'' عفت کی بڑی بہن نزہت ایسے ہی بے ڈھب گفتگو کرنے کی عادی تھیں، ان کی باتوں پر راحیلہ نے خفیف ہو کر پہلو بدلا مگر ہمیشہ کی طرح عفت نے نازک صورتحال کو سنبھال لیا۔

''نظر تو میں اپنے دونوں بچوں کی اتارتی ہوں نزہت باجی، ماشاء اللہ میری بچی علینہ لاکھوں میں ایک ہے، جب ہی تو گوری جادو گرنیوں کا سحر بھی نہ چل سکا۔'' عفت نے ہنستے ہوئے کہا تو راحیلہ سمیت سب ہی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی جب کہ اب کی بار نزہت پہلو بدلنے پر مجبور ہو گئیں اتنے میں مینو اندر آ گئی۔

''بی بی جی، اماں نے پوچھا ہے ناشتے میں کیا بنے گا؟'' مینو نے عفت بیگم کو مخاطب کیا۔

''ارے ہاں، ایسا کرو آلو کے پراٹھے اور دہی کر لو، ساتھ میں ہاسپٹل لے جانے کے لئے یخنی اور ابلے انڈے اور چائے بنا دو، راحیلہ تم تو ناشتہ کر کے ہی جاؤ گی۔'' عفت بیگم نے راحیلہ کی طرف دیکھا۔

''نہیں بھابھی، ناشتہ وہیں کروں گی، بھابھی بے چین ہیں جانے کو، نزہت نہ آئی تو بتانا پڑا، بہت پریشان ہو گئیں تھیں، بڑی مشکل سے دوائیں دے کر سلایا تھا۔'' راحیلہ اب تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

''ہاں ظاہر ہے بیٹی ہے، پھر پہلا پہلا کیس تھا، اچھا تو ہادی کے ساتھ جاؤ گی۔''

''نہیں کہاں؟ لڑکے تو نماز کے لئے بھی نہیں اٹھے، سب عفان کے ساتھ رات گئے تک لگے تھے، عفان کے کمرے سے چار بجے تک باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں، جب تہجد کے لئے اٹھی تھی میں، میں نے آپ کے بھائی اور یاور بھائی ہم لوگ جا رہے ہیں، پھر علینہ کو لے کر امیر بھائی واپس آ جائیں گے۔'' راحیلہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''ارے تو پھر تم لوگ تو ناشتہ کر کے جاؤ، مرد تو ناشتہ کیے بغیر نہ نکلیں گے، میں حاجرہ سے کہتی ہوں، پہلے تم لوگوں کو فارغ کروا دے۔'' عفت بیگم تیزی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بات تو ٹھیک ہے، چلیں میں جانے کی تیاری کروں۔'' راحیلہ نے بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

صبح کے دس بج رہے تھے، سورج مکمل طور پر نمودار ہو کر اس حد تک روشنی بکھیر رہا تھا کہ اس کے کمروں پر پڑے دبیز پردے بھی اس کی خیرہ کر دینے والی کرنوں کو روکنے سے قاصر تھے، بے شک قدرت کی طاقت کے آگے کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں رہ سکتی، وہ کسلمندی سے جمائیاں لیتے ہوئے اور انگلیاں چٹخاتے ہوئے اٹھا، پھر بساط بھر آنکھیں کھول کر کمرے کا جائزہ لیا تو حیران رہ گیا، سارا کمرہ خالی تھا، صرف وہی موجود تھا، اس نے لپک کر موبائل اٹھایا، اسکرین روشن کی تو ڈسپلے دیکھ کر پتہ چلا آج تو جمعرات ہے، ورکنگ ڈے ہیں، ساری نوجوان ٹولی یا تو اسٹوڈنٹس کی کیٹگری میں سے تھی یا پھر جاب کرنے والوں میں سے تو ظاہر ہے، دس بجے تو تب اپنے اپنے مطلوبہ مقام پر ہوں گے، اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے سوچا، پھر انگلیاں چٹخاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، وہ خود بھی سحر خیزی کا عادی تھا، مگر لندن میں رہنے کے دوران اس کا لیٹ نائٹ جاگنے کا روٹین نہ تھا، یہاں لوٹنے کے بعد رات کا روٹین ڈسٹرب ہوا تو شاید اسی سبب صبح اٹھنے کے اوقات بھی بدل گئے، وہ سلیپر گھسیٹتا ہوا حسب عادت شاور لینے واش روم میں گھس گیا، شاور لے کر باہر آیا، بال سنوارے تو پیٹ کے اندر دھمال مچاتی آنتوں نے بھوک کا احساس روشن کر ڈالا، سو وہ کمرے سے باہر آ کر سیڑھیاں اتر کر نیچے چلا آیا۔

سیڑھیوں کے اختتام لاؤنج میں ہوتا تھا، یہ لاؤنج بیک وقت ٹی وی روم بھی تھا اور ڈائننگ روم بھی، یعنی بنیادی طور پر لیونگ روم تھا، اس نے دائیں بائیں دیکھا تو بند ٹی وی کے سامنے صوفے پر امیر اخبار آنکھوں کے سامنے پھیلائے بیٹھے تھے، وہ ان کے پاس ہی چلا آیا۔

''السلام علیکم ابو!''

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسے ہو؟ تھکن اتر گئی؟''

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولے تو وہ جھینپ گیا۔

''چلو اب ناشتہ کر لو، کچن میں دیکھو حاجرہ بی ہوں گی، ان سے کہہ دو بنا کر دے دیں گی، جب تک میں ذرا سستا لوں پھر دونوں باپ بیٹے بیٹھ کر شطرنج کی بازی بھی کھیلیں گے اور خوب باتیں بھی کریں گے، ورنہ تو تمہاری اماں واپس آ گئیں تو ہمیں تو موقع ہی نہیں دیں گی۔'' امیر دوستانہ انداز میں شرارت سے بولے تو وہ بھی مسکرانے لگا، پھر اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''مگر امی ہیں کہاں؟''

''بیٹا وہ تمہارے یاور چچا کی بڑی بیٹی کے ہاں بیٹا ہوا ہے رات کو، تو تمہاری امی اور پھپھو وغیرہ وہیں گئے ہوئے ہیں۔'' امیر نے بتایا۔

''اوہ اچھا چلیں آپ آرام کریں، میں ذرا ناشتہ کر لوں تاکہ مقابلہ ذرا ڈٹ کر کر سکوں۔'' عفان نے مصنوعی پنجہ لہرایا تو امیر نے سرشار ہو کر اسے گلے لگا لیا۔

''تو میرا شیر بیٹا ہے، مقابلہ تو ڈٹ کر ہی کرے گا، چل جا اب۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چوم کر کاندھا تھپتھپا کر اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ نم آنکھیں لئے مسکراتا ہوا سر جھکا کر کچن کی

جانب بڑھ گیا۔
باپ بھی کبھی اولاد کو اپنے لمس کی خوشبو سے باد آور کراتے ہیں، ان کی محبت ماں کی طرح چپکانے چومنے اور چاٹنے والی نہیں ہوتی مگر جب بھی وہ اپنا محبت بھرا لمس اولاد کو بخشتے ہیں تو اولاد کو ایسی ہی ٹھنڈک اور سکون محسوس ہوتا ہے جیسے کسی تھکے ہارے مسافر کو سایہ دار گھنے درخت کے تلے ملتا ہے۔

حاجرہ بی کو ناشتے کا کہہ کر وہ لاؤنج میں ہی آ بیٹھا اور ٹی وی کھول لیا، اسپورٹس اس کا من پسند شعبہ تھا، وہ خود بھی بہترین ٹیبل ٹینس پلیئر تھا، امیر کمرے میں جا چکے تھے، پتہ نہیں کیوں اس کا دل نہیں لگا اس نے یکے بعد دیگرے چینل بدل کر بالآخر ٹی وی بند کر دیا اور اخبار کھول لیا، قدموں کی چاپ پر اس کا دھیان ہٹا مگر اس نے نظریں اخبار جمائے رکھیں، چائے اور انڈے کی اشتہا انگیز خوشبو نے ناشتے کی آمد کا پتہ دے دیا تھا۔

''یہاں ٹیبل پہ رکھ دیں۔'' عفان نے آہستگی سے کہا۔
یکبارگی اس کی نظر ناشتے کی ٹرے رکھتے ہاتھوں پہ پڑی تو وہ چونک گیا نازک مرمریں گوری کلائیاں حاجرہ بی کو تو ہرگز نہ تھیں، اس نے سر اٹھایا تو لگا سانس سینے میں رک گیا ہے۔
''السلام علیکم!'' جلترنگ آواز نے سناٹے کو چیر اور موتیوں جیسے چمکیلی دانتوں کی خیرہ کرنے والی چمک نے عفان کا سکتہ توڑا۔
''تم۔'' لہجے میں چونکاہٹ واضح تھی۔
''جی میں؟ پہچانے نہیں کیا آپ۔'' لرزتے لب شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔
''بھلکڑ نہیں ہوں میں لوگوں کی طرح۔'' اس کے انداز میں خفگی تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی نظریں چرا گئے جب کہ بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے صبیح چہرے سے ایک لمحے کو بھی نظریں ہٹائے کہ وہ تو حق بھی رکھتا تھا، مگر فی الحال وہ اپنی کمزوری عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔
''آئی ایم سوری، مجبوری تھی، سمن آپی کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی تھی، یہاں سب مہمان موجود تھے، مجھے ہی جانا پڑا اور پھر اچانک انہیں ایڈمٹ بھی کر لیا گیا، ورنہ میں تو۔'' اس نے روانی سے کہتے کہتے ایک زبان دانتوں تلے دبائی۔

''ورنہ میں تو...... کیا؟'' وہ بے قراری کا اظہار سننے کا متمنی تھا، لہجہ ہنوز خفا تھا۔
''میں کیسے بھول سکتی تھی، لمحہ لمحہ شمار کر رہی تھی میں تو۔'' اس نے ناراضگی مٹانے کی خاطر نپا تلا اقرار بھی کر ڈالا، مگر وہ روش بدلنے کا تیار نہ ہوا۔

''مجھ سے بھی اہم کچھ ہے، جان گیا ہوں میں۔''

''نہیں بسا اوقات جو چیز جیسے دکھائی دے رہی ہوتی ہے ویسی نہیں ہوتی، برے وقت میں اپنوں کو ہی کھڑا ہونا پڑتا ہے، رشتے قربانی مانگتے ہیں، احساس کرنا پڑتا ہے۔'' وہ بے چینی سے بولی۔

''میرے خیال سے ابھی بھی آپ مصروف ہوں گی، جائیں اپنا کام کریں۔'' اب وہ دانستہ نظریں چرا کر خفگی کا مظاہرہ کر رہا تھا، کیونکہ اب تک وہ بے قرار تھا اور اب اسے علینہ کی یہ بے قراری مزہ دے رہی تھی، ہمارا دل جس کو چاہتا ہے، جس کے لئے تڑپتا ہے، اس کے لئے یہ خواہش بھی تو رکھتا ہے کہ سامنے والا بھی یوں ہی تڑپے، سسکے اور بلکے تا کہ یہ احساس دو چند ہو سکے کہ جو ہمارے اتنا اہم ہے ہم بھی اس کے لئے اتنے ہی اہم ہیں۔
''پلیز عفان مان بھی جائیں، سچ مجبوری تھی، پھر بھی آپ کو لگتا ہے یہ سب میں نے جان کر کیا تو آئی ایم سوری، لیں میں کان پکڑتی ہوں۔'' بوجھل آواز پر تڑپ کر سر اٹھایا تو عفان کو اسے دیکھ کر ہنسی ہی آ گئی، وہ واقعی کان پکڑے کھڑی تھی۔
''تم نہیں بدلو گی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تو علینہ کی جان میں آئی، سرشار ہو کر بولی۔
''کبھی بدل بھی نہیں سکتی۔''

''اچھا یہ بات ہے؟'' عفان نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔
''جی بالکل چاہیں تو آزما کر دیکھ لیں۔''
''بدلاؤ تو صاف نظر آ رہا ہے، چاہے تم مانو نہ مانو۔'' اب کے عفان کا لہجہ نہایت سنجیدہ اور عجیب تھا، وہ الجھنے لگی، اس کی نظروں کو جانچنا چاہا تو وہ نظریں چرا کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا اور علینہ کو دوپہر کے کھانے کی تیاری کا کہہ کر وہاں سے ہٹ گئی، مگر عفان احمد کی نظروں میں وہ بس چکی تھی۔

☆☆☆

سہ پہر ڈھلنے کو تھی، جب عفت بیگم اور راحیلہ سمیت دوسری خواتین سمن اور اس کے بچے کو لئے گھر میں داخل ہوئیں، ادھر علینہ کی بہنیں بھی پیپر دے کر فارغ ہوئیں تو وہ بھی ادھر ہی چلی آئیں، اسکول کالج جانے والے دیگر لڑکے لڑکیاں بھی آ چکے تھے، گھر میں موجود سناٹا یک دم زور توڑ گیا کمروں میں سوئے مرد بھی باہر آ کر بیٹھ گئے، علینہ نے حاجرہ بی کے ساتھ مل کر سب کو کیری کا شربت پیش کیا تو سب کے حواس بحال ہوئے پھر سمن اور بچے کو گیسٹ روم میں پہنچایا اور حاجرہ بی کے ساتھ کھانے کی ٹیبل سجانے میں لگ گئی، تب ہلکے ہلکے اپنی ٹانگوں کو دباتی عفت نے اسے آواز دی۔
''بیٹا! عفان کدھر ہے، نظر نہیں آ رہا، سو رہا ہے تو کھانے کے لئے اٹھا دو۔''
''نہیں ممانی جان، وہ تو ناشتہ کر کے اپنے دوستوں سے ملنے چلے گئے تھے۔'' علینہ نے آہستگی سے کہا۔
''اچھا کتنے بجے گیا، کتنی دیر ہو گئی۔'' انہوں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔
''قریب دس گیارہ بج رہے تھے صبح کے، جب وہ گھر سے نکلے تھے۔''
''اچھا پھر تو اب کافی دیر ہو گئی، گرمی بھی ہو گئی ہے، فون کر کے کہو کہ گھر آ کر کھانا کھا لے آرام کر لے، پھر نکلے۔'' اب عفت بیگم کے چہرے پہ فکر تھی جسے دیکھ کر امیر مسکراتے ہوئے بولے۔

''ارے بھئی اسے کچھ دن تو آزاد رہنے دو، ابھی آئے ہوا پورا ایک دن بھی نہیں ہوا اور تم نے ٹائم ٹیبل بنا دیا اس کے لئے بچوں کی طرح۔''
''لو بھلا اس میں ٹائم ٹیبل بنا کر وقت کا پابند کرنے کی کیا بات ہوئی، ارے بچہ بھوکا پیاسا جانے کہاں پھر رہا ہو گا، تو کیا میں خبر بھی نہ لوں۔'' عفت بیگم کے لہجے میں خفگی تھی۔
''ارے بھولی بیگم، وہ ہمارا عفان لمبا چوڑا، جیتا جاگتا پورا ستائیس برس کا ہوش حواس رکھنے والا نوجوان ہے، کوئی چڑیا کا بچہ نہیں، جو ادھر ادھر بھوکا پیاسا بھٹکتا پھر رہا ہو گا۔'' عفت بیگم کی معصوم سی وضاحت پر امیر صاحب اور محظوظ ہو کر بولے تھے۔

''ہاں نہ بھابھی اور کیا، اتنے عرصے اکیلا رہا ہے تو کیا کھاتا پیتا نہ ہو گا، ویسے بھی باہر اکیلے رہنے والے زیادہ منظم ہو جاتے ہیں۔'' یاور بھی

بھائی کے ہمنوا ہو کر ہنستے ہوئے بولے تھے۔
''رہنے دیں آپ لوگ وہ وہاں تھا تو مجبوری تھی، ورنہ دل تو اسی میں اٹکا رہتا تھا مگر اب جب پاس ہے تو جو ممکن ہے جس حد تک ممکن ہے اس کے لئے کروں گی، ماں ہوں اس کی۔'' عفت بیگم کا انداز جتلانے والا تھا۔
''ارے بھابھی رہنے دیں نا ان لوگوں کو، انہیں کیا پتہ ماں کی ممتا اور تڑپ کا۔'' راحیلہ جو عفت بیگم کے برابر میں ہی بیٹھی تھیں، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی تھیں۔
''واہ جی یہ خوب رہی، ہماری تو جیسے اولاد ہی نہیں ہے وہ۔'' اب کے امیر کو برا لگا۔
''ارے آپ نے سنا نہیں، یہ خواتین تو ہوتی ہی جذباتی ہیں۔'' یاور نے بھی لقمہ دیا۔
''ارے کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو، عفان بھائی دیکھیں گے تو کیا کہیں، کیسے بچوں کی طرح جھگڑ رہے ہیں، لگتا ہے آپ لوگوں کو گری زیادہ لگ رہی ہے بلاوجہ سب کے موڈ بگڑ رہے ہیں۔'' ہادی جو بہت دیر سے بظاہر ٹی وی کے آگے بیٹھا تھا کان گفتگو کی جانب لگے تھے، ان لوگوں کی طرف مڑ کر بولا تو سب ہی خاموش ہو گئے، اتنے میں علینہ موبائل ہاتھ میں لئے چلی آئی تو عفت بیگم پھر بے چین ہوا ٹھیں اور علینہ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔
''کیا ہوا؟ ہوئی بات؟ کہاں ہے؟ کب تک آئے گا؟''
''معلوم نہیں ممانی جان، بیل جا رہی ہے مگر فون نہیں اٹھا رہے۔'' علینہ کے لہجے میں بھی فکر تھی۔
''یا اللہ خیر۔'' عفت بیگم نے تو باقاعدہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔
''ارے بھابھی کیا ہو گیا، ماشاء اللہ سمجھدار جوان بچہ ہے، عرصے بعد پرانے دوستوں سے ملا ہے، آ جائے گا۔'' یاور نے دلاسہ سا دیا۔
''ہاں ممانی آپ بلاوجہ اتنی ٹینس ہو رہی ہیں، میرے خیال سے عفان بھائی اتنے عرصے بعد آئے ہیں تو ہی آپ زیادہ کانشس ہو گئی ہیں۔'' ہادی اٹھ کر عفت بیگم کے قریب چلا آیا۔
''ارے اتنے عرصے بعد آیا ہے، یہاں کے حالات کا کیا پتہ اسے صحیح سے، اس لئے تو گھبرا رہی ہوں۔'' عفت بیگم باقاعدہ روہانسی ہونے لگیں تھی۔
''اللہ خیر کرے گا بھابھی، بلاوجہ وسوسے نہ پالیں۔'' یاور نے پھر سمجھایا۔
''آپ بے فکر رہیں میں دیکھتا ہوں۔'' ہادی نے موبائل جیب سے نکالا تو باہری دروازے کی جانب بڑھ گیا، سب کی نظریں اسکی تعاقب میں ہو گئی، وہ اوجھل ہوا تو سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، علینہ انگلیاں مروڑتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی سمن کو جوس دینا تھا۔
☆☆☆
''سو گیا، کب سے آوازیں آ رہی تھیں اس کی۔'' علینہ نے کمرے میں داخل ہو کر آہستگی سے بیڈ پر پڑے رکھی اور سمن کے بیٹے کے رخسار کو نرمی سے چھوتے ہوئے بولی۔
''ہاں، اب دن بھر سو کے رات میں پھر جاگے گا، جب میرا آرام کا وقت ہوتا ہے تو جاگ جاتا ہے۔'' سمن کی شکایت میں بھی پیار جھلک رہا تھا۔
''لگتا ہے خوب شرارتی نکلے گا اپنے پاپا کی طرح۔'' علینہ نے شرارت سے آنکھ ماری تو سمن شرما کر ہنس پڑی۔
''تم اس کو چھوڑو، یہ بتاؤ ہمارے شرارتی بھائی نے تنگ تو نہیں کیا تمہیں، ناراض تو نہیں

عفان، تم یہاں نہیں تھیں ویلکم کرنے کے لئے۔'' سمن نے اس کے چہرے کو کھوجتے ہوئے کہا۔
''ارے نہیں، وہ کوئی پرائم منسٹر تھوڑی ہیں جو اسپیشل پروٹوکول نہ ملنے پر ناراض ہو جائیں گے۔'' علینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
''ایک راز کی بات بتاؤں تمہیں، یہ جو شوہر حضرات ہوتے ہیں نا کسی پرائم منسٹر سے کم نہیں ہوتے ان کے نخرے، یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی رعایا یعنی ان کی بیوی بچے ان کا ہر حکم مانیں، ان کے بنائے ہوئے اصولوں پر چلیں، پوری ریاست یعنی گھر پر انکا راج چلے ان کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہ ہلے۔'' سمن نے سرگوشی سے کہتے ہوئے شرارت سے ایک آنکھ ماری تو علینہ نے بھی مصنوعی سنجیدگی چہرے پر سجالی۔
''یہ تو بہت گر کی بات بتائی آپی آپ نے میں اسے اپنے پلو سے باندھ کر رکھوں گی۔'' علینہ نے باقاعدہ دوپٹے کا پلو لے کر گرہ لگائی تو سمن نے اس کی شرارت پر ایک زوردار دھپ رسید کی تو وہ چلا اٹھی۔
''اوئی ماں۔'' چیخ کی آواز سن کر بیٹا کسمسایا تو دونوں نے جلدی سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور پھر دونوں کی دبی دبی ہنسی کمرے میں بکھر گئی۔
☆☆☆
''میری سمجھ میں نہیں آتا آخر اس میں قباحت کیا ہے؟'' عفت بیگم کے لہجے میں چڑچڑاہٹ واضح تھی۔
''اور میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آخر آپ لوگوں کو اتنی جلدی کس بات کی ہے۔'' عفان کا لہجہ بھی اکتایا ہوا تھا۔
''عفان بیٹا، مجھے تمہارے اس گریز کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی، تم جانتے ہو کہ یہ ساری باتیں تو پہلے سے طے شدہ ہیں، نکاح تمہاری مرضی سے ہوا ہے اور جہاں تک جلدی کا سوال ہے تو تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ یاور بھائی کی کیا کنڈیشن ہے، پھر آگے ہم لوگ حج پر جانے والے ہیں، رمضان بھی آ رہے ہیں، تمہارا باہر سے آنے کا مسئلہ نہیں ہوتا تو ہال اور کارڈز وغیرہ کے کام بھی ہو ہی جاتے۔'' امیر صاحب نے عفت کے مقابلے میں مزاج خاصا دھیما رکھا تھا تو عفان کو اپنے لہجے کی تلخی کا احساس ہوا، پھر وہ خود بھی نسبتاً نرم لہجے میں بولا۔
''آپ لوگ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں، مگر ابو، پلیز مجھے بھی سمجھنے کی کوشش کریں، دیکھیں مجھے تھوڑا وقت چاہیے، میں علینہ کو مزید جاننا چاہتا ہوں۔''
''کیا مطلب ہے، اس بات سے تمہارا عفان نکاح ہو چکا ہے تمہارا، پھر وہ کزن ہے تمہاری اور ویسے بھی تم لوگ اسکائپ پر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے ہو، بات کرتے رہے ہو۔'' عفت بیگم نے خفگی سے کہا پھر میاں کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔
''دیکھا اسی لئے کہتی تھی کہ نہ باہر بھیجیں اس کو، پتہ نہیں کن چکروں میں پڑ گیا ہو۔''
''ارے امی، کیا لڑکے لڑکی کی شادی سے انکار کی صرف یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کو پسند کرتے ہیں۔'' وہ پھر چڑ گیا۔
''عفان بیٹا تم بلاوجہ میں خود بھی کنفیوژ ہو رہے ہو اور ہمیں بھی کر رہے ہو، جب کوئی وجہ ہی نہیں، تمہیں کوئی اعتراض بھی نہیں تو پھر تاخیر کیوں، کسی کی بیٹی کا معاملہ ہے بیٹا، بیٹی والوں کو بہت آس ہوتی ہے، بے شک اللہ نے ہمیں بیٹی نہیں دی مگر احساس رکھنے والا دل تو دیا ہے نا، علینہ اچھی بچی ہے اور اگر تم آج کل کے

نوجوانوں کی طرح یہ سمجھ رہے ہو کہ جانے تمہاری اوراس کی انڈر اسٹینڈنگ ہوگی یا نہیں تو بیٹا شادی تو ہے ہی سمجھوتے کا نام اور جب سمجھ نہیں سکتے، تم ہمارا مان ہو، ہمارا مان قائم رہنے دو بیٹا۔'' امیر کا دوستانہ لہجہ اب لجاجت بھرے لہجے میں تبدیل ہو گیا، کچھ بھی تھا، عفان ان کی اکلوتی اور جوان اولاد تھا اور وہ جانتے تھے کہ جوانی منہ زور ہوتی ہے، اس لئے کہیں نہ کہیں کچھ غلط ہونے کا ڈر اور وہم انہیں بھی ستانے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے ابو، میں تیار ہوں، میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف ہو۔'' عفان نے باپ کی آنکھوں میں بے بسی دیکھی تو ان کے قدموں میں بیٹھ کر گود میں سر رکھ دیا، انہوں نے اٹھا کر اسے گلے لگا لیا، عفت بیگم کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو امڈ آئے اور دل شکر کے کلمے پڑھنے لگا کہ سعادت مند اولاد، والدین کے لئے عطیہ خداوندی ہوتی ہے۔

☆☆☆

آج کا دن عفان احمد کے لئے خاص تھا یا نہیں مگر علینہ کے لئے انتہائی خاص تھا، عفان گو مگو کی کیفیت میں تھا نہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کھل کر کر یا دیا تھا نہ اپنے نپے تلے انداز کی وضاحت خود کو اور دوسروں کو دے پا رہا تھا، وہ حد درجے کنفیوژ تھا اور شاید اسی لئے جھنجھلاہٹ کا شکار بھی ہو رہا تھا، اس کا یہ رویہ اور روپ سب کے لئے حیرت کا باعث تھا، کیونکہ مزاجاً وہ خاصا خوش مزاج واقع ہوا تھا۔

لیکن علینہ جو مزاجاً خاموش طبع تھی، آج بہت چہک رہی تھی، اس کے خوش ہونے میں نہ اسے کوئی شبہ تھا نہ کسی اور کو کیونکہ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی، روایتی رنگوں سے ہٹ کر اس کے لئے سلور لانگ میکسی کا انتخاب کیا گیا تھا، جس پر دوپٹہ البتہ دلہن کا بھرپور روپ ابھارنے کے لئے سرخ اوڑھایا گیا تھا، بھاری کام اور نگوں سے آراستہ ہونے کے باعث میکسی کافی وزنی ہو گئی تھی، مگر علینہ انتہائی مہارت اسے اسے سنبھالے ہوئے تھی، شہر کی مشہور بیوٹیشن نے اس کی قدرتی حسن کو اپنی پروفیشنل مہارت کا ٹچ دے کر دو آتشہ کر دیا تھا، حسن کو دو آتشہ کرنے کے لئے جہاں آرائشی لوازمات اور پروفیشنل میک اپ کی ٹپس کام آتی ہیں وہیں ان چیزوں کو اعتماد کے ساتھ کیری کرنے کا فن بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، ہر کوئی علینہ کو کھل کر سراہا رہا تھا مگر وہ جس کے سراہنے کی علینہ منتظر تھی آنکھوں اور زبان دونوں پر تالے لگائے بیٹھا تھا۔

''خود بھی تو اتنے ہینڈسم لگ رہے ہیں، شاید اسی لئے جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں، مغرور کہیں کے۔'' علینہ نے دل ہی دل میں عفان احمد کو صلواتیں سنا ڈالیں۔

یہ حقیقت بھی تھی کہ گولڈن شیروانی میں اس کی صبیح رنگت بھی بے انتہا کھل رہی تھی اور وہ بھی بے انتہا پرکشش دکھائی دے رہا تھا، لیکن عفان احمد کے اندر اس قدر ہلچل اور شور مچا ہوا تھا کہ انہیں اپنے اطراف کی جیتی جاگتی خوشی کے نقارے بجاتی آوازیں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں، مگر سب مگن تھے، باتیں بنانے والی عفان کے رویے پر باتیں بھی بنا رہے تھے اور محسوس کرنے والے تو کچھ کہنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہو پا رہے تھے، ویسے بھی اس وقت کسی کا بھی صرف ایک جانب توجہ مرکوز رکھنا ناممکن سا امر تھا، طاہر ولا جیسی شاندار و بلند و بالا کوٹھی کے اکلوتے سپوت عفان احمد کی شادی تھی، لوگوں کا اژدہام تھا، شہر کے مشہور ویڈنگ پلانر نے آرائش سے

لے کر کھانے تک کے انتظامات میں اس خاندان کی شان و شوکت کو مدنظر رکھا تھا، ہر چیز بہترین تھی، سو لوگوں کی توجہ بٹی ہوئی تھی، ایک طرف وہ ہال کی سجاوٹ دیکھ کر عش عش کر رہے تھے تو دوسری جانب وہ متعدد ڈشز کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے انہیں چکھنے اور ان سے سیر ہونے کو بے تاب تھے، سو میزبانوں نے بھی ان کا زیادہ امتحان نہیں لیا اور ان کی تواضع کا آغاز کر دیا، پھر جب مہمان فارغ ہو گئے تو علینہ کو رخصت کرنے کا عمل سرانجام دیا گیا اور پھر اس کے کچھ لمحوں بعد ہی مہمان بھی رخصت ہو گئے، گھر والے دلہا دلہن کو حجلہ عروسی میں پہنچا کر اپنے اپنے بستروں میں جا گھسے اور نیند کی وادیوں میں کھو گئے، گھر میں سناٹا سا ہو گیا لیکن اس سے بھی زیادہ سناٹا علینہ کے دل میں اتر آیا جب عفان نے کمرے میں آ کر علینہ کو منہ دکھائی کا تحفہ یوں پیش کیا جیسے اس پر احسان کر رہا ہو۔

''کھول کر دیکھ لینا۔'' عفان نے سرخ مخملی ڈبہ اسے پکڑاتے ہوئے کہا تو وہ اسے حنائی ہاتھوں میں تھامے چپ چاپ عفان احمد کو دیکھتی رہ گئی۔

یہ وہی عفان احمد تھا جو فون پر اس کی خوبصورتی کے قصے اور اس کی محبت میں اپنے ہجر کے قصے بیان کرتا نہ تھکتا تھا، اپنے دل کا حال سنانے کے لئے اس قدر بے تکان بولتا چلا جاتا کہ علینہ کو مجبوراً اسے ٹوکنا پڑتا تو وہ مصنوعی خفگی دکھا کر علینہ سے بات بند کر دیتا مگر بہانے بہانے سے اسے واٹس اپ پر مختلف فائلیں بھیجتا رہتا، تب علینہ اس کا مان رکھنے کو اسے منا لیتی مگر آج علینہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پا رہی تھی کیونکہ آج عفان احمد کی خفگی مصنوعی نہیں دکھائی دے رہی تھی، ایک دنیا علینہ کی تعریف میں رطب اللسان تھی مگر وہ جس کی تعریف سننے کو علینہ کا رواں رواں بے چین تھا اس نے نہ تو علینہ کو لفظوں کا خراج بخشا نہ نگاہوں کا اور اس پر ہی بس نہیں ہوا وہ اسے رونمائی کا تحفہ تھما کر اپنا تکیہ اٹھا کر کمرے میں موجود صوفے پر آ کر لیٹ گیا اور یوں اطمینان سے آنکھیں موند لیں گویا کمرے میں وہ تنہا ہو، علینہ دم بخود اس کی کارروائیاں دیکھ رہی تھی۔

''پلیز تم چینج کر کے یہ لائٹس آف کر دو جلدی۔'' عفان نے آنکھیں بند کیے کیے ہی کہا اور علینہ کو لگا کہ اس کا سانس بند ہو جائے گا، عفان کا اذیت ناک رویہ اس کا دل ڈبو رہا تھا ایک لمحے کو تو علینہ کا دل چاہا کہ وہ عفان کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے اور پوچھے کہ آخر یہ کیا تماشا ہے۔

تو دوسرے لمحے اسے یہ خیال آیا کہ شاید عفان اس سے مذاق کر رہا ہوں ورنہ اس پر جان نچھاور کرنے والا اس سے ایسے بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے، مگر یہی زندگی کے کھیل ہوتے ہیں، وہ کبھی کبھی یوں پلٹ کر اپنا دوسرا رخ دکھاتی ہے کہ انسان چکرا کر رہ جاتا ہے، علینہ نے بھی بے اختیار اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا اور ایک گہرا سانس لے کر اپنے آپ کو سنبھالا تھا، وہ ہرگز خود کو عفان کے سامنے ان لمحوں میں کمزور پڑ کے نفس پرست ثابت نہیں کر سکتی تھی، یہ علینہ کے نسوانی وقار کا سوال تھا سو اس نے ضبط کی انتہائی حدوں کو چھوتے ہوئے حلق میں اٹکے نمکین گولے کو سینے میں اتارا اور خاموشی سے چینج کر کے لائٹس آف کر کے بستر پر آ لیٹی تھی، مگر عفان کی طرح نیند بھی اس سے کوسوں دور تھی۔

☆☆☆

دوسری صبح ہرگز ویسی نہ تھی جیسی علینہ نے

سوچی تھی، اس نے نئی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے عفان کے ساتھ قدم قدم پر اس کی محبت اور چاہت کے ہمراہی کے خواب دیکھے تھے مگر وہ خواب خواب ہی رہے شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے، جاگتی آنکھوں سے دیکھے جانے والے خواب شاید ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ایسے خوابوں کی تعبیر کم ہی حاصل ہو پاتی ہے، مگر اب علینہ مکمل طور پر اس خوابی کیفیت سے باہر آ چکی تھی، اسے حق تھا کہ وہ چاہتی تو اپنے خوابوں کے ٹوٹنے اپنے ارمانوں کا گلا گھوٹے جانے اور اپنی ناقدری پر ماتم کرتی، بین کرتی اور اسے معلوم تھا کہ اس نوحہ خوانی میں سب ہی اس کے ہم آواز ہوں گے کیونکہ وہ حق پر تھی یوں رونے پیٹنے پر، مگر وہ مضبوط اعصاب کی سمجھ دار لڑکی تھی، اسے پتہ تھا کہ اس کی یہ جذباتیت نہ اسے کچھ دے گی نہ اس کے گھر والوں کو، بلکہ رہا سہا سکون بھی چھن جائے گا، سو اس نے صبر کا دامن تھام لیا، بعض اوقات انسان کو لگتا ہے کہ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں مگر اس وقت یہ صبر اور برداشت ہی اس کا سب سے بڑا سرمایہ اور قوت ہوتے ہیں، علینہ جیسے سلجھے ہوئے دانش مند لوگ انہی ہتھیاروں کا استعمال کر کے آزمائشوں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

فیروزی رنگ کے خوبصورت کامدار ٹراؤزر شرٹ کے ساتھ اس نے میچنگ فیروزے کے آویزے کانوں میں لٹکائے کھلے نم بالوں کو آنچل سے ڈھانپ کر سرخ آنکھوں میں کاجل سجایا اور میرون لپ اسٹک سے ہونٹوں کو بھر کر انہیں مسکراہٹ بخش دی، گو کہ فریش ہو کر واش روم سے نکلتا عفان سمجھ گیا تھا کہ اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تاہم چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق اس نے احتیاطاً علینہ کو اپنا مدعا بیان کرنا ضروری سمجھا۔

''بات سنو باہر کسی کو کچھ پتا نہ چلے۔''

''یہ حکم ہے یا درخواست؟'' علینہ نے تیکھے چتون سے پوچھا۔

''بحث مت کرو، جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' عفان نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا تو علینہ کی آنکھیں بھر آئیں، یہ وہ عفان تھا ہی نہیں، ایسے کڑے تیور تو پہلے کبھی نہ دیکھے تھے علینہ نے اس کے اور پھر وہ بلا قصور اسے سزا دیئے جا رہا تھا۔

''آپ نہ بھی کہتے تو میں یہی کرتی، بھرم رکھنا آتا ہے مجھے اپنوں کا۔'' اس نے بھیگی نظریں چراتے ہوئے خود کو مضبوط ثابت کیا، وہ بھاگ کر نہیں آئی تھی، نہ ہی اس کی شریک سفر بننے کے لئے اس نے عفان کے پیر پکڑے تھے اور ویسے بھی جب سامنے والے کو ہی آپ کا احساس نہ ہو تو کیا فائدہ اس کو اپنا دل چیر کر دکھانے کا، وہ پہلو بچاتی ہوئی باہر نکل گئی اور عفان جو اس کے آنسوؤں کی جھلک دیکھ چکا تھا بے بسی سے ہونٹ چباتا رہ گیا اور چاہ کر بھی اسے روک نہ پایا، وہ عجیب گومگوں کی کیفیت میں تھا، وہ کیا کہنا چاہتا ہے کیا نہیں، کیا کرنا چاہتا ہے کیا نہیں، وہ خود انجان تھا تو کسی کو کیا بتاتا اور جب دل و دماغ میں جنگ چھڑ جائے تو دونوں ایک نقطے پر متفق ہونے کی بجائے اپنے اپنے موقف کو لے کر ضد پر اڑ جائیں تو بیچارے انسان کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔

☆☆☆

''بیٹا ذرا ٹی وی تو کھولو، دیکھو اعلان ہوا یا نہیں؟'' امیر نے کھانے کے برتن سمیٹتی علینہ سے کہا تو عفان بولا۔

''کسی چیز کا ابو؟''

''ارے بیٹا، رمضان کے چاند کا اور کس کا آج 29 شعبان ہے، خواتین نے تو اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہیں، ہم بھی چلیں گے نا پھر مسجد کی طرف تراویح وغیرہ پڑھنے۔'' امیر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو عفان خفت زدہ ہو کر گدی کھجانے لگا۔

''سوری مجھے دھیان نہیں رہا۔''

''اتنے عرصے اپنے کلچر اور وطن سے دور رہا ہے، یہ تو حال ہونا ہی تھا۔'' عفت بیگم فوراً عفان کے بے علمی پر خائف ہو گئیں۔

''اُفوہ دلہن تم بھی نہ کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا، بس تمہاری مرضی کے خلاف باہر کیا بھیج دیا، اب تم ساری عمر اسی بات کا حوالہ دینا ہر کمزور پہلو میں۔'' ابی جان نے لاڈلے پوتے کی کھنچائی پر سخت برا منایا، اتنے میں نیوز اینکر کی آواز نے سب کو ہی اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

''ناظرین اس وقت اے بی سی چینل سب سے پہلے آپ کو یہ خبر دے رہا ہے کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا ہے، ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے ہم نے ہی خبر نشر کی ہے۔'' ٹی وی پر بریکنگ نیوز کی سلائیڈ اب پوری اسکرین پر پھیل چکی تھی۔

''مبارک ہو بھئی رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے۔'' امیر نے اٹھ کر سب سے پہلے ابی جان کے آگے سر جھکایا تو عفان نے بھی ان کی تقلید کی، پھر عفت بیگم اور علینہ ابی جان اور امی جان کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوئے تو دونوں نے سب کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں، یہی ہوتا ہے بزرگوں کی موجودگی کا دوہرا فائدہ، بے لوث محبت اور پر خلوص دعائیں، بات بات پر نچھاور ہوتی ہیں۔

''علینہ بیٹا حاجرہ سے کہہ کر میٹھا تیار کروا دو، تمہارے ابو سحری میں میٹھا ضرور لیتے ہیں اور ذرا چیک کر لینا مینو نے دہی جمانے رکھ دیا تھا۔'' عفت بیگم نے علینہ کو ہدایات دی تو وہ ''جی اچھا'' کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔

''چلو بیٹا نہا دھو کر تیار ہو جاؤ، تراویح پڑھنے چلنا ہے۔'' امیر نے عفان کو مخاطب کیا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، باقی سب کی نظریں دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆☆☆

وہ گہری نیند سویا ہوا تھا کہ زوردار آواز نے اسے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا اس نے جھنجلا کر آواز کی سمت دیکھا تو موبائل پر بجتے الارم نے اسے اور طیش دلا دیا، موبائل اٹھا کر دیکھا تو تین بج رہے تھے۔

''یہ کیا جہالت ہے، کس نے لگایا میرے موبائل میں الارم۔'' اس نے موبائل خالی بستر پر تقریباً پٹختے ہوئے کہا۔

''جہالت نہیں آپ کی کم علمی ہے، آج پہلا روزہ ہے اور سحری پر صحیح وقت پر اٹھنے کے لئے یہ الارم میں نے لگایا ہے۔'' کمرے سے ملحقہ واش روم سے برآمد ہوتی علینہ نے بنا اس کی جانب دیکھے انتہائی پرسکون انداز میں کہا تو وہ خجل سا ہو گیا۔

''میں سحری کی تیاری کے لئے نیچے جا رہی ہوں، آپ بھی فریش ہو کر نیچے آ جایئے۔'' علینہ نے اپنے بال کیچر میں سمیٹے اور چہرے کے گرد اپنی مخصوص انداز میں دوپٹہ لپیٹا جو اب اس کی شخصیت کا ہی ایک حصہ معلوم ہوتا تھا، وہ نظروں کے سامنے سے ہٹی تو بیڈ کے عین سامنے رکھی ڈریسنگ ٹیبل میں لگے آئینے میں وہ بے دھیانی میں اپنے ہی عکس کو دیکھنے لگا اس کی نظریں اپنے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

چہرے اور خدوخال کا عکس دیکھ رہی تھیں مگر دل و دماغ پر کسی اور ہی کی شخصیت کا عکس منڈلا رہا ہے، وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے یا اسے کیا کرنا چاہیے، علینہ اس کی بچپن کی منگیتر تھی پھر علینہ کے والد کی طبیعت خراب ہونے پر ان دونوں کا نکاح فون پر اس وقت طے کر دیا گیا جب وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے لندن میں تھا، علینہ اس کی محبت تھی، وہ اسے پسند بھی کرتا تھا، وہ غیر معمولی حسن کی مالک تھی، لمبے گھنے بال، انتہائی کھلتی ہوئی رنگت، سرو قد، نازک اندام اور سب سے بڑھ کر ان کے مزاج اور پسند ناپسند بھی ایک تھی، وہ علینہ سے اسکائپ پر بات بھی کرتا تھا، مگر اس نے کبھی علینہ میں بدلاؤ نوٹس نہیں کیا، لیکن اب جب اس نے علینہ کو اپنے مدمقابل دیکھا تو علینہ میں آیا بدلاؤ حقیقی معنوں میں نظر آیا اور اس نے محسوس کیا، وہ جو اس نے اب تک نہیں کیا تھا کہ وہ خود عجیب کشمکش و پیچ کا شکار ہو گیا اور پھر شادی کیونکہ یاور کی علالت کے باعث پہلے سے طے تھی اور جب تک وہ سب کچھ سمجھ کر دوسروں کو سمجھا پاتا بہت دیر ہو چکی تھی اور ویسے بھی کچھ بھی تھا وہ خود ایک تہذیب یافتہ مشرقی مرد تھا وہ کیسے کہہ دیتا کہ یہ خود کو ہمہ وقت اسکارف اور دوپٹے میں لپٹی علینہ وہ تو نہیں ہے جو اس کے دل و دماغ میں بستی ہے، کیونکہ ایسے میں اسے ہی غلط اور مورد الزام ٹھہرایا جاتا، پہلے عشرے کے گزرتے گزرتے اسے یہ احساس بھی اچھی طرح ہو گیا تھا کہ علینہ اور اس کے درمیان ایک واضح لکیر آ چکی ہے، کون صحیح ہے اور کون غلط یہ جاننا تو درکنار وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس لکیر کو مٹانا کیسے ہے کیونکہ وہ بھی علینہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا، مگر کوئی تھا جو سب کچھ جانتا تھا۔

☆☆☆

پہلا عشرہ اختتام کی جانب گامزن تھا، نیکو کار مزید خشوع و خضوع سے عبادتوں میں مصروف تھے کہ وقت ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور غافل دس دن پورا ہونے پر شکر ادا کر رہے تھے کہ چلو محض بیس دن رہ گئے اور روزے داروں سے زیادہ بے روزہ داروں کو آخری عشرے کا انتظار تھا کہ کب بازار کھلیں اور کب وہ ان کی رونق بنیں، اس دن بھی سب بہت مصروف تھے، آج محلے میں افطاری بانٹی جا رہی تھی، اوپر سے عفان علینہ سمیت اپنے دوستوں کے یہاں انوائیٹڈ تھا تو علینہ کی مصروفیت تو دوگنی تھی اس نے جلدی جلدی عصر سے پہلے تمام افطاری تیار کروائی پھر عصر کی نماز سے پہلے نہانے کمرے میں آ گئی، وہ غسل کے لئے واش روم میں جانے سے پہلے اپنی الماری کھول کر ڈریس منتخب کرنے لگی تو عفان جو کاہلی سے آڑھا ٹیڑھا بیڈ پر پڑا ہوا تھا، اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا، علینہ نے تعجب سے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ مڑا اور ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے ایک بڑا سا پیکٹ اٹھا لیا اور علینہ کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ پہن لو، آج کی پارٹی بہت خاص ہے، میرے دوستوں اور ان کی فیملز سے تمہاری براہ راست پہلی ملاقات ہے، فرسٹ امپریشن از دل لاسٹ امپریشن۔'' اس نے آخری جملہ زیر لب مسکراتے ہوئے کہا تو علینہ نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے باکس تھام لیا، پھر اس نے ڈبے کا ڈھکن ہٹایا تو دھانی رنگ کا شیفون کا انتہائی خوبصورت ستاروں سے مزین جوڑا اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کا رنگ بکھیر دیا، اس نے شرٹ اٹھا کر خود سے لگا کر دیکھنے کے لئے آستینوں سے قمیص تھامنی چاہی تو آستین نہ پا کر یکدم اس کے چہرے پر دوڑتی مسرت غائب ہو

گئی۔

''یہ تو سیلولیس ہے؟'' اس نے عفان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ جدید فیشن کا سوٹ ہے، دیکھو اس کا فیبرک ڈیزائن اور کٹ، ڈیزائنر سوٹ۔''

''آئی ایم سوری، میں اسے نہیں پہن سکتی۔'' علینہ کا لہجہ قطعی تھا۔

''کیوں؟ اس لئے کہ اسے میں لایا ہوں۔'' عفان کے لہجے میں کاٹ تھی۔

''جی نہیں، اس لئے کہ آپ اسے میرے لئے لائے ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں میرے انکار کی وجہ، آپ بچے تو نہیں ہے عفان، کیا آپ جانتے نہیں مجھے، آپ کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ میں فیشن اور جدیدیت کے نام پر ہرگز اپنی نمائش نہیں کرواؤں گی۔'' علینہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو عفان نے اسے بازو سے پکڑ کر یوں کھینچا کہ اس کی کمر خم کھا گئی اور عفان کے عین مقابل کھڑی ہو گئی، وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کے چہرے پر آتے جاتے رنگ اور اتار چڑھاؤ، تنی ہوئی رگیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

''نہیں جانتا میں تمہیں، میں جسے جانتا تھا تم وہ ہرگز نہیں ہو، یہ کیا لبادہ اوڑھ رکھا ہے تمہیں، کیا ڈرامہ لگا رکھا ہے، اس بہروپ کی کیا وجہ ہے علینہ نہیں جانتا میں اور میرے اسی انجانے پن نے میرے دن رات کا چین عذاب کر رکھا ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا تھا۔

''ایکسکیوزمی مسٹر عفان یہ ڈرامہ نہیں حقیقت ہے اور بہروپ نہیں ہے یہ، یہ تو ہماری اصل ہے، میری آپ کی، خدارا اپنی آنکھیں کھولئے عفان آپ کی عزت آپ کی بیوی ہوں میں، چاہے آپ نے دل سے مانا ہو نہیں، لیکن شرعی طور پر میں آپ کی بیوی ہوں، میری عزت کی حفاظت کرنا فرض ہے آپ کا۔''

''کہنا کیا چاہتی ہو تم، بے غیرت ہوں میں، تم بڑی غیرت والی ہو۔'' عفان نے اس کے بازو پر اپنی گرفت مزید مضبوط کی تو تکلیف کے دوچند ہوتے احساس سے اس کی آنکھیں اور حلق دونوں نم ہو گئے اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''میری بات کو غلط رنگ مت دیں عفان، ایسا کیسے کہہ سکتی ہوں میں اور کیا غلط کہا ہے میں نے، میں تو۔''

''ہاں تم تو بہت معصوم اور نیک اطوار ہو، غلط تو میں ہوں، اندھا ہوں، دکھائی نہیں دیتا مجھے، غلط راستے پر چل رہا ہوں، تم صحیح ہو، جو شوہر کی بات نہیں مان رہیں، اس کی پسند ناپسند کا خیال نہیں رکھ رہی۔'' اس نے زہرخند لہجے میں سر جھٹکتے ہوئے اور ساتھ ہی اس کا بازو بھی جھٹک کر اسے خود سے دور کر دیا اور وہ نظریں جھکائے سی کرتی ایک جانب ہو گئی۔

''میں آپ کو کیا اور کتنا مانتی ہوں، اس بات کو یا تو میں جانتی ہوں یا میرا اللہ اور غلط بات تو والدین کی بھی نہیں مانی جاتی اگر وہ کسی کو رب کا شریک ٹھہرا کر اپنا ہمنوا ہونے کی کہیں، اولاد بھی نافرمانی کا مرتکب نہیں ٹھہرتی ایسے میں، مذہب کے معاملے میں ایسی دعا دیتیں نہیں ہیں، میں...... میری پسند ناپسند سب آپ کے سامنے ہیں مگر اللہ کے معاملے میں، میں صرف اللہ کی جوابدہ ہوں سو مجھے صرف اسی کی فکر ہے۔'' وہ سانس روکے بغیر کہہ کر واش روم میں جا گھسی اور وہ ہونٹ کاٹتا اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

''مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے علینہ کہ کہیں نہ کہیں تم بھی غلط ہو۔'' مہرین نے اپنے بیٹے کو

تھپکیاں دے کر سلاتے ہوئے کہا، آج امیر صاحب کے گھر سب افطار پارٹی پر مدعو تھے، تو مہرین کو سب نے ہی اصرار کر کے روک لیا اور اس کے آرام کے خیال سے کہ یہاں سب بچے کو دیکھنے والے ہیں تو اسے کچھ ریسٹ مل جائے گا اس کے میاں نے اعتراض نہیں کیا، مہرین گو کہ میں علینہ سے چھ سال بڑی تھی مگر دونوں میں بے حد دوستی تھی، مہرین خود شادی شدہ تھی اور پھر واقف بھی تھی کہ علینہ اور عفان بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں مگر جب شادی کے بعد آج دونوں کو صبح سے ساتھ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ہے اور پھر جب سب نماز و تراویح سے فارغ ہو کر ستانے لیٹ گئے تو مہرین نے کام کے بہانے علینہ کو اپنے پاس بلوا لیا اور علینہ تو جیسے منتظر تھی اس نے ساری بپتا الف سے ے تک کہہ سنائی تو مہرین کچھ خود حیرت میں مبتلا ہو گئی مگر جب اس نے عفان کے بجائے علینہ کو موردالزام ٹھہرایا تو علینہ بری طرح چونک اٹھی۔

''یہ آپ کہہ رہی ہیں مہرین آپی؟ مطلب کیسے کہہ سکتی ہیں آپ یہ؟''

''دیکھو علینہ بات سمجھنے کی کوشش کرو، دیکھو گو کہ بات واضح ہو چکی ہے مگر جس طریقے سے یہ بات کھلی ہے یہ صحیح نہیں ہے، دیکھو جس طرح طیش کے عالم میں کہنے والا بندہ وہ کہہ جاتا ہے جو وہ نہیں کہنا چاہتا یا اسے نہیں کہنا چاہیے بالکل اسی طرح دوسرا بندہ سامنے والے کا مطلب اس طرح نہیں سمجھ پاتا جیسے اسے سمجھنا چاہیے، دیکھو ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے، عفان کا پوائنٹ آف ویو اپنی جگہ بالکل واضح اور کلیئر ہے کہ اس نے جس علینہ کو چاہا، دل میں بسایا وہ اس علینہ سے قطعی مختلف تھی جو آج اس کی زندگی میں داخل ہوئی ہے، اس لیے تو کہتے ہیں کہ مشین ہرگز انسان کا نعم البدل نہیں، دیکھو اسکائپ پر اس نے اتنی توجہ نہیں دی تمہارے تبدیل ہوئے حلیے، اب یہاں جب اس نے نہ صرف تمہیں ہمہ وقت اسکارف بلکہ باہر نکلتے وقت باقاعدہ حجاب و عبایا میں دیکھا تو اس کا چونکنا فطری ہے، لیکن تم نے بات کی اصل کو کھنگالنے کے بجائے خود کو خود ساختہ خول میں بند کر دیا، یار تم بیوی ہو اس کی تمہیں پوچھنا چاہیے تھا۔''

''تو کیا میں روتی پیٹتی پیر پڑ جاتی اس کے۔'' علینہ کو شدت سے اپنی سہاگ رات کی تذلیل کا احساس تھا۔

''نہیں بیوقوف لڑکی حق بات کہنے کے لیے ضروری تو نہیں کہ احتجاج کا سہارا ہی لیا جائے، نرمی اور حلاوت سے بھی تو اپنے جذبات آگے پہنچائے جا سکتے ہیں، مگر تم نے اس کی کھینچی ہوئی لکیر کو مٹانے کے بجائے اس پر پوری دیوار کھڑی کرنا شروع کر دی جس سے ظاہر ہے دوریاں اور فاصلے کم ہونے کے بجائے بڑھ گئے۔'' مہرین نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تو اس کا دل شدت سے بھر آیا۔

کتنے دن کا غبار تھا، وہ ہلکے ہلکے مہرین کی آغوش میں سسکنے لگی جب اس کی ہچکیاں کم ہوئیں تو مہرین نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس کے نم رخساروں کو اپنی انگلیوں کے پور سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

''دیکھو علینہ، ایک بیوی کا اپنے شوہر کا منانا یار جھانا گناہ نہیں اور ایک بات یاد رکھو ازدواجی زندگی میں عموماً جھکنا عورت کو ہی پڑتا ہے، ارے عورت کا دوسرا نام ہی قربانی ہے، کبھی بیٹی بن کر، کبھی بہن بن کر اور پھر بیوی اور ماں بن جائے تو......'' وہ سوئے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھ پیار سے ہنسی تو علینہ بھی مسکرا دی، بہت دنوں بعد وہ یوں کھل کر ہنسی تھی، مہرین نے دل ہی دل میں اس کے یوں ہی ہنستے رہنے کی خوب دعائیں مانگ لیں اور جب اپنے اور پیارے دعا مانگتے ہیں تو وہ قبول ہو ہی جایا کرتی ہیں۔

☆☆☆

آج بارہواں روزہ تھا، سب لوگ افطار کے دستر خوان پر جمع تھے، حاجرہ اور مینو کچن سے لوازمات لا کر علینہ کو دے رہی تھیں جنہیں وہ دستر خوان پر سجا رہی تھی، ان کے گھرانے میں سحر افطار خاص طور پر دستر خوان پر ہی کیے جاتے، ابی جان اس حوالے سے ٹیبل کے سخت خلاف تھے، ٹانگوں کو لٹکا کر کھانا ان کے نزدیک کھانے کی بے حرمتی تھی سو ویسے اس بات کا اہتمام ہو نہ ہو رمضان کریم میں ان کا یہ حکم ضرور مانا جاتا، تب ہی عفت نے عفان کو مخاطب کیا۔

''بیٹا تم افطار اور تراویح سے فارغ ہو کر علینہ کو لے کر عزیزہ بیگم کے ہاں چلے آنا۔''

''کون عزیزہ بیگم امی۔'' عفان نے انجان نام سنتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''بیٹا عزیزہ بیگم ایک چھوٹا سا مدرسہ چلاتی ہیں، وہیں انہوں نے ایک چھوٹا سا ووکیشنل سینٹر بھی کھول رکھا ہے جہاں نادار بچیوں اور ضرورت مند خواتین کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے مختلف ہنر سکھائے جاتے ہیں، میں ہر سال رمضان میں انہیں عطیات بھجواتی ہوں، تم سمجھو میری پرانی جاننے والی ہیں، بڑی ہی نیک اور خدا ترس خاتون ہیں، مگر بیٹا ساتھ دھیان رکھنا وہ بہت دیندار اور شرعی پردہ کرنے والی خاتون ہیں، تم ہرگز گھر میں نہ داخل ہونا، علینہ کو بھجوا دینا۔'' عفت بیگم نے تفصیل بتائی تو عفان نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اتنے میں مغرب کی اذان ہو گئی تو سب افطار کرنے میں مشغول ہو گئے۔

پھر نماز مغرب کے بعد چائے کا دور چلا، تو ہادی بھی چلا آیا، وہ آفس کے کام کے سلسلے میں پندرہ دن کے لیے اسلام آباد جا رہا تھا تو سب سے ملنے چلا آیا، سب سے علیک سلیک کے بعد وہ عفان کو لے کر چھت پر چلا آیا۔

''اور عفان بھائی، کیسی گزر رہی ہے، میں نے سوچا ذرا آپ کے ساتھ گپ شپ لگائی جائے بہت دن ہو گئے موقع ہی نہیں مل رہا ساتھ بیٹھنے کا۔'' ہادی نے چھت پر پڑے تخت پر نیم دراز ہوتے ہوئے عفان سے کہا جو خود بھی گاؤ تکیے پر سر ٹکا کر آسمان کو دیکھنے میں مصروف تھا، وہ اور ہادی بچپن سے ایک دوسرے کے بہت قریب رہے تھے اسکولنگ بھی ساتھ کی تھی، مگر پھر عفان باہر جا کر اپنی لائف میں بزی ہو گیا اور ہادی یہاں اپنی زندگی میں، سو طویل عرصے کی دوری نے کافی عرصے مل کر بیٹھنے کا موقع فراہم نہ کیا تھا، آج بہت دنوں بعد دونوں یوں اکیلے ساتھ بیٹھے تھے اور عفان تو ابھی یہاں آ کر دوبارہ کسی سے اس طرح کھل مل ہی نہیں پایا تھا کہ کچھ کہے سنے آج اسے موقع ہاتھ آیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی دل کا شکوہ زبان پر لے آیا۔

''بس یار، مت پوچھو، بس گزر رہی ہے جیسی تیسی۔'' عفان نے ٹھنڈی آہ بھری تو ہادی چونک کر اٹھ بیٹھا۔

''ارے کیوں عفان بھائی۔''

''سب کچھ بدل گیا ہے یار، لوگ، عادتیں مزاج۔'' عفان کہتے کہتے رکا تو ہادی نے اس کے شانوں پر ہاتھ دھرا۔

''عفان بھائی معاملات ڈسکس کرنے سے حل ہوتے ہیں، آپ مجھے ڈپریسڈ لگ رہے ہیں جبکہ جہاں تک میں آپ کو جانتا ہوں آپ ایسے

نہیں ہیں، آپ تو بہت خوش رہنے والے بندے ہیں۔''

''بس یار جب خوش رہنے کا کوئی جواز ہی نہ رہے تو کیسے خوش رہا جائے۔'' عفان کے لہجے میں سخت مایوسی تھی، ہادی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بات واقعی کافی سنجیدہ ہے مگر کیوں کہ عفان کھل کر نہیں بول رہا تھا تو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس گتھی کو کیسے سلجھائے، اتنے میں عشاء کی اذان ہو گئی تو اس نے عفان سے کہا۔

''آج میرے ساتھ چلئے گا تراویح پڑھنے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تو عفان بھی خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے چل دیا، تراویح پڑھنے کے بعد وہ اسے ایک آئس کریم پارلر میں آیا اس نے خود ہی دونوں کے لئے چاکلیٹ آئس کریم لے کر آ گیا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔

''آپ اس شادی سے خوش نہیں؟'' اس کا سوال اتنا اچانک تھا کہ عفان بری طرح چونک اٹھا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ بات تو شادی والے دن سے ہی ہم سب نے ہی محسوس کی مگر کیا وجہ ہے یہ نہیں سمجھ پائے جبکہ آپ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔''

اب جبکہ ہادی خود بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا عفان نے بھی اس گھٹن سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسے سب کہہ ڈالا۔

''عفان بھائی، آپ بات سن کر مجھے حیرت ہو رہی ہے، عفان بھائی آپ کو پتہ ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ہم نے پاک مردوں کے لئے پاک عورتیں رکھی ہیں، مغربی ماحول میں رہ کر بھی آپ کسی غلط کام میں نہیں پڑے اور یقیناً آپ کے نزدیک اپنے جسموں کی نمائش کرتی لڑکیاں قابل ستائش نہ تھیں جب ہی تو آپ نے ان کی جانب نظریں نہیں اٹھائیں ورنہ کیا اس آزاد ماحول میں آپ کے ایک اشارے پر قدم قدم پر خود کو پیش کرتی لڑکیوں کا حصول ناممکن تھا؟ عفان بھائی شاید آپ کی یہی نیکی اوپر والے کو بھا گئی اور علینہ میں یہ بدلاؤ آیا کیوں کہ اس نے اپنی شان کے مطابق اپنا وعدہ جو پورا کرنا تھا، آپ کی پاک دامنی کے صلے میں آپ کو علینہ جیسی باپردہ بیوی عطا کی، جس پر اب سوائے آپ کے کسی کی نظریں نہ پڑے جس کا بننا سنورنا، حسن و ادائیں سب آپ کے لئے ہوں گی۔'' ہادی نے ایک جذب کے عالم میں کہا تھا اس کے لہجے میں عفان کے لئے، اس کی قسمت کے لئے رشک تھا، عفان یک ٹک ہادی کو دیکھنے لگا اور پھر اس نے گردن جھکا کر چند ثانیوں کے لئے آنکھیں بند کیں، پھر دوبارہ سیدھا ہو کر بیٹھا اور ہادی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''سچ کہا ہے کسی نے مخلص دوست بھی خود اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، میرے دوست تم نے میرا انداز فکر بدل دیا، پتہ نہیں میں کیوں منفی ہو کر ہر شے کا جائزہ لے رہا تھا، شاید اسی لئے مجھے ہر شے غلط لگ رہی تھی، واقعی آپ کے دیکھنے کا رخ طے کرتا ہے کہ دیوار پر تصویر سیدھی لگی ہے یا نہیں۔''

''تھینکس۔''

''اٹس او کے، آخر دوست کس لئے ہیں اور شکر تو اس بات کا ہے کہ آپ کو میری بات سمجھ آ گئی آپ میری رائے سے متفق ہو گئے۔'' ہادی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔

''چلو یار مجھے امی کے کام سے علینہ کو لے کر جانا ہے۔'' عفان کو یکدم یاد آیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں چلیں مجھے بھی پیکنگ کرنی ہے۔'' ہادی بھی اٹھا اور وہ دونوں باہری دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

''عفان ذرا یہ دیکھئے گا سی ڈی کیوں پلے نہیں ہو رہی۔'' کمپیوٹر پر بیٹھی علینہ نے موبائل پر فیس بک میں کھوئے ہوئے عفان کو مخاطب کیا تو وہ کسلمندی سے انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھ کھڑا، پھر کمپیوٹر کے پاس آ کر علینہ کی مطلوبہ سی ڈی پلے کر کے مڑنے لگا تو علینہ نے اسے پھر روک لیا۔

''ذرا رکیے گا، یہ پتہ نہیں بار بار رک رہی ہے، جانے خراب ہے یا پی سی میں کوئی فالٹ آ رہا ہے۔'' علینہ نے نگاہیں کمپیوٹر پر مرکوز رکھتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر وہیں رک گیا، سی ڈی پلے ہو گئی تھی۔

''ناظرین یہ وہ کشتی ہے جس میں حضرت نوحؑ نے سفر کیا اور ناظرین اب ہم آپ کو دکھاتے ہیں وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے۔'' سی ڈی بلاتسلسل چل رہی تھی، عفان جو کھڑا تھا، وہیں علینہ کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھ گیا جو علینہ نے ہی دانستہ لا کر رکھی تھی، آدھے گھنٹے میں سی ڈی ختم ہو گئی اور عفان جیسے مبہوت ہو گیا، علینہ نے آہستگی سے کہا۔

''اب تک تو ہم نے ان جگہوں کے بارے میں سنا تھا اب دیکھنا کیسا لگا۔''

''یہی تو دیکھنے کی چیز ہے، انٹرسٹنگ اور کون کون سی، سی ڈیز لیں تم نے۔'' علینہ سے پوچھتے پوچھتے وہ خود ہی دراز میں سے سی ڈیز نکال کر خود ہی ایک ایک کر کے دیکھنے لگا جو علینہ عزیزہ بیگم یہاں سے واپسی پر لیتی ہوئی آئی تھی، تب عفان نے کوئی توجہ نہ دی تھی، بس پے منٹ کر دی تھی، عفان کی دلچسپی دیکھ کر علینہ کو لگا کہ اس کی کوشش کامیاب ہو گئی، اس نے دل ہی دل میں مہرین آپ کا شکریہ ادا کیا، یہ ان ہی کا آئیڈیا تھا کہ عفان کو نہایت ملائمت کے ساتھ دین کی جانب گامزن کیا جائے حالانکہ تب علینہ کو لگا تھا کہ مہرین کا مشورہ اور آئیڈیا قطعاً قابل عمل نہیں، اس نے مہرین سے کہا بھی تھا۔

''ایسا کیسے ممکن ہے آپی، وہ تو نہ نماز پڑھتے ہیں نہ تلاوت قرآن پاک، روزہ بھی بس ایسا لگتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ کے بجائے گھر والوں کے ڈر سے رکھتے ہیں، روزہ رکھ سارا دن یا سونا یا ٹی وی دیکھنا یا موبائل پر فیس بک پر بزی رہنا، ایک آدھ دفعہ میں نے احساس بھی دلایا تو کہنے لگے ہاں مجھے بھی معلوم ہے سب، میں بھی مسلمان ہوں، تم زیادہ ملانی نہ بنو۔''

''علینہ دیکھو یہ تو آج کل ہر مسلمان کا یہ حال ہو گیا ہے تقریباً کہ ہم صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور تم یہ نہ سمجھو کہ وہ باہر رہا ہے تو دین سے دور ہے، مغربی دنیا میں رہنے بسنے والے بعض مسلمان تو اس قدر اسلامی اقدار کی پاسداری کرتے ہیں کہ ہم اسلامی ممالک کے مسلمان بھی شرمندہ ہو جائیں، یہ سب چیزیں روایات و پاسداری کو نبھانا، اچھے برے کی تمیز ہر شے انسان کے اندر سے ہوتی ہے، کیونکہ دنیا کا کوئی مذہب بھی غلط کاموں کو اچھا نہیں کہتا، عقل شعور سب کو برابر بانٹے گئے ہیں تو یہ انسان کا ہی قصور ہوا نا کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح کو صحیح سمجھے اور غلط کو غلط، مگر یہ یاد رکھو کہ سختی اور جبر سے کام لیا جائے تو بچہ بھی ضد میں آ جاتا ہے، اس لئے بہت سمجھداری سے اسے اس جانب گامزن کرو، پھر ہمارا تو مذہب بے حد آسان ہے کیوں اسے مشکل بنا کر دل میں نفرت اور بیزاری بٹھائی جائے،

پیارے مذہب کے لئے پیار بھرا جذبہ پیار کرنے کے لئے پیار محبت سے کام لینا ہی بہتر ہوگا، وگرنہ وہ کوئی بچہ نہیں اس کے اعمال کی جوابدہ تم نہیں وہ ہے، بس بطور بیوی اور دوست تم کوشش ضرور کرو، تم نے سنا نہیں نیت صاف تو منزل آسان، تو جب اتنے اچھے کام کے لئے قدم اٹھاؤ گی تو اوپر والا کیوں تمہارا ساتھ نہ دے گا۔" مہرین نے رسانیت سے کہا تو علینہ کے دل میں بھی ایک جذبہ اور لگن پیدا ہو گیا، واقعی اگر آپ کو صحیح سمت کا تعین کرانے والا مخلص رہبر مل جائے تو منزل تک پہنچنا بھی بہت سہل اور آسان ہو جاتا ہے اور بالکل یہی ہوا تھا علینہ کو اپنا مقصد حاصل کرنے میں بہت زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑی تھا، عفان اس طریقے سے مذہب سے قریب ہو گیا، وہ اللہ کے قریب ہو رہا تھا اور اللہ اس کے، کیونکہ اس کا تو وعدہ ہے۔

"تم ایک قدم میری جانب بڑھاؤ، میں دس قدم تمہاری جانب بڑھوں گا، تو بھلا وہ کب اپنے وعدے سے مکرنے والا ہے۔"

☆☆☆

"یہ کیا بات ہوئی بھلا، ابھی تو وہ آیا ہے، آپ پھر اسے بھیجنے کی باتیں کر رہے ہیں۔" عفت بیگم کے لہجے میں بے انتہا خفگی تھی، آج سب افطار کے بعد ابی جان کے کمرے میں جمع تھے۔

"ارے بیگم میں کون سا اسے ملک سے باہر بھیج رہا ہوں اور آپ کیسی بچکانہ باتیں کر رہی ہیں، ارے آخر اس کی یہ پڑھائی لکھائی کب کام آئے گی، اب اس نے بزنس سنبھالا ہے تو اس سے متعلقہ دوسرے امور بھی تو نبھانا ہوں گے، آپ بس یہ دعا کریں کہ یہ میٹنگ کامیاب رہے، ہمارے بیٹے کی کامیابی میں ہی ہماری اصل خوشی ہو گی۔" امیر صاحب نے سر جھکائے بیٹھے عفان کے شانے پر تھپکی دی تو وہ مسکرا دیا۔

"ارے دلہن بیگم، جب اتنے عرصے کی دوری سہہ لی تو یہ ایک ہفتہ تو یونہی بہت جائے گا، ویسے بھی آج کل اسلام آباد کا موسم بہت اچھا ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں عفان تم علینہ کو بھی ساتھ ہی لے جاؤ۔" ابی جان نے بہو کو سمجھاتے سمجھاتے اپنا رخ عفان کی طرف موڑا تو اسے اپنے چہرے پر آنے والی بے پناہ مسرت کو چھپانے کے لئے اپنا رخ موڑنا پڑ گیا۔

"مگر ای میں اس بار اعتکاف میں بیٹھنے کا ارادہ کر چکی ہوں، اگر آپ کو اعتراض نہ ہو، یعنی گھر کی ذمہ داریوں میں میری وجہ سے کوئی حرج نہ ہو۔" علینہ نے انتہائی سنجیدگی سے عفت بیگم کو مخاطب کیا تو انہوں نے پہلے حیرت سے اسے دیکھا پھر بڑھ کر ماتھ چوم لیا۔

"ارے نہیں بیٹا، ایسے کاموں کے لئے میری اجازت کی کیا ضرورت بھلا، ویسے بھی گھر کے کاموں کے لئے تو حاجرہ اور مینو ہیں اور عفان بھی جا رہا ہے نہ بھی جا رہا ہوتا تو تمہیں اس نیک ارادے سے کون باز رکھنے کی جرأت کرتا بھلا، اللہ تمہارے نصیب نیک کرے۔"

"ماشاء اللہ ہمیں بڑی نیک اور سعادتمند بہو ملی ہے، خوب صورتی و خوب سیرتی میں یکجا۔" اماں بی نے تکیہ کا سہارا لے کر اٹھنا چاہا تو علینہ نے خود آگے بڑھ کر سر جھکا دیا۔

"جیتی رہو، بڑا خوش نصیب ہے ہمارا عفان کہ اسے تم جیسی نیک بیوی ملی۔" انہوں نے علینہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو علینہ نے کن اکھیوں سے عفان کی طرف دیکھا اور وہ جو اسی کو دیکھ رہا تھا، ایک بار پھر نظریں چرا گیا اور آخر کا دوست سے ملنے کے بہانے اٹھ کھڑا ہوا، گھر سے باہر نکل کر بلا مقصد گاڑی دوڑاتا رہا، ایک سوچ نے اس کے دماغ کو ایسا جکڑا کہ اب کہیں اور توجہ مرکوز ہی نہیں پا رہی تھی۔

"سچ میں...... میں بڑا بیوقوف ہوں، ایک دنیا میری قسمت پر رشک کر رہی ہے اور میں ہوں کہ......" بعض اوقات انسان کی غلطی یا گناہ اس قدر شدت کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کا اعتراف اور ادراک خود اس انسان کو کرنا بڑا دشوار ہو جاتا ہے، کچھ اسی کیفیت سے عفان گزر رہا تھا، وہ شدید احساس ندامت میں مبتلا تھا، اس سے بھی زیادہ شرمساری اس کو اس بات کی تھی کہ اس نے اپنی غلطی کی سزا علینہ کو دے ڈالی تھی اور یہ یقیناً علینہ کی شرافت ہی تو تھی، اس کا ظرف ہی تو تھا کہ اس نے اپنا قصور جاننے کی کوشش بھی نہیں کی اور بلا تامل اس کی سزا قبول کر کے اس کا اور اس کے گھر والوں کی عزت کا بھرم رکھ لیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ گو کہ عفان نے اسے بیوی ہوتے ہوئے بھی بیوی کا حق نہیں دیا مگر علینہ نے بطور بیوی اپنے تمام فرائض نبھائے، اس نے عفان کے روزمرہ کے کاموں کو انجام دینے میں کوئی کوتاہی، کوئی غفلت نہیں برتی، یہاں تک اس سے رخ بھی نہ پھیرا اور شاید یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کا ساتھ قائم رہا۔

محبت تو اثر دکھاتی ہی ہے، علینہ کی محبت اور توجہ نے ہی اس رشتے کو قائم رکھا، اگر وہ اپنی انا کو پس پشت ڈال کر اس کی زیادتیوں کو نہ سہتی، اس کی غفلتوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز نہ کرتی تو آج اس کی اور عفان کی راہیں جدا ہوتیں، بلاشبہ عورت قربانی و ایثار کا منبع ہے اور اس کا یہی جذبہ گھروں کو بناتا ہے، عفان احمد اعتراف کر رہا تھا، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ عہد بھی کر رہا تھا کہ اس رشتے کو قائم رکھنے اور اس بندھن کے مان رکھنے کے لئے وہ خود بھی ضرور جھکے گا، کیونکہ جھکنے والے ہی تو کو سربلندی ملتی ہے، عزت ملتی ہے، محبت ملتی ہے۔

☆☆☆

"میں تو نہیں جانا چاہ رہا تھا مگر ابو نے کہا بہت ضروری ہے میٹنگ اٹینڈ کرنا۔" وہ واپس آیا تو وہ اس کا سامان پیک کر رہی تھی، اسے صبح نکلنا تھا۔

"آپ کو جانا چاہیے، کام تو کام ہے اور اب ابو کی ذمہ داریاں آپ ہی کو اٹھانی ہیں۔" علینہ نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"ہاں مگر۔" وہ کچھ لمحے رکا تو علینہ نے بھی اپنا کام چھوڑ کر چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور عفان نے ہونٹ بند رکھے لیکن اس کی کھلی آنکھوں نے علینہ کو سارے جواب دے دیئے، علینہ نے گھبرا کر نگاہیں چرائیں۔

"یہ پیکنگ ہو گئی ہے آپ چیک کر لیں، کچھ اور چاہیے ہو تو بتا دیجئے، میں سحری کی تیاری دیکھنے کچن میں جا رہی ہوں۔" علینہ نے قدم دروازے کی طرف بڑھائے تو عفان اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"علینہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"جی کہیے۔" علینہ کا دل جانے کیوں زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"شاید بہت دیر ہو گئی ہے، میں جانتا ہوں، بلکہ یوں کہو کہ میں جان گیا، میں نادان تھا علینہ، پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے صحیح غلط کا فرق ہی بھول گیا تھا، ہو سکے تو پلیز مجھے معاف کر دو۔" اس نے بے ساختہ ہاتھ جوڑے تو علینہ نے تڑپ کر اس کی جڑی ہتھیلیاں تھام لی۔

"پلیز عفان کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، یہ مقام نہیں آپ کا۔"

''مقام انسان اپنے کردار سے بناتا ہے علینہ اور میں...... میں تو اپنا اصل ہی بھول گیا، پلیز تم جو کہو گی میں کروں گا، جو دل چاہے مجھے سزا دو، مگر مجھ سے بے رخی نہیں برتنا، مجھے چھوڑنا نہیں، تمہاری صورت میں میری زندگی میں بہار آئی ہے مجھے ساری زندگی اسی چھاؤں تلے رکھنا۔'' قریب تھا کہ عفان اس کے قدموں میں بیٹھ جاتا علینہ نے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگالیا۔

''بس کریں عفان، میں خدا نہیں انسان ہوں، مجھے انسان ہی رہنے دیں، محبت کرنے والوں کو کبھی چھوڑ کر نہیں جایا جاتا، میں آپ کے ساتھ ہوں اور رہوں گی ویسے بھی صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔'' وہ روتے روتے ہنس پڑی تو عفان نے اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے ہٹا کر اپنے لبوں پر رکھ لئے اور پھر ہتھیلیوں کی پشت کو چوم کر کہا۔

''تھینکس آلاٹ، تم نے میرے دل پر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔'' ادھر علینہ عفان کی آنکھوں میں موجزن محبت کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھ کر دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کرتی رہی۔

☆☆☆

محبت میں اظہار بھی عجب جذبہ ہے، نہ ہو تو انسان اس لئے بے چین رہتا ہے کہ محبوب نے اپنی چاہت کو لفظوں کی زبان کیوں نہیں دیئے اور اگر اظہار ہو جائے تو اس سے بھی زیادہ بے چین ہو جاتا ہے، کیونکہ ان حسین جملوں کی بازگشت جب انسان کو عشق کی دھن میں سرمست کر دیتی ہے اور اسے یوں لگتا ہے کہ اب تو کوئی کام ہی نہیں، دل ہوتا ہے کہ محبوب کے تصور کے علاوہ ہر شے سے اچاٹ ہوا جاتا ہے، شاعر نے سچ تو کہا ہے۔

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ آدمی تھے ہم بھی کام کے

عفان گیا تو علینہ بہت بے چین ہو گئی تھی، گو یہاں پاس رہتے ہوئے بھی وہ دور تھا مگر اب جب اس نے محبت میں پیش قدمی کی، اظہار کیا تو علینہ کو اس کی یہ دوری سخت کھل رہی تھی، عفان خود مجبوراً چلا گیا تھا مگر حال اس کا بھی مختلف نہ تھا، ابھی تو محبت کی راہ پر پہلا قدم پڑا تھا کہ پڑاؤ آ گیا اور محبت کا قافلہ تو بس رواں دواں رہنا چاہتا ہے مگر یہی زندگی ہے جس میں انسان کی مرضی نہیں چلتی شاید اسی لئے کہتے ہیں کہ جس پل سے خوشی ملے اسی لمحے کو کشید کر لو کیا پتا پھر یہ وقت ہاتھ میں رہے نہ رہے، پھر یہ موقع ملے نہ ملے مگر انسان تو ہے ہی نادان، اپنے فائدے کی باتیں بھی اپنی بیوقوفی سے نظر انداز اور لایعنی کر دیتا ہے، بہر کیف زندگی تو زندگی ہے انسان کو خود میں الجھا ہی لیتی ہے، سو عفان بزنس میٹنگز کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

ادھر علینہ اعتکاف میں بیٹھ گئی اور کیونکہ بنت خالص تھی تو انتہائی خشوع و خضوع سے عبادت بھی ہونے لگی اور ایسی عبادت سے انسان تھکتا نہیں بلکہ بے نیاز ہو جاتا ہے تو علینہ کی توجہ بھی بس اپنے رب کی طرف تھی اور بندہ رب کی طرف ہو جاتا ہے تو رب کی نظر بھی اسی پر ٹک جاتی ہے اور جس پر اس کی نظر ہو جائے اس کے کیا کہنے، انتیسویں شب کو اعتکاف کا اختتام ہوا تو سب ہی علینہ کو مبارکباد دے رہے تھے وہ مبارکبادیں وصول کر کے سب کی نظریں بچا کر چھت پر چلی آئی، عفان کی سیٹ کنفرم نہ ہو سکی تھی، اس کا عید پر پہنچنا بھی ممکن نہ تھا، جب سے ہادی نے اسے بتایا تھا دل بھر بھر آ رہا تھا سو بھیگی پلکوں کو سب سے چھپانے کے لئے وہ چھت پر جا

چھپی تھی۔

شادی کے بعد پہلی عید وہ عفان کے ساتھ نہ گزار سکے گی یہ تصور ہی سوہان روح تھا اس نے آسمان کی جانب پر شکوہ نگاہیں کیں۔

''کیا تھا جو آپ عید کی خوشی میں بھی مجھے عفان کی آمد کی خوشخبری کا تحفہ دے دیتے؟''

''بس گھبرا گئیں ذرا سی آزمائش پہ، کیوں ساری عبادت و ریاضت کو ضائع کرنے چلی ہو؟'' عقب سے جتنی اچانک آواز ابھری اتنی ہی اچانک وہ مڑی تھی اور قریب تھا کہ وہ غش کھا کر گر پڑتی، مضبوط ہاتھوں نے اسے بانہوں میں تھام لیا، وہ گھبرا کر سنبھلی، پھر خود پر اس کو جھکے دیکھ کر گھبرا گئی۔

''آ...... آپ......؟ ہادی نے تو کہا تھا؟''

''وہ سب میں نے اسے کہا تھا، سرپرائز جو دینا تھا تمہیں۔'' اس نے قہقہہ لگایا تو وہ مچل کر اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکلی۔

''بہت وہ ہیں آپ؟''

''یار معاف کر دو، ویسے میں تھوڑا لیٹ ہو گیا، سوچا تھا اپنی پہلی عید کا پہلا چاند ساتھ دیکھیں گے مگر چاند بھی تمہاری طرح ہرجائی ہے جانے کہاں جا چھپا ہے۔'' عفان نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر اس کے رخ موڑنے پر فقرہ کسا تو وہ اٹھلا کر بولی۔

''جی نہیں، میں کوئی ہرجائی نہیں، میں تو؟''

وہ پھر قریب چلا آیا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''چھوڑو ناں، مجھے پتہ ہے تم میرا انتظار کر رہی تھیں، میں نے بھی پوری تیاری کر رکھی تھی، بس ٹریفک سگنل میں پھنس گیا تھا۔''

''کیسی تیاری، آپ مجھے چوڑیاں پہنانے بازار نہیں لے کر جائیں گے۔''

''نہیں۔'' عفان نے کہا تو وہ پھر منہ پھلانے لگی۔

''ارے میری جان چوڑیاں میں تمہیں خود پہناؤں گا اور وہ نظم بھی سناؤں گا جو میں نے اس موقع کے لئے رٹ لگائی تھی۔'' اس نے شرٹ کے اندر سے پیکٹ نکالا اور رنگ برنگی چوڑیاں اس کی کلائیوں میں بھرنے لگا اور علینہ اس کی گنگناہٹ میں گم ہو گئی اور بادلوں کے پیچھے ہلال عید مسکرانے لگا، محبت کی چاندنی ان کے ہمراہ تھی۔

ہمنوا اب کے تمنائی ہیں
چاند کے روبرو عہد و پیماں ہو
خواب سے حقیقت کا سفر خوشگوار ہو
تمام رباعیاں سنا دوں خیام کی تمہیں
ازل سے محبت کی دیوی مہرباں ہو
فسوں چاند کی رات وصل کی گواہ بنے
لب پہ شکوؤں کا نہ کوئی اہتمام ہو
رفاقتوں کا موسم تا عمر شاد رکھیں
سیاہ ہجر کا ذکر عام نہ ہو
چاند کی رعنائیاں خدوخال کو روشن کریں
ہمارے بخت کو نہ اب کوئی زوال ہو

☆☆☆

تیسری قسط

خوابوں کا ساحل

مصباح نوشین

''انہیں کیا پلیٹ میں نظر بنوں کے طور پر رکھا ہے؟'' پریت نے کوئلے کی مانند جلے ہوئے پکوڑے سنہری پکوڑوں کے اوپر رکھے دیکھے تو پھر پوچھے بغیر رہ نہ سکی تھی۔

''اوہ...... آئم سوری!'' پیا نے فوراً ہی انہیں الگ پلیٹ میں نکالا تھا بے خیالی میں اسے یاد ہی نہیں رہا تھا نکال کر علیحدہ کرنا۔

''کیا بات ہے موڈ کیوں آف ہے تمہارا، ابھی آدھے گھنٹے پہلے تو چہک رہی تھیں کسی بلبل کی طرح؟'' پریت نے اسے بغور دیکھتے پوچھا تھا جس کے چہرے سے بے زاری تھکن اور پژمردگی عیاں ہو رہی تھی۔

''نہیں تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے مجھے کچھ نہیں ہوا؟'' اس نے پریت کی کھوجتی نگاہوں سے خائف نظر س چراتے کہا تھا، پریت چند ثانیے اسے غور سے دیکھتی رہی پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' پیا اسے جاتے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''یو نو واٹ پیا، تم جھوٹ نہیں بول سکتیں صاف تمہارے چہرے سے عیاں ہو جاتا ہے کہ تم کسی الجھن میں ہو'' پیا کو ایک دم ڈھیر ساری شرمندگی نے آن گھیرا تھا وہ تو بس پریت کو اپنی پریشانی کی وجہ بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ پریت اسے اچھے سے جانتی تھی اور اس کے اس انداز و حرکت سے اس کا زیادہ دل دکھ سکتا ہے۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے پریت اور پھر میں تمہیں آفس سے آتے ہی پریشان کرنا شروع

مکمل ناول

کر دوں؟ پلیز آ ؤ ناں پکوڑے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔'' اس نے لجاجت سے کہتے پریت کو واپس بلایا تھا، پریت سر جھٹکتے واپس آ کے بیٹھ گئی تھی۔

''فرحاب اپنا آبائی گھر بیچنا چاہ رہے ہیں؟'' املی کی چٹنی اور ٹماٹو کیچپ پریت کے سامنے رکھتے اس نے دھماکہ کیا تھا۔

''لیکن کیوں؟'' پریت متحیر سی تھی۔

''ان کا کہنا ہے انہیں پاکستان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا، کسی بھی قسم کا اور جبکہ مجھے ساری عمر یہاں نہیں رہنا مجھے کبھی نہ کبھی جلد یا بدیر واپس اپنے ملک اپنی سرزمین پر جا کے بسنا ہے پریت! وہ جان بوجھ کے وہ گھر بیچ رہے ہیں تاکہ انہیں کبھی بھی واپس نہ جانا پڑے پاکستان کے بارے میں ان کے خیالات بھی کچھ اچھے نہیں ہیں اگر ہماری دھرتی ماں بری ہے تو امریکہ کہاں سے اچھا ہو گیا یہاں بھی تو وہی لوٹ مار ہو رہی ہے، جو وہاں پر بھوک افلاس کے مارے لوگ کر رہے ہیں، تم نے دیکھا پریت کس طرح سے میری جان کے پیاسے ہو رہے ہیں کس طرح مجھے خوف و ہراس کا شکار کر رہے ہیں، یہ امریکہ ہے جو ساری دنیا پر حکومت کر رہا ہے، جس کے شہریوں کو جان و مال کے تحفظ کا احساس تک نہیں ملتا یہاں پر۔'' اس کی جذباتی تقریر سن کے پریت نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''بس کرو پیا، اگر کسی امریکی نے سن لیا تو ہمیں ڈیپوٹ کروانے میں ایک ہفتے سے زیادہ نہیں لے گا۔'' پیا نے بے ساختہ کھسیائے اپنی ہنسی دبائی تھی، پھر روٹھے پن سے بولی تھی۔

''میں اسی لئے تمہیں نہیں بتانا چاہ رہی تھی؟'' املی کی چٹنی میں پکوڑا ڈبو کر کے کھاتے اس نے کہا تھا۔

''مذاق کر رہی تھی یار، اچھا میکس نے رابطہ کیا پھر؟'' اچانک پریت نے یاد آ جانے پر پوچھا تھا، پیا چونکی۔

''نہیں...... کیوں؟'' پیا نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''اس کے لائر نے بھی تم سے کوئی رابطہ نہیں کیا کیس کے سلسلے میں؟''

''ہاں اس کے وکیل ہیلن ڈی کروز کی کال آئی تھی آج سٹور پر، ملنے کو کہہ رہا تھا میں نے کل اسے اپنے آفس میں بلایا ہے مگر پریت مجھے یہ سب اچھا نہیں لگا۔'' پریت کے چہرے پر بکھرے تحیر کو دیکھ کر اس نے وضاحت کے سے انداز میں کہا تھا۔

''یوں میکس کروک سے بار بار مدد لینا جبکہ ہم تو ابھی تک اس کے کسی کام بھی نہیں آ سکے۔''

''میکس اچھا انسان ہے پیا! اور اچھے لوگ کبھی بھی ان معمولی باتوں پر دھیان نہیں دیا کرتے، تم خواہ مخواہ بجھی مت ہو وکیل اگر وہ ہائر کر رہا ہے تو فیس تم دے دینا ہیلن ڈی کروز کو، سمپل! احسان بھی نہیں رہے گا اور تمہیں گلٹ بھی نہیں ہو گا۔'' پلیٹ میں بچا آخری پکوڑا کھاتے پریت نے سنہری مشورے سے نوازا تھا۔

''میں نے ایسا ہی سوچا تھا مگر میکس نے سختی سے انکار کر دیا ہے یار، اس نے صاف کہا ہے کہ اگر میں نے ایسا سوچا بھی تو ہم لوگوں سے ناراض ہو جائے گا اور اس کی ناراضگی کا مطلب ہے پارٹنر شپ کا ختم ہو جانا، جو کہ فرحاب کو کسی صورت بھی اچھا نہیں لگے گا کیا کروں یار میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ بے حد پریشان تھی۔

''تو ٹھیک ہے پیا! تمہیں میکس کروک کے خلوص پر شک نہیں کرنا چاہیے، ابھی جیسا وہ کر رہا ہے اسے کرنے دو بعد میں خود ہی فرحاب بھائی ہینڈل کر لیں گے۔'' اس نے خلوص دل سے

اسے بیچ مشورے سے نوازا تھا، پیا اثبات میں سر ہلا کے مطمئن ہو گئی تھی۔

☆☆☆

پریت کے کزن کی شادی تھی ادھر نیویارک میں ہی وہ بھی رہتا تھا آج کل انڈیا سے اس کی ساری فیملی بھی آئی ہوئی تھی، پریت نے پیا کو بھی مدعو کیا تھا سو اس روز وہ جلد سٹور سے ناصر کو سارا کام سمجھا کے اٹھ آئی تھی، اس واقعے کے بعد اب وہ جلدی ہی سٹور بند کر دیا کرتی تھی، وہ سٹور سے باہر نکلی تو آسمان بادلوں سے اٹا محسوس ہوا تھا، بارش بس برسنے کو تھی اس نے آج دوپہر کو لنچ بھی نہیں کیا تھا اسے بھوک بھی بے حد ستا رہی تھی، ابھی کیب کی تلاش میں وہ چند قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ اسے پاپا پرونی کا فوڈ ٹرک نظر آیا تھا، پاپا پرونی فوڈ ٹرک اٹالین فوڈ سرو کرتا تھا اور پورے شہر میں گھومتا تھا، نیویارک میں ایسے کئی ٹرکس فوڈ سروس کا کام انجام دیتے تھے کم قیمت میں اور قلیل وقت میں یہاں کھانے کو بہت اچھا مل جاتا تھا، سو ایک دو مرتبہ پہلے بھی وہ پریت کے ساتھ پاپا پرونی والوں کا کھانا ٹیسٹ کر چکی تھی اور حلال چیزوں کی بھی اب اسے سمجھ آ گئی تھی کہ کس چیز میں کیا جوڑ کیا جاتا ہے اور کیا اسے کھانے لائق ہے، سو اس نے پاپا پرونی ٹرک کے پاس آ کے ایلن چینی اٹالین ڈش کا آرڈر دیا تھا، یہ ایک قسم کے چکن بالز تھے جنہیں چکن یا ٹرکی کے میٹ سے بنایا جاتا ہے، ساتھ چاول اور پنیر بھی استعمال ہوتا ہے کئی قسم کی ساسز اور سلیڈ کے ساتھ اس کا ذائقہ لاجواب تھا، ڈسپوزیبل پیپر پلیٹ میں اسے بڑے بڑے دو بالز ملے تھے ٹرک کے پاس ایک میلا سا لگا ہوا تھا پیا وہیں ایک سائیڈ پر بیٹھ کر کھانے لگی تھی، ایلن چینی بے حد مزیدار تھے سو اس نے منٹوں میں ختم کرتے ایک اور آرڈر کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اٹھ کر اپنا آرڈر لکھواتی اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی تھی، اس نے بے ساختہ مڑ کر بائیں طرف دیکھا میکس کروک اپنی گاڑی میں بیٹھا اسے ہاتھ ہلا کر اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا، وہ حیران سی اس کی جانب بڑھی تھی۔

''ہائے۔'' گاڑی کا فرنٹ ڈور اس نے پیا کو دیکھتے ہی وا کر دیا تھا، پیا خاموشی سے گاڑی کے اندر جا کر بیٹھ گئی تھی تبھی میکس نے اسے مخاطب کرتے اس سے اس کا حال احوال پوچھا تھا۔

''پاپا پرونی کی فوڈ رینج آپ کی فیورٹ ہے؟''

''ارے نہیں، بس ایک آدھ مرتبہ پریت کے ساتھ یہاں کا ایلن چینی ٹرائے کیا تھا تو بس آج بھی یونہی بھوک مٹانے کو خرید بیٹھی۔'' پیا کو نجانے کیوں شرمندگی سی ہوئی تھی میکس کروک دھیمے سے انداز میں اسے دیکھتے مسکرایا تھا۔

''ایلن چینی تو میرا بھی فیورٹ ہے، آپ نے کبھی ہاٹ ڈاک ٹرائی نہیں کیا؟'' پیا کو نام سن کے ہی ابکائی آنے لگی تھی۔

''چھی میں کیوں کھانے لگی سور کا گوشت؟'' بے ساختہ اس نے منہ بنا کے اردو میں کہا تھا اب تو میکس اردو بہت اچھے سے سمجھتا تھا مگر میکس نے اپنے چہرے سے واضح نہیں ہونے دیا کہ اسے سب سمجھ آ گئی ہے۔

''اصل میں تھوڑی ہی دیر میں بارش ہونے والی تھی میں یہاں سے گزرا تو آپ کی طرف بے اختیار نظر اٹھ گئی، اسی لئے رک گیا کہیں آپ کو گھر پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو دوسرا مجھے آپ سے کیس کے سلسلے میں بھی کام تھا۔'' پیا نے مسکرا کر اسے دیکھا اسے میکس کا یہ انداز اچھا لگا تھا۔

''تھینکس فار دس! کیا بات کرنا تھی آپ کو مجھ سے؟'' پیا نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اس کے بال آج سیاہ تھے۔

''جانے یہ بندہ ہر وقت اپنے بالوں کو ڈائی کیوں کیے رکھتا تھا۔'' مگر پیا نے دیکھا اسے سیاہ بال بے حد سوٹ کر رہے تھے سیاہ بالوں کے ساتھ کلین شیو میں وہ تھوڑی تھوڑی ایشین لڑکوں جیسی تشبیہ بھی دے رہا تھا۔

کانوں میں ویسے ہی پلاٹیم کی بالیاں تھیں ہاں ہاتھوں میں سے انگوٹھیاں غائب تھیں بریسلیٹ بھی پہن رکھے تھے مگر ان کی تعداد میں کمی تھی۔

''آپ کا کیس کورٹ میں جا چکا ہے اور اگلی سماعت میں فیصلہ آپ کے حق میں ہو جائے گا امید ہے کہ ان دونوں حبشیز کو ارادہ قتل اور چوری کے جرم میں سات سال قید با مشقت ضرور سنائی جائے گی اس کے لئے آپ کو ایک مرتبہ کورٹ میرے ساتھ چلنا ہوگا؟''

''میں...... میں کیسے جاؤں گی؟'' پیا ایک دم خوفزدہ ہو گئی تھی۔

''ڈونٹ وری پیا، میں آپ کے ساتھ جاؤں گا آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے؟'' پیا نے بے اختیار اس کی آنکھوں میں جہاں عجیب سی مقناطیسی کشش کی لائٹس نکلتی دکھائی دے رہی تھی شعاعوں کا ایسا طوفان اٹدا تھا کہ پیا نظریں چرا کر رہ گئی اور ٹھیک اسی لمحے میکس کروک کا دل چاہا وہ اس ہراساں نظر والی ہرنی جیسی آنکھوں والی لڑکی کو خود میں سمو کر کہیں چھپا لے مگر، وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اور ایسا سوچنے کا حق بھی نہیں رکھتا تھا وہ ایک مسلم لڑکی تھی اور کسی کی بیوی تھی اور وہ لڑکی اس پر اعتماد کرتی تھی اسے اچھا دوست سمجھتی تھی اور اسے بالکل بھی یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اس کے بارے میں ایسی ویسی سوچ رکھے اس نے پیا کے خوبصورت وجود سے نگاہیں ہٹا کر سامنے ونڈ اسکرین کی جانب مبذول کرتے کہا تھا۔

''چلیں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں؟'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

☆☆☆

ڈور بیل پر پیا نے اپنی ہی دھن میں دروازہ کھولا اور آنے والے کو دیکھ کر سن ہو گئی تھی۔

''فرحاب!'' بے ساختہ اس سے لپٹتے اس نے خوشی سے چہکتے اسے چھو کر اس کی موجودگی کو محسوس کیا کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی۔

''واٹ آ لولی سرپرائز۔'' وہ اسے اپنے سامنے یوں اچانک دیکھ کر بے حد پر جوش ہو رہی تھی۔

''کیسا لگا میرا سرپرائز؟'' فرحاب نے اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر اندر آتے پوچھا تھا۔

''بہت خوبصورت؟ تھینک گاڈ آپ آ گئے فرحاب، آپ سوچ بھی نہیں سکتے میں نے آپ کو کتنا مس کیا۔'' اس کا بیگ لے کر کمرے میں رکھتے اس نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بتایا فرحاب اسے پہلے سے خاصا کمزور لگا تھا، کچھ سفر کی تھکان بھی چہرے سے ہویدا تھی۔

''آپ نہا کر فریش ہو جائیں میں کافی بناتی ہوں؟'' اس نے فرحاب کو عجلت میں کہتے کچن کا رخ کیا، فرحاب فوراً ہی اٹھ کر گیا تھا پیا نے دو کپ کافی بنائی اور کمرے میں لے گئی فرحاب فریش ہو کر کمرے میں بیڈ کی پچھلی دیوار پر نصب میکس کروک کی پینٹنگ دیکھ رہا تھا، پیا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو مسکرا کر آگے بڑھی۔

''اچھی پینٹنگ ہے ناں؟'' فرحاب نے اسے ایک خاموش نظر دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

''یہ سٹور سے لائی ہو؟'' اس کا انداز سنجیدہ سا تھا اس نے کسی بھی قسم کی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا جیسا پیا نے سوچا تھا۔

''سٹور سے تو نہیں البتہ میکس کروک کے گھر سے ضرور لائی ہوں؟'' کافی کا مگ اس کی سمت بڑھاتے پیا نے اپنی ہی دھن میں بتایا تھا۔

''تم اس کے گھر کب گئیں؟'' فرحاب کو بے حد اچنبھا ہوا۔

''یہی کوئی دس بارہ روز پہلے؟'' پیا نے بتاتے کندھے اچکائے انداز بے حد لاپرواہ سا تھا۔

''کس کے ساتھ؟'' فرحاب کافی کا سیپ لینا بھول گیا۔

''آف کورس فرحاب پریت کے ساتھ، اکیلی کبھی میں کہیں جاتی ہوں اچھا تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' فرحاب نظر انداز نہیں کر سکا ویسے بھی اپنی مرضی سے وہ پیا کو جتنی مرضی ڈھیل یا چھوٹ دے دیتا اسے فرق نہیں پڑتا تھا مگر پیا اپنی مرضی سے کچھ کرے اسے کسی طور پر گوارا نہیں تھا۔

''یاد نہیں رہا؟''

''بھولنے والی بات بھی یہیں تھی؟''

''فرحاب پلیز، میکس کا ذکر ہی نہیں ہوا کہ میں آپ کو بتا پاتی اور اگر مجھے چھپانا ہی تھا تو اب کیوں بتاتی آپ کو؟'' فرحاب نے ایک لمحے رک کر اس کے چہرے پر لکھی سچائی کو دیکھا اور ہلکا پھلکا ہو گیا شاید عورت ذات پر اعتبار وہ ابھی بھی نہیں کرتا تھا۔

''اٹس او کے، میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہا تھا کیسا تھا پھر اس کا گھر؟'' اب وہ اس سے گھر کی تفصیل پوچھ رہا تھا، پیا نے جوش و خروش سے بتانا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

نومبر کا اینڈ تھا ہلکی ہلکی برف باری نیویارک شہر کی اونچی بلڈنگز پر گرنے لگی تھی پیا نے پریت کے لان میں آرکیڈز اور للی کے پھولوں پر کہر جما دیکھا، ایک عجیب طرح کی اداسی نے سارے نیویارک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، پیا کچھ زیادہ ہی اداس اور رنجی تھی کیونکہ پریت اور جسی پا، جی انڈیا جا رہے تھے، پریت کے بھائی کا روکا (منگنی) تھا ویسے بھی پریت کو دو سال ہونے کو آئے تھے وہ چند گڑھ نہیں جا سکی تھی، جسی پا، جی تو ابھی پچھلے مہینے ہی ہو کر آئے تھے، ان کا کہنا تھا کہ بیگم کے بغیر سسرال جانا بھی کوئی جانا ہے اور ویسے بھی وہ پریت کے بغیر ایک ماہ بھی نہیں رہ سکتے کجا تین ماہ رہنا وہ دونوں آج جا رہے تھے، پیا کو بے اختیار ان میاں بیوی پر رشک سا آیا دونوں کی موجودگی ایک دوسرے کے لئے ناگزیر تھی، جسی سنگھ کو فرحاب شفیق کی طرح پیسہ اور صرف پیسہ جمع کرنے کا لالچ نہیں تھا، وہ پریت کی خوشی کو اہمیت دیتے تھے وہ زندگی کو زندگی کی مانند جیتے تھے وہ لمحہ لمحہ سے خوشی کشید کرتے تھے حالانکہ پریت کو پھر بھی ان سے بے حد گلے تھے شاید دنیا کی ہر بیوی کو ہر شوہر کی طرح اپنے شوہر سے بے شمار شکوے ہوتے ہیں۔

''جلدی آنا پریت، اس شہر میں تمہارے علاوہ میرا اور کوئی دوست نہیں ہے؟'' چلتے سمے پریت کے گلے لگتے اس نے ڈبڈبائی آنکھوں اور بھرائے لہجے میں اس سے کہا تھا، نجانے اسے کیوں لگا تھا کہ وہ پریت سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ رہی ہے۔

''میں جلدی لوٹ آؤں گی پیا، پریشان

مت ہونا فرحاب بھائی اور میکس بھی تو ہے ناں اور پھر میں تمہیں فون برابر کرتی رہوں گی بس تم اپنا فون اپنے پاس رکھا کرنا؟'' پیا روتے روتے ہنس دی تھی ان کی لاپرواہ فطرت سے سب ہی نالاں رہتے تھے مگر اس کی محبت میں چپ رہتے تھے۔

''پریت میں تین ماہ تمہارے بغیر کروں گی کیا؟''

''مزے کرنا، زندگی کو انجوائے کرنا اور ہاں جب میں آؤں تو میکس کروک کے سٹور پر میں تمہارا پورٹریٹ لگا ہوا دیکھوں۔''

''یہ سارے کام میں نہیں کر پاؤں گی پریت؟'' اس سے دوبارہ گلے ملتے سے اس نے سوچتے ہوئے کہا مگر سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

☆☆☆

وہ کمبل میں دبک کر سونے کی کوشش کر رہی تھی فرحاب لاؤنج میں بیٹھے لیپ ٹاپ پر اپنا کوئی کام کر رہے تھے، وہ انہیں کافی بنا کر دے آئی تھی کیونکہ کام کے دوران انہیں لازمی طور پر کافی یا چائے کی ضرورت رہتی تھی، ابھی وہ نیم غنودگی میں تھی جب فرحاب کمرے میں داخل ہوا تھا اس نے آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے جگایا تھا۔

''جی۔'' مندی مندی آنکھوں سے دیکھتے اس نے پوچھا۔

''میکس آیا ہے تم پلیز دو کپ اچھی سی کافی کے بنا دو؟''

''میکس اتنی رات کو؟'' وہ فوراً کمبل پرے دھکیلتے اٹھ بیٹھی تھی۔

''اتنی رات ابھی نہیں ہوئی پیا، صرف دس بجے ہیں تم جلدی سو گئی تھیں؟'' وہ اسے ہڑبڑا کر اٹھتے دیکھ کر مسکرایا تھا اسے پیا کی یہی فرمانبرداری پسند آئی تھی، لمحہ کی تاخیر کیے بغیر وہ اس کی خدمت میں حاضر تھی، پیا نے اٹھ کر بال سمیٹے اور کچن کا رخ کرنے سے پہلے خود کو چادر میں اچھے سے لپیٹا، اس نے ڈھیلے سے ٹراؤزر پر ٹی شرٹ پہن رکھی تھی، میکس اور فرحاب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے سردی چونکہ شدید تھی اسی لئے میکس اسے بلیک لیدر جیکٹ کے ساتھ گلے میں مفلر لپیٹے نظر آیا تھا۔

''کیسے ہیں میکس؟'' کچن کی سمت جاتے اس نے مصروف سے انداز میں پوچھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں سوری، آپ کو ڈسٹرب کر دیا؟'' وہ شرمندہ نظر آ رہا تھا۔

''اٹس اوکے میکس، ایسی غیروں والی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔'' پیا سے بھی پہلے فرحاب نے شائستگی سے اسے شرمندہ ہونے سے روکا تھا، پیا نے دو کپ اچھی سی کافی تیار کی ساتھ ہی فریج کھول کر اس میں سے سینڈوچ کیچپ کے ساتھ نکال کر ٹرے میں رکھے، ان کے سامنے کافی اور سینڈوچ رکھتے خود وہ معذرت کرتی کمرے میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

''اے بی سپر سٹور کی دوسری برانچ ہم کانٹی نینٹل ڈیپارٹمنٹ کے پاس کھول رہے ہیں پیا۔'' دوسری صبح ناشتے کی میز پر اسے فرحاب شفیق نے بتاتے ہوئے حیران کیا تھا۔

''اس سٹور میں وہ سب کچھ بھی ہوگا، جو جگہ کی کمی کے باعث ہم یہاں نہیں رکھ پاتے اور ایک وقت آئے گا جب ہمارے سٹورز نیویارک کے سب سے بیسٹ اور نمبر ون سٹورز کے طور پر مانے جائیں گے، یہ خواب خاصا محنت طلب مہنگا اور مشکل سہی پر ناممکن بہرحال نہیں ہے سو تم

دیکھنا۔'' وہ بے حد جوش سے [illegible] بولتا چلا گیا تھا پیا نے اسے خوشگوار سی حیرت کے ساتھ دیکھا تھا۔

''اللہ آپ کا ہر خواب پورا کرے فرحاب! مگر کانٹی نینٹل ڈیپارٹمنٹ کے پاس، اتنی مہنگی جگہ پر، کیا یہ ہمارے لئے افورڈ کرنا ممکن ہے؟''

''بالکل بھی نہیں ہے میکس کروک کے ایک دوست کی وہاں کچھ پراپرٹی ہے اور وہ اسے سیل بھی کرنا چاہ رہا ہے میکس نے مجھے اس سے کم قیمت میں خرید کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔''

''یہ تو پھر بہت اچھی بات ہے فرحاب! میکس تو کافی کوآپریٹ کر رہے ہیں پھر آپ کے ساتھ؟ ورنہ کون کرتا ہے آج کل کے دور میں؟'' پیا نے اپنی بات مکمل کرتے فرحاب کے تاثرات جانچنے کی کوشش کی۔

''ہاں میکس کروک واقعی میں بہت اچھا انسان ہے، آج کل کے دور میں انسانیت کے جذبے سے ماسوز لوگ بہت کم ملتے ہیں جو بغیر کسی صلے کی تمنا کے دوسروں کے کام آتے ہیں۔'' فرحاب شفیق نے بھی کھلے دل سے اس کی تائید کی تھی۔

''ارے ہاں یاد آیا، ہم نے اس سے اپنا پورٹریٹ بنوانے کا وعدہ کر رکھا ہے، امی جان کی وفات میں، میں کچھ ایسا الجھا کہ بالکل ذہن ہی سے محو ہو گیا میرے، اب ایسا ہے کہ میں تو روزانہ دو سے تین گھنٹے کے لئے بندھ کر بیٹھ نہیں سکتا تم ایسا کرو تم اس کے سٹوڈیو چلی جایا کرو۔'' فرحاب نے اجازت دیتے اسے حیران کیا تھا کہاں تو اسے پیا کا کسی غیر محرم سے بات کرنا گوارا نہیں تھا اور کہاں وہ اسے ایک غیر محرم کے پاس تین گھنٹے کے لئے پورٹریٹ بنوانے کے لئے بھیج رہا تھا پیا کو اس کی شخصیت کے اسی تضاد سے چڑ تھی اسی لئے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

''دیکھو پی! میکس کروک کوئی عام آرٹسٹ نہیں ہے اور پھر اس کے بقول تمہارا چہرہ ایشیا کا خوبصورت ترین چہرہ ہے اور وہ تمہیں دنیا کے سامنے لانا چاہتا ہے تمہاری خوبصورتی کو لانچ کرنا چاہتا ہے، دیکھنا تم چند ہی دنوں میں کہاں سے کہاں پہنچ سکتی ہو اور ہمیں اس ایک پورٹریٹ کا کتنا فائدہ ہو سکتا ہے اور پھر میں کوئی دقیانوسی مرد نہیں ہوں بس تھوڑا پوزیسو ہوں اور مجھے تم پر یقین ہے تم مجھے کبھی دھوکا نہیں دے سکتیں، مجھے دھوکا دینے والی عورت سے شدید نفرت ہے، اس لئے کبھی میرا اعتماد توڑنے کی کوشش مت کرنا۔'' بات کے اختتام میں وہ بہت لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

سچی بات تو یہ تھی کہ فرحاب شفیق دو کو دو سے ضرب دے کر باتیں کرنے والا قدرے لالچی فطرت کا مگر نیک دل کا انسان تھا نہ دھوکا دیتا تھا نہ ہی لینا پسند کرتا تھا اس کی ذات کا پہلا کرش کہیں یا محبت، وہ صرف افراح ایرانی ہی تھی فرحاب کی ملاقات اس سے اپنے سٹور پر ہوئی تھی وہ ملکوتی حسن رکھنے والی ایک بے حد حسین لڑکی تھی اپنے حسن پر جسے بے حد ناز ہونے کے ساتھ ساتھ غرور بھی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اس میں فرحاب کی طرف پیش رفت بھی افراح کی جانب سے تھی رفتہ رفتہ دونوں میں ملاقاتوں کے ساتھ ساتھ محبت بھی پروان چڑھنے لگی، دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے تھے، چند ہی مہینوں میں افراح کا وجود فرحاب شفیق کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا وہ یہاں پڑھنے کی غرض سے آئی تھی مگر اپنا ہی مقصد بھول گئی تھی، رات گئے تک پارٹیز، ہلہ گلہ، پینا پلانا، عریانی و فحاشی اس کے وجود کا بھدا روپ عیاں کرنے کو کافی تھیں مگر فرحاب کی محبت اندھی

بٹی سے بندھا اس کو افراح پر لٹا رہا تھا، تبھی اس کا کزن ریشل وہاں آیا تھا اور پھر جیسے سب کچھ ختم ہو گیا تھا فرحاب کو وہ قیامت خیز منظر آج بھی پوری جزئیات سے یاد تھا جب اس نے ان دونوں کو نہ قابل برداشت حالت میں دیکھا تھا، فرحاب شفیق کے اندر کا مرد بلبلا کر رہ گیا تھا، اس کا سارا لبرل ازم، فریڈم اس کے منہ پر طمانچے مارنے لگا تھا اس روز کے بعد فرحاب شفیق نے خود کو نیا جنم لیتے دیکھا تھا وہ زندہ تو تھا مگر عورت پر سے اس کا اعتبار ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا تھا، کئی ماہ وہ بے یقینی کی حالت میں رہا تھا اسے یقین نہیں آتا تھا عورت کا ایسا بھی کوئی روپ ہوتا ہے، حالانکہ جس معاشرے میں وہ رہتا تھا وہاں تو آئے روز ایسے واقعات دیکھنے اور سننے کو ملتے رہتے تھے مگر فرحاب کو غیر ملک کی غیر مسلم عورتوں سے کیا لینا دینا، اس کا واسطہ تو افراح ایرانی سے تھا اور وہ مسلمان لڑکی تھی مسلمان ملک کی پیدائش تھی، اس نے عورت کو ماں کے روپ میں دیکھا تھا بہن کے روپ میں دیکھا تھا، بھابھی کے روپ میں دوست کے روپ میں بھی کوئی دھوکا باز نہیں تھی، تو پھر عورت محبوبہ کے روپ میں دھوکہ کیوں دیتی ہے آخر؟ وہ اکثر فرسٹریشن کا شکار ہوتے اپنے بالوں کو نوچتا چلا اٹھتا تھا، مگر پھر بہت سال بعد اسے پیا نظر آگئی اس کے چہرے کی معصومیت مزاج کی سادگی نے اسے آہستہ آہستہ باور کروانا شروع کیا تھا کہ ہر عورت بے وفا نہیں ہوتی دھوکہ باز نہیں ہوتی، مگر وہ پوری طرح تو نہیں مگر کسی حد تک عورت ذات پر اعتماد کرنے لگا تھا جب بھی اس کے اندر کا شک کسی زہریلے ناگن کی مانند اسے ڈسنے لگتا پیا کی سادگی و معصومیت اور باکرداری اسے منہ چھپانے پر مجبور کر دیا کرتی، اگر زندگی میں اب اسے کسی عورت کی جانب سے دھوکہ ملا تو شاید نہیں یقیناً وہ فرحاب شفیق کی زندگی کا آخری دن ہوگا، ایسا اس نے سوچ رکھا تھا اور اکثر یہی ایسا کہتا رہتا تھا۔

☆☆☆

فرحاب نے شاید نہیں یقیناً میکس کروک کو کال کر کے پیا کی آمد کے متعلق آگاہ کر دیا تھا تبھی اس نے ٹھیک دو بجے فرحاب کے دیئے گئے مقررہ وقت پر گاڑی بمعہ ڈرائیور کے بھجوا دی تھی پیا کو حیرت کے ساتھ ساتھ سخت الجھن محسوس ہوئی۔

''آپ نے انہیں مجھے پک کرنے کو کیوں کہا فرحاب! میں خود چلی جاتی؟'' وہ پاؤں پٹختے کمرے میں داخل ہوئی تھی فرحاب نے لیپ ٹاپ پر جمائی نظریں ذرا کی ذرا اٹھا کر دیکھا وہ موڈ آف کے ساتھ شعلہ جوالہ بنی کھڑی تھی فرحاب کو بے ساختہ اس کے غصے سے کی گئی بات پر ہنسی آ گئی۔

''تم خود چلی جاتیں، مگر کیسے؟'' نچلا ہونٹ دانتوں تلے شرارت سے دبائے بظاہر وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا پیا اس کی چمکتی آنکھوں میں شوخی دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

''میں ٹیکسی کر لیتی؟'' ایک ادا سے کہا۔

''ایڈریس تھا تمہارے پاس؟'' فرحاب کو اسے تنگ کرنے میں مزہ آنے لگا۔

''میری ڈائری میں نوٹ ہے؟'' اس نے دھیمے لہجے میں کہہ کر اپنی بات کا وزن برقرار رکھنا چاہا، مگر بے سود، فرحاب کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اسے اپنے گھر اور سٹور کے علاوہ کسی اور جگہ کا ایڈریس معلوم نہیں ہے۔

''تو ٹھیک ہے میں ڈرائیور کو واپس بھیج دیتا ہوں تم ایسا کرو ٹیکسی سے چلی جاؤ؟'' اس نے فوراً کہتے ساتھ ہی سیل فون اٹھا کر میکس کا نمبر ملانا چاہا مگر پیا نے اسے سیل اٹھاتے دیکھ کر فوری ٹوکا تھا۔

''اچھا اب رہنے دیں ناں، اب میں چلی جاتی ہوں مگر آئندہ میں آرام سے اور اپنی مرضی سے جاؤں گی اور گھر سے تیار ہو کر یوں منہ اٹھائے ہرگز نہیں۔'' فرحاب کی ذات پر اور میکس کروک کی آئندہ آنے والی سات نسلوں پر احسان عظیم کرتے اس نے جانے کی مشکل حامی بھری تھی۔

''او کے...... وش یو بیسٹ آف لک۔'' اس نے ہنستے ہوئے پیا کو کہا تھا، پیا ڈرائیور کے ساتھ میکس کروک کی لگژری گاڑی میں ٹھاٹ سے بیٹھ کر پہلے گھر جا کر تیار ہوئی اس کے بعد وہ بڑی شان کے ساتھ میکس کے خواب محل میں داخل ہوئی تھی، آج اس نے ہلکے گلابی رنگ کا میرون کڑھائی والا لانگ کرتا ور پاجامہ پہن رکھا تھا، شارپ پنک لپ اسٹک لگائے آنکھوں میں وہی کاجل کی تحریر اور گالوں پر ہلکا سا ابھار واضح کرتا بلش آن، ہلکے ہلکے نیچرل میک اپ میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی، وہ ڈرائیو وے پر اتری تو میکس اسے اپنے انتظار میں کھڑا نظر آیا تھا۔

''وہ ورلڈ فیمس پینٹنگ آرٹسٹ ہے اس شہر کا وہ مشہور ترین اور معزز ترین شخص ہے۔'' پیا کو اس بات کی چنداں پرواہ نہیں تھی وہ اپنی فیورٹ خود تھی اور ہمیشہ خود کو کسی ملکہ کی سی حیثیت کے ساتھ شان و اہمیت لیتا ہوا ہی دیکھا کرتی تھی، میکس کروک کی شہرت، رکھ رکھاؤ اور اثر و رسوخ اسے ہمیشہ یاد کرنے پر ہی یاد آیا کرتا اور میکس کو اس کی یہی بے نیازی اپیل کرتی تھی بالخصوص اس وقت اس وقت اور بھی شدت سے محسوس ہوتی جب وہ کسی پبلک پلیس پر خود کو امریکن ہوش ربا لڑکیوں کے میلے میں گھرا پاتا وہ گاڑی سے اتری تو میکس مسکرا کر چند قدم آگے اس کے استقبال کے لئے بڑھا تھا آج وہ دوسری بار اس کے گھر آئی تھی اور اس کے استقبال میں میکس نے کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔

''السلام علیکم پیا!'' نزدیک آنے پر اس نے عقیدت و احترام کے ساتھ پیا کو سلام کیا تو چند لمحے حیرت کے مارے پیا بول ہی نہیں سکی تھی، انگریزی تلفظ میں اردو میں سلام کرتا وہ پیا کو بے اختیار مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''وعلیکم السلام میکس!'' پیا نے مسکراتے ہوئے اپنی حیرت پر قابو پانے کے بعد اس پر سلامتی بھیجی میکس نے اندر چلنے کو کہا تھا پیا مسکراتے ہوئے اندر بڑھی۔

''کیا لیں گی، چائے یا کافی؟'' ڈرائنگ روم میں آتے ہی اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کافی۔'' پیا نے ایک نظر جھکا لی تھی میکس کروک آج بلیو تھری پیس سوٹ میں ریڈ ٹائی لگائے بہت مہذب اور وجیہہ دکھ رہا تھا ایسا لگ رہا تھا اس کی ڈریسنگ سے جیسے وہ ابھی کوئی میٹنگ اٹینڈ کر کے آیا ہو۔

''آپ کی دوست آج ساتھ نہیں آئیں۔'' کافی کا آرڈر کرنے کے بعد میکس نے گفتگو کو بڑھانے کی غرض سے کہا تھا ورنہ وہ تو دل ہی دل میں بے حد خوش تھا پریت کے ساتھ نہ آنے پر، ان چند دنوں میں جو پورٹریٹ بنانے کے لئے درکار تھے میکس پیا سے جی بھر کر باتیں کرنے کے ساتھ اسے جی بھر کر دیکھ لینا چاہتا تھا جو کہ پریت کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا۔

''وہ آج کل انڈیا گئی ہوئی ہے اس کے بھائی کی شادی ہے؟'' پیا نے آہستگی سے بتانے

پر پورے ڈرائنگ روم کو ایک سرسری نظر دیکھا پھر دفعتاً پوچھ لیا۔

''اتنے بڑے گھر میں آپ اکیلے ڈرتے نہیں میکس؟'' میکس اس کی بات پر دل کھول کر ہنسا تھا اس کی بے ساختگی واقعی میں کمال کی تھی۔

''نہیں پیا! اب مجھے ڈر نہیں لگتا کیونکہ اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔'' نہایت سنجیدگی سے غیر سنجیدہ بات کرتے اس نے پیا کے خوبصورت و آتشیں روپ کو دیکھا وہ قیامت تھی اور ہمیشہ قیامت دکھتی تھی، اس کے جواب پر پیا بے ساختہ ہنس دی تھی سفید آبدار موتیوں کی قطار گلابی لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کے درمیان بے حد بھلی لگ رہی تھی۔

''آپ کی ہنسی بہت خوبصورت ہے پیا، مگر آپ جانے کیوں ہنسنے میں اتنی کنجوسی سے کام لیتی ہیں؟'' بلا ارادہ ہی میکس کے منہ سے نکلا تھا پیا نے کندھے اچکائے۔

''کتنے دن لگیں گے میکس میرے پورٹریٹ بنانے میں؟'' جب وہ میکس کے ہمراہ سٹوڈیو میں آئی تو ایک نظر اس سحر انگیز ماحول کو دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

''پانچ سے چھ دن تو لگ ہی جائیں گے روزانہ دو سے تین گھنٹے درکار ہوں گے؟'' پھر وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا تھا۔

''اکچو ئیلی میں آپ کے دو تین پورٹریٹ بناؤں گا اور پھر ان میں جو سب سے بیسٹ ہوا اسے ایگزیبیشن میں رکھوں گا۔''

''اور ان سب کے لئے مجھے اسٹیچو بن کے بیٹھنا پڑے گا؟'' پیا نے باقی بات تو دھیان سے سنی ہی نہیں تھی اسے تو بس اپنے مطلب کی فکر تھی، میکس بے ساختہ ہنسا۔

''نہیں آپ کو بریک بھی ملے گی۔'' اس نے اس کی تسلی کرواتے اشارے سے ایزل کے سامنے آ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا، میکس نے ایزل سیٹ کر کے ایزل اسٹینڈ کے سامنے بڑے اسٹول پر بیٹھ جانے کو کہا تھا، پیا خاموشی سے اس کے کہے مطابق آ کر بیٹھ گئی میکس نے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر جیسے لیونارڈو کو چیلنج کیا لیونارڈو داونسی کا پانچ صدی قبل بنایا جانے والا ریکارڈ اب بس ٹوٹنے ہی والا تھا۔

''پلیز میری طرف دیکھیں پیا!'' میکس نے کوٹ اتار کر کوٹ اسٹینڈ پر لٹکا دیا اور شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کر دیں بڑے پروفیشنل انداز میں بڑی مہارت کے ساتھ وہ ایزل پر اسٹروک لگا رہا تھا، بیس منٹ کے قلیل وقت میں وہ اس کا شخصی خاکہ تیار کر چکا تھا اور تبھی اس نے پیا کو پہلا بریک دیا تھا۔

''ہائے اللہ یہ میں ہوں کیا؟'' پیا نے بریک ملتے ہی کالی سیاہی سے بنے اپنے خدوخال کے حاشیے دیکھے تو منہ بنائے بغیر رہ نہ سکی۔

''ابھی مکمل تو ہو جانے دیں پیا! آپ خود پر رشک کریں گی۔'' میکس نے اس کی سحر طراز آنکھوں میں جھانکتے بڑے وثوق سے کہا تھا۔

☆☆☆

پاکستان فون کرنے پر اسے اماں کی زبانی واثق کے رشتہ طے ہو جانے کی خبر ملی تھی، تائی اماں پچھلے کچھ عرصے سے پورے زور و شور سے لڑکی کی تلاش میں سرگرداں تھی، کچھ ماہ بعد بالآخر وہ اس مہم جوئی میں کامیاب ٹھہری تھیں، لڑکی بہت اچھی اور سلجھی ہوئی تھی تائی اماں کو وہ بے حد پسند آئی تھی وہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے در پے تھیں مگر واثق ہی پلو پکڑانے کو تیار نہ تھا، پیا نے واثق بھائی کو کال کر کے مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ ان کی اس آنا کانی کی وجہ بھی دریافت کرنا چاہی تھی۔

''کیوں میرے پاکستان آنے کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں واثق بھائی۔'' اس نے فون ریسیو ہوتے ہی شکوہ کیا تھا، واثق کو حیرت ہوئی۔

''کیا مطلب، میں نے کیا کیا؟'' وہ اس وقت آفس میں تھا اپنے سامنے کسی کیس کی رکھی فائل بند کرتے اس نے بڑے خوشگوار موڈ میں پوچھا تھا۔

''شادی کے لئے ہاں کیوں نہیں کر دیتے، اسی بہانے میں بھی پاکستان آ جاؤں گی۔''

''اوہ۔'' واثق ساری بات سن کر ہنسا۔

''اچھا تو گویا اماں نے تمہیں بھی مخبری کر دی؟''

''جی اور انہوں نے مجھے یہ چارج دیا ہے کہ میں آپ کے تمام مسئلے مسائل اور مجبوریوں کو رد کرتے ہوئے جلد سے جلد آپ کی شادی کر لینے کا حکم دے دوں، اب آپ بتائیں کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے بھی انہیں کے موڈ میں کہتے بڑا شاہانہ انداز اپنایا تھا۔

''یار! میں بہت مصروف بندہ ہوں، شادی کے لئے میرے پاس وقت ہی نہیں ہے اور میں اس ملک کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں، جو کہ اس طرح ممکن نہیں رہے گا میرے لئے؟''

''ہائیں۔'' پیا کا منہ کھل گیا حیرت سے۔

''تو کیا کرائم برانچ کے سارے آفیسرز کنوارے ہیں کیا آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں۔''

''میں نے ایسا کب کہا؟'' وہ چڑ گیا۔

''تو آپ جو کہہ رہے ہو کہ جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ شادی کر لی تو کر نہیں پاؤں گا؟'' واثق نے دانت کچکچائے پیا دل کھول کر ہنسی۔

''لڑکی بہت اچھی اور خوبصورت ہے ہر لحاظ سے واثق بھائی اور سب سے بڑھ کے تائی اماں کو پسند، آپ کو ہاں کر دینی چاہیے؟'' پیا نے ناصحانہ انداز اپنایا۔

''اگر اسے میں پسند نہ آیا تو؟'' واثق نے شرارت سے کہا پیا تو جذباتی ہی ہو گی۔

''ایسے ہی، اتنے ہینڈسم ذہین اور قابل ہیں آپ، آپ کو بھلا کون ناپسند کرے گا۔''

''تم نے تو کر دیا تھا؟'' نجانے کیسے واثق جیسا خود پر کنٹرول رکھنے والے بندے کے منہ سے یہ بات پھسل گئی تھی واثق کہہ کر بے حد پچھتایا مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''میں نے نہیں بلکہ میری اماں نے کر دیا تھا، اگر آپ ملک سے باہر شفٹ ہوتے تو ان کی پہلی ترجیح آپ ہی ہوتے۔'' پیا نے بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا تبھی ہلکے پھلکے انداز میں اسے جواب دیا تھا۔

''چلو پھر تو کچھ سوچتے ہیں۔'' اس نے بالوں میں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنگھی کی۔

''ورنہ مجھے تو لگتا ہے کہ جب ساتھ رہ کر بڑی ہوئی کزن نے ہی ریجیکٹ کر دیا تو باقی شہر کی لڑکیاں تو گھاس ڈالنا تو دور ایک نظر دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گی۔'' واثق نے نیم رضامندی سے کہتے پیا کو ہنسنے پر مجبور کیا تھا۔

''آپ تائی اماں کا فیصلہ مان کر بہت خوش رہیں گے واثق بھائی، میں نے بھی تو اپنی مرضی و خواہش کے بغیر فرحاب سے شادی کی حامی بھر کے امریکہ آ کے بسنے کا فیصلہ کیا تھا اور آج دیکھیں میں کتنی خوش ہوں بلکہ میکس کروک نے تو میرے چہرے کو ایشیا کا خوبصورت ترین چہرہ ہونے کا ٹائٹل بھی دیا ہے اور وہ دنیا کے سامنے بھی مونا لیزا جیسی خوبصورت پینٹنگ کے جواب

ہیں، میرے پورٹریٹ کو لانچ کرکے ان کا ریکارڈ بریک کرنے کا تہیہ کر چکا ہے۔" پیا نے اچانک یاد آجانے پر بڑے جوش سے بتانا شروع کیا۔

"کس کا ریکارڈ اور یہ میکس کروک کون ہے؟ کیا وہ پینٹنگ آرٹسٹ جو نیویارک کا سب سے کم عمر مگر مشہور ترین پینٹنگ آرٹسٹ ہے وہی، تم اس کی بات کر رہی ہوناں؟" واثق کو اچنبھا ہوا تبھی اس نے فوراً پوچھا۔

"ہاں وہی میکس، آپ بھی اسے جانتے ہیں کیا؟ ہمارا پارٹنر ہے وہ بزنس میں اور اب تو فیملی فرینڈ بھی، وہی میرا پورٹریٹ بنا رہا ہے تاکہ لیانارڈو داونسی کا ریکارڈ بریک ہو سکے۔"

"کیا بات ہے پی! تمہارے تو ٹھاٹ ہیں یار، اتنا بڑا آرٹسٹ تمہارا پورٹریٹ بنا کر تمہاری خوبصورتی کو دنیا کے سامنے لانا چاہ رہا ہے، ڈیٹس گریٹ یار، فرحاب بھائی تو خاصے لبرل ہیں اور جو تمہاری اماں جانی کو پتہ چل جائے تو؟" اس نے جان بوجھ کے پیا کو چھیڑا تو وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے توبہ تلا کرنے لگی تھی۔

"توبہ کریں واثق بھائی! وہ تو مجھے وہ صلواتیں سنائی گئی کہ الامان الحفیظ۔" دونوں ہی بےساختہ ہنس دیئے تھے اور دور کہیں کاتب تقدیر بھی مسکرا رہا تھا، ان کی ہنسی میں اس کی تقدیر کی مسکراہٹ کا رنگ بڑا واضح اور انوکھا تھا مگر دونوں بےخبر رہے تھے۔

☆☆☆

شام اپنے سرمائی پنکھ ہولے ہولے نیویارک شہر کی اونچی بلڈنگز پر پھیلا رہی تھی، موسم سرد اور بارونق تھا، ہلکی ہلکی برف روئی کے گالوں کی طرح سے آسمان سے گر رہی تھی، پیا اس موسم کی دیوانی تھی، برفباری کے موسم میں سردی ویسے بھی کم پڑتی ہے اگر ہوا نہ چلے تو، آج ہوائیں چل رہی تھی پیا نے مرون رنگ کی میکسی کے ساتھ ڈل گولڈن لانگ کوٹ پہن رکھا تھا، بالوں کی لمبی چوٹی بنا کر چہرے کے اطراف میں دو چار لٹیں طواف کرنے کو کھلی چھوڑ دیں تھیں، وہ جس وقت میکس کروک کے گھر پہنچی برف باری نے ہلکا ہلکا فوم سڑکوں اور درختوں پر جما دیا تھا۔

"مسٹر میکس ایک میٹنگ میں بزی ہیں آپ کے لئے میسج ہے کہ آپ ان کا انتظار کریں وہ بس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں؟" اس کے اندر داخل ہونے پر اس کی میڈ کرسٹین نے مودبانہ انداز میں بتاتے اس سے چائے پانی کا پوچھا تھا۔

"آپ کو ٹی وی آن کر کے دوں میم!" اس نے پیا کو بور ہونے کے خیال سے اسے آفر کی۔

"نہیں رہنے دو؟" پیا نے مسکرا کر اسے ٹالا تھا۔

"میں آپ کے لئے کافی لاتی ہوں؟" وہ جانے کو پلٹی مگر پیا نے روک دیا۔

"نہیں پلیز رہنے دو، میکس آئیں گے تو ساتھ ہی پی لیں گے؟" اس نے اس سیاہ فام قدرے بھاری وجود والی کرسٹین کو روکا جو بلیک اسکرٹ اور وائٹ شرٹ میں بالوں کا جوڑا بنائے کھڑی تھی میکس کروک کے گھریلو ملازمین کا یونیفارم تھا۔

"اوکے میم! اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو پلیز مجھے یہ بیل بجا کر بلا لیجئے گا۔" اس نے تھوڑا سا خود کو خم دیتے پیا سے کہہ کر جانے کی اجازت مانگی پیا کو اچانک ہی ایک خیال آیا۔

"اچھا سنو۔" وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"یس میم!"

"تم مجھے پورا گھر دکھا سکتی ہو؟" پیا نے جھجکتے ہوئے پوچھا مبادا کہیں میکس کی طرف سے انہیں اجازت نہ ہو۔

"آف کورس میم!" کرسٹین کو شاید اس کے اس سوال سے بہت خوشی ہوئی تھی، پیا نے اپنا لانگ کوٹ اتار کر صوفے پر رکھا جسے کرسٹین نے فوراً ہی اٹھا کر کوٹ اسٹینڈ پر لٹکا دیا، پیا نے ایک نظر دیکھا تو خجالت سے مسکرا دی پورے گھر میں بےترتیبی کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

"تم یہاں کتنے عرصے سے کام کر رہی ہو کرسٹین؟" اس کے ساتھ پورا گھر دیکھتے اس نے یونہی کرسٹین سے سوال کیا تھا۔

"آٹھ سال ہو گئے میم!" کرسٹین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"مسٹر میکس کیا شروع سے ہی اکیلے رہتے ہیں یہاں، آئی مین ان کی فیملی کبھی نہیں آئی کیا یہاں؟"

"سوری میم! میں آپ کو ان کی فیملی کے بارے میں کچھ نہیں بتا پاؤں گی مجھے ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں کوئی بھی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے؟"

"اوہ۔" پیا کو انسلٹ محسوس ہوئی۔

"میکس کا گھر بہت پیارا اور آرٹسٹک ہے؟"

"ہمارے سر اس گھر کے لئے بہت پوزسیو ہیں میم! یہ گھر انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ خریدا تھا، سر آگئے میم۔" اس نے بات کرتے کرتے پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سنی تو بات ادھوری چھوڑ کر اسے بتانے لگی تاکہ وہ اس کے ساتھ واپس ڈرائنگ روم میں چلے، پیا بغیر کچھ کہے اس کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتے واپس مڑ گئی تھی۔

"سوری میں ذرا لیٹ ہو گیا؟" فریش ہونے کے بعد وہ سیدھا پیا کے پاس ڈرائنگ روم میں آیا تھا جو کسی میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

"اٹس اوکے، میں ذرا بھی بور نہیں ہوئی؟"

"ویل...... آپ ہوئی بھی ہوں تو اس کا اظہار نہیں کریں گی آپ بہت بامروت لڑکی ہو۔" میکس نے مسکراتے ہوئے اس کی خوبصورتی کو نگاہوں میں جذب کرتے کہا تو پیا بےاختیار ہنس دی۔

"میں اتنی بھی بامروت لڑکی نہیں ہوں مسٹر میکس! غصے اور خراب موڈ میں میں بہت بدلحاظ ہو جایا کرتی ہوں۔" پیا نے صاف گوئی سے بتایا تو میکس کو اس روز اس کے اردو میں اپنے متعلق کہی باتیں یاد آگئیں۔

"ہاں...... اس کا آئیڈیا بھی ہے مجھے؟" وہ تجربہ لفظ کہتے خود کو بمشکل روک پایا تھا۔

"میں سمجھی نہیں؟" پیا چونکی تھی وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"ابھی رہنے دیں پھر کبھی صحیح وقت پر بتاؤں گا؟" پیا کو صاف سمجھ میں آیا وہ اسے ٹال رہا تھا۔

"ایک تو آپ ہر کام کی بات پھر کسی اور وقت کے لئے اٹھا کر رکھ دیتے ہیں؟" پیا نے جل کر بےتکلفی سے کہا میکس بےاختیار ہنسا مگر بولا کچھ نہیں۔

"چاندی دکھاؤں آپ کو پیا؟" ڈرائنگ روم کی گلاس ونڈو پر پڑے دبیز پردے ریموٹ کے بٹن دبا کر اس نے سمیٹتے ہوئے پیا سے کہا تھا، پردے سمٹتے ہی جیسے جنت کا دروازہ کھلتے اس نے دیکھا تھا گلاس ونڈو کے پار ڈھیر سارے پھول کھلے ہوئے تھے جن پر گرتی برف واقعی میں چاندی جیسی لگ رہی تھی، پیا نے اس قدر بھرپور اور خوبصورت منظر شاید کیا یقیناً پہلے کبھی نہیں دیکھا

تھا۔

پیا نے مبہوت ہوتے بے اختیار کہا اس کی آنکھیں اس قدر خوبصورت منظر دیکھ کر خیرہ ہو رہی تھیں، برف باری کو اتنی خوبصورت تشبیہ یقیناً میکس جیسا آرٹسٹک ذہن والا بندہ ہی دے سکتا تھا۔

''میں نے کبھی اسے سنو فال نہیں کہا ہمیشہ چاندی ہی کہا ہے، کیونکہ مجھے اس سے زیادہ بہتر اور خوبصورت نام اس کے لیے اور کوئی کبھی لگا ہی نہیں؟'' وہ پیا کے چہرے پر بکھرے اشتیاق کو دیکھتے بہت خوشی سے بتا رہا تھا اور اسے جانے کیوں لگتا تھا کہ پیا اس کی ہر بات کو ویسے ہی سمجھ سکتی ہے جیسے وہ محسوس کرتا اور سمجھتا ہے۔

''یہ خدا کی طرف سے ہمارے لیے بہت قیمتی نعمت اور سرمایہ ہے میکس! یہ واقعی میں دیکھنے میں بالکل چاندی جیسی ہی لگتی ہے اور اس سے زیادہ خوبصورت تشبیہ سنو فال کے لیے یقیناً اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔'' پیا نے آرکیڈز پر جمی، چاندی کو محبت سے دیکھتے میکس کی بات کی تائید کی تھی۔

''اور آپ کا گھر بھی بہت پیارا ہے میکس! ہر مرتبہ یہاں آنے اور اسے دیکھنے پر مجھے اس میں ایک نیا پن نظر آتا ہے، ہر چیز جیسے اپنی جگہ پر پرفیکٹ ہے، لیکن......'' وہ ایک دم جیسے کچھ کہتے کہتے رکی تھی۔

''میکس کیا؟''

''آپ رک کیوں گئیں پیا؟'' میکس کو الجھن ہوئی پیا کی خاموشی سے۔

''سوری میکس! پتہ نہیں مجھے یہ بات کرنی چاہیے یا نہیں مگر...... مجھے ایک کمی محسوس ہوئی آج۔'' میکس اسے جھجکتے دیکھ کر مسکرایا۔

''آپ کھل کر کہیں پیا، میں آپ کی کسی بھی بات کا برا نہیں مناؤں گا۔''

''آپ کی فیملی، میرا مطلب ہے آپ کی فیملی کے کسی فرد کا اس گھر میں فوٹو تک نہیں ہے، کیا وہ کبھی یہاں نہیں آئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے؟''

''آپ نے صحیح جج کیا پیا! میرا اپنی فیملی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔'' میکس اسے دیکھ کر نرمی سے مسکرایا جس کے چہرے پر تحیر بکھر گیا تھا۔

''اور نہ ہی میری فیملی کبھی یہاں آئی ہے۔'' اس نے مزید بتایا۔

''بروکن فیملی۔'' پیا کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید وہ کسی بروکن فیملی کا فرد ہے مگر میکس نے جیسے اس کی سوچ کو پڑھ لیا تھا۔

''ڈیڈ مجھے نیورو سرجن بنانا چاہتے تھے مگر میں نے فائن آرٹس کو چوز کیا، میرے اور ڈیڈ کے درمیان اختلافات کی شروعات اسی روز ہو گئی تھی جس روز میں نے فائن آرٹس جوائن کیا تھا اٹھارہ سال کی عمر میں، میں نے گھر چھوڑ دیا تھا اور اس سے پہلے میں نے ایک کام کیا تھا؟'' میکس کو خود بھی معلوم نہیں تھا وہ اپنے ماضی کے پنے یوں پرت در پرت پیا کے سامنے کیوں پلٹ رہا ہے۔

''کیسا کام؟'' پیا نے سرسرائی آواز میں پوچھا تھا، میکس دھیرے سے ہنسا گویا خود پر ہنس رہا ہو۔

''میری سے زبردستی منگنی کرنے کا کام، میری کے فادر بدھسٹ تھے اور ڈیڈ کو میری سے سخت چڑ بھی شاید اسی وجہ سے تھی، دوسرے میری عمر بھی بہت کم تھی پہلے فائن آرٹس لینے کا فیصلہ اور پھر میری سے شادی کا ارادہ، ڈیڈ اور میرے درمیان اختلافات کی ایک خلیج حائل کر گیا تھا، میں نے خودکشی کی کوشش کی تو ڈیڈ کو ناچار میری بات ماننا پڑی اور یوں چھوٹے سے فنکشن میں میری اور میری کی منگنی ہو گئی اور اس کے بعد میں نے گھر چھوڑ دیا کیونکہ ڈیڈ نے میری سے منگنی کی پاداش میں کفالت سے انکار کر دیا تھا، یوں میں مام کی خفیہ مدد سے امریکہ آن بسا اور آج اپنی کڑی محنت کے بعد اس مقام پر ہوں۔''

''تو آپ نے پھر ابھی تک میری سے شادی کیوں نہیں کی؟''

''میری...... میری زندگی کی سنگین غلطی تھی پیا، اس بات کا اندازہ مجھے جلد ہی ہو گیا تھا، مجھے تو وقت گزرنے کے بعد پتہ چلا کہ میں تو میری سے محبت کرتا ہی نہیں تھا۔''

''تو پھر آپ اپنے گھر واپس کیوں نہیں گئے؟'' پیا متذبذب تھی۔

اگر وہ میری کے ساتھ میں انٹرسٹڈ نہیں تھا تو اس کا اندازہ تو اب تک اس کے والدین کو بھی ابھی تک ہو چکا ہوگا پھر وہ ان لوگوں سے رابطے میں کیوں نہیں تھا؟

''ابھی ڈیڈ نے واپس بلایا ہی نہیں؟'' پیا کو اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں محسوس ہوئیں۔

''اور آپ کی مام؟''

''ان سے کبھی کبھار بات ہو جاتی ہے۔'' میکس نے مدہم لہجے میں شاید اپنے اندر کے کرب کو دبانا چاہا تھا۔

''آپ انہیں مس نہیں کرتے کیا؟'' پیا نے اس کے کرب کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''بہت باتیں ہو گئی پیا، چلیں کام شروع کرتے ہیں۔'' اس نے گلاس ونڈو کے سامنے ٹہلتے ہوئے ڈبنگ لہجے میں اسے ٹوکا مگر پیا اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی۔

''بات کو مت بدلیں میکس، اس گھر کو ایک عورت کی ضرورت ہے اور...... اور آپ کو بھی۔''

ابھی ابھی جو کرب اور اذیت اس نے میکس کروک کی آنکھوں میں دیکھی تھی ابھی جو خول چٹخا تھا وہ بھلے بعد میں کبھی نہ چٹخے مگر پیا کو میکس کروک کی ذات کے خفیہ اور درد بھرے پہلو سے آگہی بخش گیا تھا، پیا کے دل میں پہلی بار میکس کروک کے لیے کوئی جذبہ بیدار ہوا تھا شاید۔

''احساس کا جذبہ۔''

☆☆☆

میکس کروک نے آج پیا کے ساتھ باہر پورٹریٹ بنانے کا فیصلہ کیا تھا، آؤٹ ڈور جا کے پینٹنگ پر پیا بمشکل راضی ہوئی تھی، مگر میکس نے اس قدر لجاجت سے کہا کہ وہ انکار نہیں کر پائی تھی، میکس نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کی کم سے کم تین پورٹریٹس بنائے گا اور جو سب سے بہترین ہو گی اسے وہ اپنی ایگزیبیشن میں رکھے گا، پیا کو مانتے ہی بنی تھی سو وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی پیا کو اس جگہ کا نام تو معلوم نہیں تھا مگر وہ پیا کو پہلی نظر دیکھنے پر ہی جنت کا حصہ معلوم ہوئی تھی، تاحد نگاہ پھیلی ہوئی برف کے درمیان سرسبز سا جنگل پیا مبہوت سی ہو کے چند لمحے اسے کھوئے کھوئے سے انداز میں دیکھتی رہی۔

''واؤ کتنی خوبصورت جگہ ہے؟'' پیا نے چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد میکس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا، وہ دو قدم میکس سے آگے بڑھ آئی۔

''یہ میری بھی فیورٹ جگہ ہے جب بھی اداس ہوتا ہوں تو یہیں چلا آتا ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے جب کبھی آپ کو ڈھونڈنا ہو تو یہیں ڈھونڈا جائے۔'' وہ بھی دو قدم بڑھ کر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا پیا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

''ہاں...... اگر اس ملک میں ہوا تو؟''

میکس کا انداز اور جواب دونوں برجستہ تھے پیا کھلکھلا کر ہنس دی تھی اس کی ہنسی کی بازگشت چاندی میں بکھرے زیتون کے پتوں نے دور دور تک سنی تھی۔

''اب کام شروع کیا جائے کیا خیال ہے؟'' میکس کا پرسنل سیکرٹری اسٹیو ان دونوں کے ساتھ آیا تھا اس نے ایزل اسٹینڈ سیٹ کر کے لگانے کے بعد آ کے میکس کروک کو اطلاع کی تو اس نے پیا سے کہا تھا۔

''شیور۔'' وہ خوشدلی سے آگے بڑھی تو میکس اسے پوز سمجھانے لگا تھا، تقریباً دو گھنٹے ایک ہی پوز میں بیٹھے رہنے سے اس کی کمر شل ہو چکی تھی وہ اتنی ٹھنڈ میں بغیر سویٹر کے خود کو اکڑا ہوا محسوس کر رہی تھی، اس نے آج ہی لیمن ییلو رنگ کی فراک پہن رکھی تھی جو وہ پہلی بار میکس کروک کی ایگزیبیشن میں پہن کر گئی تھی ہاں آج ہونٹوں پر شاک پنک لپ اسٹک لگی تھی جو موسم اور ماحول کی مناسبت سے اس کے چہرے پر خوب جچ رہی تھی اور اس کی آج ساری تیاری میکس کروک کی ہدایات کے مطابق تھی۔

''میرا خیال ہے اب کچھ دیر بریک لی جائے؟'' میکس نے اس کے چہرے پر تھکاوٹ و تکلیف کے آثار دیکھے تو فوراً کام روک کے اس سے کہا تھا پیا نے تشکر سے اسے دیکھا، میکس نے اسٹیو کو اشارہ کیا تو وہ فوراً ہی گرما گرم کافی بنا لایا تھا گرم گرم کافی نے اس ٹھنڈ میں پیا کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔

''بھوک تو نہیں لگ رہی پیا!'' کافی کا آخری بڑا سا گھونٹ بھرتے میکس نے اس سے پوچھا تھا۔

''تھوڑی تھوڑی لگ رہی ہے؟'' پیا نے جھجکتے ہوئے آہستگی سے بتایا۔

''اوہ گاڈ، تو کہا کیوں نہیں؟'' میکس نے اسے ایک نظر دیکھا اسٹیو نے اسے بلیک جیکٹ لا کر دے دی تھی، اس نے بھی فوراً پہن لی۔

''اسٹیو کچھ کھانے کو ہے؟'' وہ آنے سے پہلے سب کچھ گھر سے تیار کروا کے لائے تھے۔

''لیس سر! پاستا اور ڈوی نوز کا پیزا آرڈر کیا ہے آپ کے لنچ کے لئے؟''

''گڈ۔'' میکس نے اسٹیو کی زبانی سن کے کہا تھا۔

''ناٹ گڈ، میں پیزا اور پاستا نہیں کھاتی یہاں کا؟'' پیا نے تڑپ کر کہا تھا، میکس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''کیوں؟'' میکس حیران تھا۔

''مجھے اس میں شامل اجزاء پر شبہ ہے خصوصاً جو میٹ شامل ہوتا ہے اور ساسز بھی؟'' پیا نے روٹھے پن سے کہا تھا تو میکس مسکرا دیا اسٹیو بھی مسکرایا۔

''ڈونٹ وری پیا، اسٹیو نے آپ کے لئے چیز پیزا آرڈر کیا ہے اور ان کی پیزا ساس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حلال نہ ہو؟'' میکس نے اسے تسلی دی۔

''آپ کو کیسے پتہ؟''

''کیونکہ یہ میرا فیورٹ ہے اور ڈوی نوز پیزا کی شروعات مشی گن میں جیمز اور اس کے بھائی نے ایک چھوٹے سے کمرے سے کی تھی اور اس کا پیزا سب سے منفرد اور مشہور تھا آہستہ آہستہ یہ اتنا فیمس ہو گیا کہ پورے امریکہ میں آج اس کی ہزاروں شاپس ہیں اور ان کے پیزاز کی آج تک کوئی نقل نہیں کر پایا اور اب چیز پیزا کی یہ نئی ریسپی دریافت کرنے میں انہیں یعنی ڈوی نوز کے شیف کو دو سال لگے ہیں اور آج دنیا کے سب سے مشہور ڈومنی نوز کی 65 ملکوں میں

برانچز ہیں اور ان کی تعداد نو ہزار ہے، ڈوی نوز پیزا والے اپنے کسٹمر کی پسند کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں اور میں ڈوی نوز کے چیز پیزا کا ڈائی ہارٹ فین ہوں ہفتے میں تین بار آرڈر کرتا ہوں، سو مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ اس میں کیا ہے؟'' پیا اس کی اتنی لمبی وضاحت کو سن کر ہنس دی۔

''آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟'' وہ شاکی ہوا۔

''آپ کا بچکانہ انداز دیکھ کر، آپ اگر نہ بھی بتاتے کہ آپ ڈوی نوز پیزا کے ڈائی ہارٹ فین ہیں مجھے پھر بھی یہ پتہ چل گیا تھا آپ اس قدر جوش و خروش سے اس کی ہسٹری بتا رہے تھے جیسے اسے آپ نے خود ہی ایجاد کیا ہو۔'' وہ بے ساختہ پھر کھلکھلائی تو شارپ پنک ہونٹوں میں چھپ دکھاتے سفید آبدار موتیوں کو میکس نے ستائشی انداز میں دیکھا اور پھر خود بھی ہنسا۔

''آئم سوری، میں کچھ ایموشنل ہو گیا۔''

''لیکن مجھے آپ کا ایموشنل ہونا اچھا لگا میکس! اماں کہتی ہیں ہر انسان میں ایک بچہ چھپا ہوتا ہے اور اسی بچے کے ذہن میں بچپن اور بچپن کی یادیں اپنے اندر کے بچے کو کبھی نہیں مارنا چاہیے، ورنہ اچھا بھلا انسان زندگی جیسی نعمت سے بے زار ہو جاتا ہے؟'' بات کے آخر میں وہ ہولے سے مسکرائی میکس کروک کو پورا ماحول مسکراتا ہوا لگا۔

''آپ صرف خوبصورت ہی نہیں، ذہین بھی ہیں آج آپ نے ثابت کر دکھایا۔'' میکس حد درجہ متاثر نظر آ رہا تھا۔

''نہ تو میں حسین ہوں نہ ہی ذہین، یہ بس آپ کی نظر کرم ہے جو مجھ جیسی عام لڑکی کو خاص بنا کر دنیا کے سامنے لانا چاہ رہے ہیں۔''

''خیر اب آپ کسر نفسی سے کام لے رہی ہیں محترمہ، ورنہ بندہ ناچیز واقعی میں اس قابل ہرگز نہیں کہ خدا کی تخلیق کو چیلنج کر سکے ہاں ایک مصور کی بات الگ ہے؟ لینارڈو داونسی کا نام آپ نے سن رکھا ہو گا پیا۔'' اچانک وہ اس کی گہری بھنورا آنکھوں میں نگاہ جماتے پوچھ رہا تھا پیا نے اثبات میں سر ہلایا تبھی آسمان سے یکا یک چاندی گرنے لگی تھی، پیا نے بے اختیار ہتھیلی پھیلا دی برف کے چھوٹے چھوٹے سفید ذرے اس کی ہتھیلی پر جمع ہونے لگے تھے۔

''آرٹ کی دنیا میں جتنی شہرت اس بندے کو نصیب ہوئی شاید ہی کوئی اور اتنی شہرت و عزت حاصل کر پایا ہو، نہ ہی آج تک کسی نے اس کی بنائی پینٹنگ مونا لیزا کے جواب میں اس کا ریکارڈ توڑ کر ویسی ہی یا اس جیسی اچھی پینٹنگ بنائی ہے لیکن پانچ صدی گزر جانے کے بعد صرف میں ایسی کوشش کر رہا ہوں میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ کبھی کسی اور نے ایسی خواہش نہیں کی ہو گی مگر کسی نے کوشش بھی نہیں کی اور پانچ صدی بعد ریکارڈ توڑنے کے لئے میں نے جس چہرے کو منتخب کیا ہے وہ یقیناً کوئی عام چہرہ نہیں ہو سکتا، اس بات کا یقین آپ کے علاوہ شاید دنیا کے ہر بندے کو ہو گا۔'' وہ ایک دم سے جذباتی ہوا تو پیا کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''سوری میکس! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا مگر سوری ٹو سے لیکن مجھے یقین بھی نہیں آتا مجھے حیرت ہوتی آپ کے دعویٰ کے بعد خود کو دیکھ کر، میں بالکل عام سی لڑکی ہوں دنیا میں اس سے زیادہ حسین چہرے موجود ہیں ایسے میں میرے چہرے کو دیکھ کر اتنا بڑا دعویٰ کرنا اور مجھے ایسا بھی لگتا ہے کہ اگر میں آپ کا کیا دعویٰ کسی اور کے سامنے دہراؤں تو شاید کوئی یقین بھی نہ

کرے۔'' پیا نے بہت نرمی سے کہتے اسے سمجھایا تھا میکس لب بھینچے خاموش بیٹھا رہا۔

''صرف ایک ماہ دس دن بعد، پوری دنیا اس بات کا اعتراف کرے گی پیا، صرف ایک ماہ دس دن، تھوڑا سا انتظار اور میری کامیابی کی دعا اس کے سوا مجھے آپ سے اور کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ بہت آس سے امید کے دیئے آنکھوں میں جلائے اس سے کہہ رہا تھا مگر وہ غلط تھا۔

☆☆☆

آج بہت دنوں کے بعد فرحاب اور پیا کو اکٹھے ناشتہ کرنے کا موقع ملا تھا سو دونوں ہی آج فراغت سے ایک دوسرے کے لئے وقت نکال کر بیٹھے تھے فرحاب پچھلے ایک ماہ سے دوسرے اسٹور کی تیاریوں میں بے حد مصروف تھا اور پیا اسٹور سنبھال رہی تھی، آج اس نے آلو کے پراٹھے بنائے تھے ساتھ پودینے کی چٹنی اور میٹھا دہی، فرحاب کو آلو کے پراٹھے بے حد پسند تھے اور پیا کو ہر وہ چیز اچھی لگتی تھی کھانی بھی اور پکانا بھی جو فرحاب کو مرغوب تھی سو آج ناشتے پر خلاف معمول بہت اہتمام تھا۔

''ارے واہ...... آلو کے پراٹھے یو آر نو سویٹ پی!'' پہلا نوالہ منہ میں رکھتے ہی فرحاب نے نوالے کا سواد منہ میں گھلتے ہی سر دھنتے ہی محبت سے کہا تھا پیا کو اپنی محنت وصول ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

''اتنے دن ہوگئے آپ نے اطمینان سے بیٹھ کر ڈھنگ کا ناشتہ تو کیا نہیں ہے، اسی لئے میں نے سوچا کہ آج آپ کی پسند کا خیال رکھوں، آج آپ گھر پر ہیں ناں؟''

''ہاں...... ارادہ تو ہے دیکھو اب...... کہیں کوئی کام ہی نہ نکل آئے؟'' بات کے اختتام پر وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے کن اکھیوں سے پیا کو دیکھ کر ہنسا جو اسے بری طرح اور مسلسل گھور رہی تھی۔

''اب آج کہیں جا کے دکھائیں ذرا، دیکھیے گا میں کیا حشر کرتی ہوں آپ کا؟'' کپ میں چائے ڈالتے اس کا انداز نروٹھا پن لئے ہوئے تھا۔

''میں بھلا اپنی حسین بیوی کو کہیں چھوڑ کر جانے کا سوچ سکتا ہوں؟'' وہ پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوتے اور اس کی ناراضگی ختم کرنے کی غرض سے بولا تھا۔

''کیا فائدہ ایسی خوبصورتی کا جو اپنے شوہر کو تو روک نہ سکے؟'' وہ ابھی بھی ناراض تھی ٹھیک ناراض تھی اتنے عرصے سے فرحاب نے اسے وقت دیا تھا نہ ہی توجہ۔

''اس خوبصورتی کا اعتراف تو بڑے بڑے لوگ کرتے ہیں اور مجھے فخر ہوتا ہے جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ مسٹر فرحاب شفیق آپ نے ایسا گوہر نایاب ڈھونڈا کہاں سے، یہ فرشتہ صفت پریوں جیسا حسن رکھنے والی لڑکی اس دنیا کی باسی تو معلوم نہیں ہوتی۔'' فرحاب شفیق نے اس انداز سے کہا کہ پیا کی ہنسی بے ساختہ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی۔

''نہیں کریں اتنا زیادہ مکھن نہ لگائیں مجھے، دنیا بھری پڑی ہے خوبصورت اور حسین خواتین سے مگر ایک آپ اور ایک مسٹر میکس دونوں ہی نجانے مجھے کس دنیا کی مخلوق سمجھتے ہیں۔''

''اتنی تعریف اور کسی لڑکی کی ہوئی ہوتی تو وہ زمین پر نہ دکھائی دیتی اب تک آسمان تک پہنچ چکی ہوتی تم ہو کہ یقین کرنے میں بھی متامل، سچ میں بہت ناشکری لڑکی ہو۔'' فرحاب شفیق کے لہجے میں مصنوعی تاسف تھا۔

''میں ناشکری نہیں حقیقت پسند ہوں اور میں بالکل بھی نہیں چاہتی کہ غرور کی سیڑھی پر قدم رکھتے ہیں کسی بھی خلا میں قدم دھروں؟'' خالی برتن اس کے سامنے سے اٹھا کے سنک میں رکھتے اس نے نرمی سے کہا تھا۔

''اچھی بات ہے تمہارا یہی وزڈم مجھے تمہارا اسیر بنائے رکھتا ہے، مجھے کبھی سمجھ میں نہیں آیا کہ میں تمہاری عزت زیادہ کرتا ہوں یا تم سے محبت۔'' وہ اس کے ساتھ کھڑا برتن دھلوا رہا تھا پیا نے درد دیدہ نظریں اس کے چہرے پر جمائیں۔

''اور اعتبار...... فرحاب؟'' پیا کے لہجے میں نہیں مگر آنکھوں میں ضرور سوال تھا۔

''میں تم پر اعتبار بھی بہت کرتا ہوں پی، بلکہ میں اب ہر عورت پر اعتماد کرنے لگا ہوں، تمہارے ساتھ نے مجھے یہ یقین دیا ہے کہ ہر عورت بے اعتباری نہیں ہوتی ہر عورت ریا کار نہیں ہوتی نہ ہی ہر عورت بدکردار ہوتی ہے؟'' اس کے خوبصورت چہرے پر نگاہیں جمائے اس نے اس کی کان کے لوؤں کے پاس دھیرے دھیرے بہت آہستہ آہستہ خود کلامی کے سے انداز میں اس سے کہا تھا پیا نے اپنے وجود میں ایک سنسنی سی دوڑتی محسوس کی اس نے اپنے لمبے بال جوڑا بنا کر کیچر میں جکڑ رکھے تھے فرحاب شفیق نے ہاتھ بڑھا کر کیچر نکال دیا۔

گھرے گھنے بالوں کی آبشار آن واحد میں اس کے کندھوں سے گرتے کمر پر پڑے تھے۔

''ہر عورت افراح جیسی نہیں ہوتی فرحاب!'' دل کڑا کر کے آج اس نے فرحاب شفیق سے بول دیا تھا وہ چونکا پیا کو کیسے پتا تھا یہ سب، پھر مسکرا دیا اچھا ہی ہوا وہ جانتی تھی ویسے بھی پیا کوئی دقیانوسی یا قدامت پسند لڑکی نہیں تھی۔

''ہاں...... میں جانتا ہوں کہ ہر لڑکی افراح جیسی نہیں ہوتی، واقعی نہیں ہوتی میں ہی غلط تھا جو ہر عورت کو شک کے ترازو میں تولتا رہا۔'' پیا نے دیکھا اس نے اعتراف کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔

''اچھی بات ہے خود کو ایک موقع دینا ہی چاہیے؟'' پیا نے برتن ریک میں رکھتے ہوئے نل بند کیا۔

''لیکن میں نے خود کو آخری موقع دیا ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن سے باہر لاؤنج میں لے آیا، پیا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تو اس نے وضاحت کی۔

''آخری موقع اس لئے کہ میں خود پر بھی اعتبار کے قابل نہیں رہوں گا، مجھے یہ بات ہی شدید مضطرب کر دیتی ہے کہ ایک عورت کے ہاتھوں میں بے وقوف بن گیا۔'' اور اس لمحے پیا نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا اضطراب، شدت پسندی، دکھ اور جنون دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں کیا تھا ان آنکھوں میں کیا نہیں تھا۔

''اتنی شدت پسندی؟'' پیا نے اپنے لب صرف ہلتے محسوس کیے اپنے لبوں سے ادا ہوئے الفاظ کی ادائیگی نہیں سنی۔

''ہاں...... میں اتنا ہی شدت پسند ہوں؟''

وہ دھیرے سے ہنسا، کچھ دیر پہلے والی کیفیت سنجیدگی کا اب شائبہ تک نہیں تھا پیا اپنی بے ہنگم دھڑکنوں کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھی بیوی...... میرے کپڑے نکال دو پلیز۔'' وہ اب پھر اس کے سامنے کھڑا تھا، اسی پرانے موڈ میں شرارتیں کرتا۔

''کس لئے؟'' پیا اس کا ارادہ بھانپ کر چیخی۔

''پلیز...... جلدی آجاؤں گا مسٹر والٹن کے

ساتھ ایک اہم میٹنگ ہے میری، بہت مشکل سے وقت ملا ہے ان سے۔'' اس سے پہلے کہ پیا کوئی جواب دیتی باہر بیل ہوئی تو فرحاب ادھر چلا گیا، اس کی واپسی میکس کروک کے وکیل ہیلن ڈی کروز کے ساتھ ہوئی تھی، پیا کا دل دھڑکا ان کی آمد کتنے غلط موقع پر ہوئی تھی کم از کم وہ آنے سے پہلے کال کر کے بتا ہی دیتے۔

''کون کہتا ہے کہ یورپ میں لوگ کسی کے گھر بغیر بتائے نہیں جاتے۔'' پیا نے ان کے لئے کافی تیار کرتے کلس کر سوچا پھر فرحاب کو دیکھا جن کے چہرے پر ابھی تک نا سمجھی کے تاثرات رقم تھے الجھن نمایاں نظر آ رہی تھی، مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ ہیلن ڈی کروز کی آمد کے مقصد کو جان کر بے حد بگڑے گا۔

''سوری مسز فرحاب! لیکن میں مجبور ہوں میں نے بہت کوشش کی کہ آپ کو کورٹ میں نہ آنا پڑے مگر میں جج کو قائل نہیں کر پایا ان کا کہنا ہے کہ آپ کو ایک دفعہ تو ضرور ہی آنا چاہیے، آج آخری سماعت ہے آپ کے کیس کی۔'' بے حد مودبانہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے پیا کے پرتشویش چہرے کو دیکھا فرحاب نے بے حد ناگواری سے پہلو بدلا، وہ کیا کہہ رہا تھا وہ کس کیس کی بات کر رہا تھا اسے معلوم کیوں نہیں تھا، پیا نے اسے مطلع کیوں نہیں کیا تھا اگر ایسی کوئی بات تھی تو پیا نے اسے بے خبر کیوں رکھا تھا بے شمار سوال تھے اور اس کے پاس ایک کا بھی جواب نہیں تھا۔

''اٹس اوکے مسٹر ہیلن، آپ بتائیں کب جانا ہو گا مجھے آپ کے ساتھ؟'' ٹھنڈی سانس لے کر خود کو کمپوز کر کے اس نے بظاہر مسکرا کر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا مگر اندر سے وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی اسے فرحاب کو بتانا چاہیے تھا، اس سے بھول ہوئی تھی اور بہت بڑی ہوئی تھی فرحاب شفیق بھول کر بھول سمجھ کر معاف کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں۔'' فرحاب شفیق نے پیا کو کہتے سنا تھا ایک لخت اور اس کے ضبط کا پارا ختم ہوا تھا۔

''ایک منٹ۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر منع کرتے پیا کو دیکھا۔

''تم مجھے بتائے بغیر اس طرح ہیلن کے ساتھ کہیں نہیں جا سکتیں۔'' پیا اٹھ کر کمرے میں آ گئی پیچھے پیچھے فرحاب بھی آ گیا ہیلن ڈی کروز ان کا انتظار کرنے لگا۔

''پیا! یہ کیا ہے؟ مسٹر میکس کا لائر کیوں آیا ہے؟'' اپنے غصے کو دباتے اس نے بظاہر نرمی سے پوچھا تھا۔

''میں واپس آ کر آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں فرحاب، پلیز آپ خفا مت ہوں۔'' وہ وارڈ روب سے اپنے لئے کپڑے نکالتے ہوئے جلدی سے بول رہی تھی۔

''خفا۔'' فرحاب نے استہزائیہ کہا۔

''پی مجھے ٹینشن ہو رہی ہے آخر میری غیر موجودگی میں ایسا کیا ہوا ہے جو بات کورٹ تک جا پہنچی ہے؟'' وہ تڑخا پیا نے تھک کے وارڈ روب کا پٹ بند کیا اور اسے دیکھا۔

''ہمارے گھر چور آئے تھے؟'' پیا نے فرحاب کا چہرہ دیکھا جس کا رنگ پل کے پل میں اڑا تھا۔

''میں نہیں جانتی کہ وہ لوگ چوری کی نیت سے آئے تھے یا قتل کے ارادے سے مگر اس کڑے وقت میں میکس نے میری مدد کی تھی۔''

''کون لوگ؟'' فرحاب کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

''وہی حبشی جو اسٹور پر آئے تھے۔'' پیا نے ایک نظر اسے دیکھا اور کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھس گئی فرحاب وہیں کھڑا سوچتا رہ گیا کتنی عجیب بات تھی پیا پر دو مرتبہ حملہ ہوا اور دونوں ہی بار وہ اس کے پاس موجود نہیں تھا میکس اس کے کام آیا تھا میکس ہی اس کے پاس تھا۔

''تو تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی۔'' وہ کپڑے پہن کر باہر آ چکی تھی اب بالوں میں برش کر رہی تھی۔

''چھپائی نہیں تھی، بس گریز کیا تھا آپ کو بتانے سے؟''

''اچھا...... وجہ پوچھ سکتا ہوں اس گریز کی؟'' فرحاب کے لہجے میں بے یقینی کے ساتھ استہزائیہ تھا۔

''آپ ای جان کی ڈیتھ کی وجہ سے بے حد پریشان تھے پھر پریت اور میکس دونوں کا مشورہ تھا کہ آپ کو پاکستان میں مزید پریشان نہ کیا جائے۔''

''تو مجھے واپس آئے بھی دو ماہ ہونے کو ہیں تم نے پھر کیوں نہ بتایا؟'' وہ ابھی بھی شاکی تھا۔

''آتے ہی تو آپ دوسرے سٹور کی تیاری میں لگ گئے، میں کس وقت بتاتی دوسرا میکس کا کہنا تھا وہ خود ہی سب کچھ ہینڈل کرے گا میں بھی پھر بھول بھال گئی اب آج ہیلن ڈی کروز کی آمد کے ساتھ ہی مجھے بھی یہ بات یاد آئی ہے بس اتنی سی بات ہے۔'' پیا بے زار ہو گئی اتنی لمبی وضاحت دیتے دیتے۔

''مجھے حیرت ہو رہی ہے پی! کہ تم مجھ سے اتنی بڑی بڑی باتیں بھی چھپا سکتی ہو۔''

''میں نے آپ سے کچھ نہیں چھپایا فرحاب اور نہ ہی کوئی یہ بہت بڑی بات ہے۔'' پیا نے آخری ناقدانہ نگاہ خود پر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے ڈالی اور باہر نکل گئی فرحاب غصے میں بھرا اپنی جگہ کھڑا کلستا رہا پیا نے ایک بار بھی اسے اپنے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا۔

''کیوں؟'' وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر لاشعوری طور پر سوچے جا رہا تھا، حالانکہ وہ بھول گیا تھا کہ آج اسے مسٹر والٹن کے ساتھ ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کرنا ہے مگر پیا تو نہیں بھولی تھی آج کا دن دونوں کا ہی خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

فرحاب شفیق پیا سے زیادہ دیر تک خفا نہیں رہ سکا، شاید اس لئے کہ اگلے روز شام کو میکس کروک نے انہیں اپنے ہاں ڈنر پر انوائٹ کر لیا تھا، ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدر، ساتھ مل بیٹھ کر ملنے جلنے کا بہانہ اور پیا کی پورٹریٹ کی تکمیل کے بعد رونمائی اور پورٹریٹ کے کیپشن کے متعلق بھی بات چیت ہو جاتی، فرحاب میکس کروک کی کال کے بعد سیدھا پیا کی تلاش میں ٹیرس کی جانب آیا تھا جو اپنے پرانے انداز میں ٹیرس کی گرل کے ساتھ کہنیاں لگائے دور تلک نظر آتی برف کو دیکھ رہی تھی، آنکھوں میں اداسی کا سمندر موجزن تھا چہرے پر ناراضگی کا گہرا شائبہ۔

''پیا! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔'' گلاس ڈور کی دہلیز میں کھڑے ہوتے اس نے پیا کے چہرے پر دکھ و ناراضگی دیکھتے پوچھا تھا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' اس نے مڑے بغیر جواب دیا تھا فرحاب گہری سانس بھرتا اس کے قریب چلا آیا۔

''آئم سوری، میرا مقصد تم پر شک کرنا نہیں تھا بس ہرٹ ہوا تھا اور تم سے وہ سب کہہ گیا حالانکہ مجھے یقین ہے کہ تم نے صرف پریشانی کی وجہ سے ہی مجھ سے اس واقعہ کو چھپایا تھا۔'' اس کے کندھے کے گرد بازو حمائل کر کے اس نے

بڑی لگاوٹ سے کہا تھا پیا نے پھر بھی منہ نہیں موڑا سامنے نظر آتی نیویارک کی اونچی بلڈنگز پر نگاہ جمائے رکھی جن کے درمیان سے گزرتے پرندے صاف دکھائی دے رہے تھے حالانکہ فاصلہ خاصا زیادہ تھا۔

''پی! پلیز میری طرف دیکھو۔'' اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا تو حیرت زدہ رہ گیا اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''پلیز پیا! رو مت تمہارا رونا مجھے مزید ہرٹ کر رہا ہے۔'' فرحاب شفیق نے دلگیر لہجے میں کہا، پیا اس کے سینے میں سر چھپا کر اور شدت سے رونے لگی تھی۔

''فرحاب آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے میرے متعلق کہ میں کوئی ایسا کام بھی کروں گی جو آپ کو برا لگے گا۔'' اپنی سسکیاں دبائی وہ فرحاب شفیق کے بار بار چپ کرانے کے بعد بمشکل تمام بولی تھی۔

''میں جانتا ہوں پیا، مگر میں جذباتی ہو گیا تھا۔'' اس نے اپنی غلطی کا اعتراف دل اور دماغ سے کیا تھا۔

''میں خود نہیں جانتا مجھے آخر اتنی جلدی غصہ کیوں آ جاتا ہے، غصے میں، میں بالکل آؤٹ ہو جاتا ہوں جس پر مجھے بعد میں بہت پچھتاوا بھی ہوتا ہے اور یقین کرو تم سے سخت لہجے میں بات کرنے کے بعد میں بہت شرمندہ بھی ہوا۔''

''وعدہ کریں مجھ سے، آئندہ مجھ سے یوں اس طرح خفا نہیں ہوں گے۔'' پیا نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتے کہا۔

''بالکل بھی نہیں، میں کبھی بھی تم پر یوں غصہ نہیں کروں گا ہمیشہ تمہارا اعتبار کروں گا۔'' اور فرحاب شفیق کا پیا کے ساتھ کیا یہ عہد نیویارک شہر کی تمام اونچی بلڈنگز اور فضا نے سنا تھا اور کاتب تقدیر نے بھی۔

☆☆☆

''اللہ اللہ..... کیا یہ واقعی میں ''میں'' ہوں؟'' اپنے ہوش ربا پورٹریٹ کے سامنے کھڑے ہو کر اس پر ایک نظر ڈالتے ہی پیا نے بے حد جوش اور حیرت سے کہا تھا میکس کے ہمراہ فرحاب بھی مسکرایا۔

''اچھی بیوی! یہ میکس کروک کے ہاتھوں کا کمال ہے جو تم اتنی خوبصورت دکھ رہی ہو اس پینٹنگ میں، تمہیں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔'' فرحاب شفیق نے اس کے چہرے پر پھیلی مسرت اور اشتیاق کو دیکھتے اسے چھیڑنا اپنا فرض سمجھا، حسب توقع پیا کا منہ بن گیا۔

''یعنی میں خوبصورت نہیں ہوں یہ صرف میکس کا کمال ہے؟'' فرحاب نے کندھے اچکائے جبکہ میکس نے حیرت سے فرحاب کے اس انداز کو دیکھا۔

''میں نے یہ کب کہا، کہ تم خوبصورت نہیں ہو میں نے تو یہ کہا کہ تم اتنی حسین نہیں جتنی اس پورٹریٹ میں نظر آ رہی ہو۔''

میکس نے وہی پینٹنگ منتخب کی تھی جو انہوں نے آؤٹ ڈور پینٹ کی تھی ہاں اب سبز سبز جنگل میں گرتی برفباری کے باوجود بھی تازہ کھلے کھلے گلاب کے پھولوں کے کنج کا اضافہ ہو گیا تھا جن کے نزدیک پیا بیٹھی تھی اس کی لپ اسٹک کا شیڈ اب پھولوں کے رنگ سے مشابہ تھا وہ چہرے پر بھولپن سجائے کوئی آسمان سے اتری اپسرا دکھائی دے رہی تھی۔

''میکس! کیا یہ واقعی میں ٹھیک کہہ رہے ہیں؟'' پیا اپنی پوری تابانی کے ساتھ میکس کے دل کی دنیا زیر بار کرنے کو اس کی طرف ایک ادا

سے مڑی وہی نخرہ اور ناز و ادا جو اس کی ذات کا حصہ تھا اور ویسے موقعوں میں خوب ابھر کر سامنے آتا، میکس کا جی چاہا وہ لمحوں کی تاخیر کیے بنا اپنے دل کی بات اس کے گوش گزار کر کے اس سے اپنے لئے محبت کی بھیک مانگے وہ کاسہ دل پھیلائے حقیقت سے نظریں چرائے اسے اپنے ساتھ کسی اور ہی دنیا میں لے جا کر گم ہو جائے، جہاں وہ دن رات اس کی خوبصورتی کا قصیدہ پڑھے اور اس کی تعریف کرتے صرف اسے پینٹ کرے اور اپنی عمر تیاگ دے، مگر اس نے اپنی اس خواہش لاحاصل کو دل کے نہاں خانوں میں دفنایا اور زبردستی کی مسکراہٹ کو لبوں کا حصہ بناتے آواز اور لہجے کو پروفیشنل ٹچ دیا۔

''میرے خیال میں کیپشن ڈی سائیڈ کر لیا جائے۔'' فرحاب ایک نظر اس کے پورٹریٹ کو دیکھنے کے بعد بے اختیار بولا تھا۔

''آپ نے اس پورٹریٹ کے لئے کیپشن چوز کر لیا میکس؟''

''جی..... مگر آپ کی رائے بھی میرے لئے مقدم ہے اور آپ کی پسند ناپسند کو پوری اہمیت دی جائے گی۔'' میکس کروک کو تو نجانے کیسے یہ یقین تھا کہ پینٹنگ بھی ریکارڈ فیس ہو گی۔

''اس پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے اور ہمیشہ پیا کے چہرے کو دیکھتے مجھے تو ایک ہی خیال آیا ہے ایک ہی لفظ ذہن کے پردوں پر ٹکراتا ہے اور وہ لفظ ہے ''پاکیزہ۔''

پیا نے ممنون نظروں سے اپنے شریک سفر کو دیکھا اور بھرپور انداز میں مسکرائی۔

''اس سے زیادہ اچھا ایوارڈ اور تعریفی جملہ اور کوئی بھی نہیں ہو سکتا تھا شاید اس دنیا میں، میں اور کوئی نام شاید ہی اتنا سوٹ کرے۔'' میکس نے بھی پورے دل کی سچائی کے ساتھ فرحاب سے یہ اپنا خیال شیئر کیا۔

''پرفیکٹ..... اتنا خوبصورت کیپشن شاید ہی کبھی کسی مصور نے رکھا ہو گا۔''

''اور میں کہے دیتا ہوں آپ کا یہ پورٹریٹ صرف نام سے ہی مشہور ہو جائے گا۔'' فرحاب شفیق نے بے حد خوشی سے اس کا اظہار کیا تھا میکس کروک نے ڈھیروں اطمینان اپنے اندر اترتا محسوس کیا تھا۔

''تھینکس آ لاٹ مسز میکس! آپ نے واقعی میں مجھے بہت عزت دی ہے اللہ آپ کو آپ کے مقصد میں کامیاب کرے اور مونا لیزا کے بعد آپ کی بنائی پینٹنگ ہی دوسرے نمبر پر ورلڈ فیس ہو؟'' پیا کے خوبصورت چہرے سے مدہوشی کشید کرتے میکس کروک نے بڑی شدت سے اس دعا کے قبول ہو جانے کی دعا مانگی تھی۔

☆☆☆

پاکستان سے واثق بھائی کی کال آئی تھی فرحاب اس وقت گھر پہ ہی موجود تھے سو وہ ان کی موجودگی میں کھل کر بات نہیں کر پائی تھی اگرچہ فرحاب نے کبھی کھل کے اسے نہیں ٹوکا تھا مگر وہ اچھے سے جانتی تھی کہ فرحاب کو اس کا یوں واثق سے بے تکلف ہونا ذرا بھی پسند نہیں سو وہ محتاط تھی، ویسے بھی فرحاب شفیق کا شمار ان مردوں میں ہوتا تھا جن کے اپنے ہی اصول تھے اور زندگی کو دیکھنے کا اپنا الگ ایک زاویہ نگاہ، اس کی مرضی ہوتی تو دریا پار چھلانگ لگا کر لبرل ہونے کا ٹیگ ماتھے پر فخر سے سجا لیتا اگر موڈ نہ ہوتا تو ذرا سی بات پر بھڑ کتے دقیانوسیت کا لیبل سجانے میں لمحہ لگاتا، یہ ایک کھلا تضاد تھا اس کی دوہری شخصیت سے وابستہ اور پیا کو لاکھ اختلاف ہونے کے باوجود بھی وہ اسے کہہ پائی نہ ہی احساس دلا پائی، سو وہ دلگرفتہ اور خاموش تھی اور فرحاب شفیق

یہ سمجھا تھا کہ وہ حق بجانب ہے، پیا نے واثق بھائی کو سٹور پر آنے کے بعد فرصت سے کال ملائی تھی واثق بھائی رات سونے کی تیاری کر رہے تھے جبکہ پیا کام پر پہنچ چکی تھی۔

''بہت بہت مبارک ہو واثق بھائی!'' واثق کی منگنی پچھلے دنوں بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی سو اب وہ اس کی مبارکباد دینے کے لئے کال کر رہی تھی۔

''خیر مبارک بھئی، بڑی جلدی مبارکباد دے ڈالی، ہفتہ بھر تو ہو چلا میری منگنی کو؟'' انہوں نے بے حد شگفتگی سے ہلکا سا طنز کیا پیا کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''آپ کا شکوہ سر آنکھوں پر، مگر آپ ہمیشہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ میں ہمیشہ دیر کر دیتی ہوں بالکل، منیر نیازی کی طرح۔'' جواباً وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔

''یہ تم کن مصیبتوں میں پھنس گئی پی، تم تو ذمہ داریوں سے کترانے والی تھی۔'' واثق بھائی نے ایک مصنوعی ہوکا بھرا۔

''اب میں بڑی ہو گئی ہوں اب ذمہ داریوں کو قبول کرتی ہوں، ایک چیلنج کی طرح۔'' اس کے لہجے میں خودی کا تفاخر سمٹ آیا۔

''اچھا'' واثق بھائی کا اچھا خاصا طویل اور معنی خیز تھا پیا دل کھول کے ہنسی۔

''اچھا اب طنز و مذاق چھوڑیں، بھابھی کے بارے میں بتائیں کیسی ہے وہ؟''

''کیا مطلب کیسی ہے؟ بالکل ویسی ہے جیسی تم نے بتائی اور تمہارے بتانے پر ہی میں نے ہاں بھی کی۔'' واثق بھائی ابھی بھی غیر سنجیدہ ہی تھے۔

''تو میں نے کون سا اسے دیکھا تھا واثق بھائی، جیسا تائی اماں نے بتایا دیا، آپ کے گوش گزار کر دیا۔'' پیا نے ناسمجھی سے وضاحت دی۔

''ہائے میں لٹ گیا پیا اور وہ بھی صرف تمہاری وجہ سے۔'' واثق بھائی نے دہائی دی پیا کے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں نے کیا کیا ہے واثق بھائی۔'' پیا نے مرے مرے لہجے میں وضاحت چاہی۔

''میں نے تمہارے کہنے پر آکے بغیر لڑکی دیکھے ہاں کہی اور تم نے وہ لڑکی دیکھی بھی نہیں کہ بھینگی ہے کہ اندھی اور ابھی بھی پوچھتی ہو کہ میں نے کیا کیا ہے۔'' واثق بھائی کا لہجہ آپوں آپ تیز ہو گیا تو پیا کو بھی سنگینی کا احساس ہوا۔

''سوری واثق بھائی، مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ یوں اندھا اعتبار کریں گے مجھ پر، آپ کو کم از کم ایک دفعہ اس لڑکی کی فوٹو دیکھ لینی چاہیے تھی۔'' پیا کو ازحد افسوس کے ساتھ گہرے تاسف نے گھیر لیا۔

''میں نے اعتبار کر کے کیا غلط کیا تھا پیا، مجھے تو یہی اطمینان تھا کہ تم میری بہت اچھی دوست اور کزن ہو اور تم میرے ساتھ یقیناً کچھ بھی برا نہیں ہونے دو گی۔''

''یا خدا واثق بھائی...... میں نے......''

اچانک جیسے وہ کچھ کہتے کہتے رکی تھی ایک خیال برق کوندے کی مانند اس کے ذہن میں لپکا تھا۔

''آپ نے منگنی والے روز اسے نہیں دیکھا کیا؟'' پیا کے دماغ نے بالآخر کام کرنا شروع کر ہی دیا تھا۔

''نہیں میں اس کی منگنی میں شریک نہیں ہوا؟'' واثق بھائی نے ازراہ شرارت کہا بلکہ سچ ہی کہا تھا پیا کے بعد ان کے لئے دنیا کی سب لڑکیاں ایک جیسی تھیں انہیں ان سے کوئی سروکار تھا نہ ہی کسی بھی قسم کا واسطہ۔

''اُف۔'' پیا نے دانت کچکچائے۔

''منگنی کی تصاویر تو دیکھی ہوں گی؟''

''وہ بھی نہیں دیکھیں۔'' واثق بھائی کا جواب بانداز برجستہ تھا۔

''کمال ہے کیسے مرد ہیں آپ کہ جسے اپنی منگیتر کو دیکھنے کی چاہ ہے نہ اشتیاق۔'' وہ کلسی۔

''اشتیاق تھا ناں، مگر چاہ تم نے اپنی بیوقوفی ظاہر کر کے ختم کر دی۔'' دوسری طرف بھی ریڈی میڈ جواب حاضر تھا، پیا نے خوب دانت کچکچائے۔

''اچھا مجھے فوٹو گرافس میل کریں میں خود ہی کچھ کرتی ہوں پھر آپ کا۔''

''اوکے مادام! آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔'' واثق بھائی اس کے تصور کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہی کورنش بجا لایا تھا پیا فون بند کر چکی تھی تو واثق بھائی نے اب تک خود پر زبردستی کا خول اتار پھینکا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر ٹھنڈی سانس کھینچی یہ الگ بات کہ ٹھنڈی سانس کم اور آہ زیادہ تھی وہ شفاف موتی آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں کے کنارے سے نکلتے ان کی کن پٹی میں جذب ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''پارسا'' پیا کے پورٹریٹ کے سامنے اوپر کیپشن تحریر کرتے اور اپنے سائن کرنے کے بعد اس کی نظروں نے قدرت کی صناعی کے اس حسین شاہکار کو نظروں سے چھو کر محسوس کیا، بالآخر اپنے پہلے مقصد میں کامیاب ہوا تھا، اس نے جوزف سے کہا تھا کہ وہ اس کا پورٹریٹ بنائے گا اور اس نے اس کا پورٹریٹ بنا کر ہی دم لیا تھا اب کل اس کی ایگزیبیشن تھی اوائل عمری کے نوخیز کچے خوابوں میں سے ایک خواب پورا ہو رہا تھا، وہ مونا لیزا کے مقابلے میں ''پارسا'' کو پیش کر رہا تھا، اسے اپنی کامیابی کی خواہش سے زیادہ اس بات کا اطمینان تھا کہ بالآخر اس نے وہ چہرہ تلاش کر لیا تھا جس کے بارے میں صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی کئی قسم کے ابہام اور دو رائے نہیں ہو گی جیسا کہ مونا لیزا کے بارے میں سنی جاتی تھیں۔

دانشور، سائنسدان، تحقیق دان بڑے بڑے آرٹسٹ سب کو اس بات کا یقین ہو گا کہ پارسا کوئی فرضی تصور یا خیال نہیں ہے جیسا کہ اکثر رائے میں مونا لیزا کے بارے میں کہا جاتا ہے مگر اکثریت کی رائے کے مطابق وہ واقعی میں ایک زندہ و جاوید حقیقت تھی جو سانس لیتی تھی میکس کروک اس بحث میں کبھی نہیں پڑا اس کے نزدیک یہ بات اہم نہیں تھی کہ مونا لیزا ایک فرضی تصور تھی یا زندہ و جاوید حقیقت، اس کے نزدیک تو صرف یہ بات اہمیت کی حامل تھی کہ اسے مونا لیزا سے زیادہ حسین چہرے موجود ہیں اور بالآخر وہ کامیاب ہو گیا تھا منزل تک پہنچنے کا اس نے آدھا سفر طے کر لیا تھا اب باقی کا سفر مکمل کر کے نتائج حاصل کرنے تھے وہ اپنے ہی خیالوں میں غلطاں تھا جب اسے کرسٹین نے جوزف کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

''سر! جوزف سر آئے ہیں؟'' کرسٹین ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ میکس کروک سے بولی تو وہ ''پارسا'' کے سامنے سے ہٹ گیا اور اسے اندر بلانے کو کہا، جوزف اس کے برے دنوں کا ساتھی تھا جب وہ خالی پیٹ اور خالی دامن تھا اس سے جوزف نے اس کی مدد کی تھی بھلے آج وہ اس مدد کو وقتاً فوقتاً دہراتے اپنے انداز میں کیش کر رہا تھا مگر اس کی طبیعت کے تمام لالچی پن اور حرص کے باوجود وہ میکس کروک کو عزیز تھا اور اس نے بھی سوائے کبھی کبھار پیسہ ہتھیانے کے میکس کے ساتھ کبھی غلط نہیں کیا نہ ہی غلط ہونے دیا تھا،

جوزف دروازے کی دہلیز پر دھیرے سے کھنکارا میکس کروک والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھتے ہوئے مسکرایا۔

''کیسا ہے یار؟'' اس نے میکس کی پیٹھ پر تھپکی ماری تو میکس کھلے دل سے مسکرایا۔

''بہت خوش اور نروس۔'' آخری لفظ پر جوزف کے کان کھڑے ہوئے۔

''نروس...... اور وہ بھی تو...... کس لئے؟''

اس کا حیران ہونا فطری تھا۔

''پارسا'' والی بات میڈیا میں لیک آؤٹ ہوگئی ہے؟''

''مگر کیسے؟'' جوزف ابھی بھی متحیر تھا۔

''پتہ نہیں مگر میڈیا میں یہ بات آگ کی مانند پھیل گئی ہے کہ میں اپنی نئی ایگزبیشن میں مونا لیزا کے مقابلے میں ''پارسا'' پیش کر رہا ہوں۔''

اس نے سنجیدگی سے مبہم انداز میں بتایا۔

''تو اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے، اچھا ہے میڈیا کو پہلے پتہ چل گیا تو، کم از کم انہیں ایگزبیشن والے روز شاک تو نہیں لگے گا اور پھر ہر آرٹسٹ کیا ہر فیلڈ کا بندہ اپنے سے بڑے سینئر کا ریکارڈ توڑنے کی کوشش کرتا ہے، نہ بھی کرے تب بھی مقابلے کی فضا نامحسوس طریقے سے بھی قائم رہتی ہے تمہیں تو خود پر فخر کرنا چاہیے کہ تم نے کوشش کے ساتھ ساتھ عمل بھی کیا۔''

جوزف نے اس کے کندھے پر تسلی آمیز لہجہ اختیار کرتے ہاتھ دھرا۔

''تھینک یو جوزف۔'' میکس کے لہجے میں ممنونیت تھی عموماً نہیں ہوا کرتی تھی وہ ہر حربہ، حق سمجھ کر وصول نے والوں میں سے تھا بالخصوص محبت د توجہ۔

''بہت اکیلا فیل کر رہا تھا خود کو۔'' جوزف نے اچانک پوچھ لیا تھا میکس نم آنکھوں سے سر نفی میں ہلا گیا جوزف اچھے سے جانتا تھا کہ دل کی بات یوں کبھی آشکار نہیں کرے گا۔

''تم نے اپنی ایگزبیشن میں اپنے مام ڈیڈ کو انوائیٹ کیا کیا؟'' اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا کر جوزف کو حیران کیا تھا اسے امید نہیں تھی کہ اب کی بار بھی وہ سچ بولے گا۔

''پھر؟''

''ڈیڈ نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔'' میکس کے لہجے میں بے حسی در آئی۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ کل کا دن تمہاری زندگی کا کتنا بڑا دن ہے۔'' جوزف حیرت کے مارے زیادہ بول نہیں پایا۔

''ان کے نزدیک میری اہمیت نہیں ہے تو پھر میری زندگی کی کامیابیاں کیا معنی رکھتی ہیں۔''

اب لہجے میں استہزائیہ بھی شامل ہوگیا۔

''میں بات کروں ان سے؟''

''نہیں۔'' میکس نے قطعیت سے ٹوکا تھا جوزف بے بسی سے لب بھینچ کر رہ گیا۔

''آؤ تمہیں ''پارسا'' دکھاؤں؟'' وہ اسے لئے پورٹریٹ کے سامنے آگیا، جوزف چند لمحے کے لئے صم بکم کی عملی تفسیر بنے کھڑا رہا۔

''امیزنگ...... بیوٹی فل۔'' جوزف کی نظریں پورٹریٹ سے ہٹنے سے انکاری ہوگئی تھیں۔

''تمہیں یاد ہے تم نے ''پارسا'' کے بارے میں ایک دعویٰ کیا تھا؟'' اچانک یاد آنے پر جوزف نے مسکرا کر میکس کو دیکھا اس نے بھی جواباً مسکراتے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''آج میں پورے اور سچے دل سے کہتا ہوں کہ یہ لڑکی اتنی معصوم و پاکیزہ دکھتی ہے کہ اگر کبھی ہم مدر میری کو دیکھتے تو وہ بھی یقیناً اس کے جیسی ہی ہوتیں، یہ بالکل مدر میری کا پرتو دکھتی

ہے۔'' جوزف نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی تھی۔

''اسے کب بتا رہے ہو؟'' کچھ دیر بعد جب وہ سٹوڈیو سے نکل کر باہر کی طرف آئے تو میکس کے ہاتھ سے شیمپین کا پیگ پکڑتے اس نے بظاہر سرسری لہجے میں پوچھا تھا۔

''کیا مطلب...... کیسے کب بتا رہے ہو؟'' میکس الجھا ہوا لگا اس سے۔

''کم آن برو! میں پارسا کی بات کر رہا ہوں تم کب اسے اپنی محبت کے بارے میں بتا رہے ہو آئی مین اپنے دل کی بات۔'' جوزف نے میکس کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔

''تم پاگل ہو جوزف، شی از میریڈ (وہ شادی شدہ ہے)۔'' میکس کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، دنیا کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ میریڈ لڑکی سے محبت نہیں کی جا سکتی، اس سے اظہار کرنا ممنوع ہے کسی مذہب میں؟'' جوزف بات کو گہرائی سے نہیں لے رہا تھا شاید، میکس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیسے سمجھائے۔

''میرا اظہار اس کی زندگی میں آزمائشیں لے کر آ سکتا ہے جوزف اور پھر میں اس سے محبت کرتا ہوں اس کی خوشی میں میری خوشی ہے اسے دکھ دے کر مجھے سکون کیسے ملے گا آخر؟'' میکس نے اسے سمجھانے کی سعی کی مگر جوزف نے اسے سارے جملے سے اپنے مطلب کے فقرے چرا لئے۔

''تم اس سے محبت کرتے ہو، کیا خبر وہ بھی تم سے کرتی ہو اور پھر اس پورٹریٹ میں دیکھو وہ تمہیں کس قدر محبت سے دیکھ رہی ہے۔'' جوزف نے اب کی بار پورٹریٹ کا سہارا لیا۔

''مجھے وہ اس لئے دیکھ رہی تھی کیونکہ میں اس کی پورٹریٹ بنا رہا تھا اور وہ محبت سے نہیں مجبوری سے دیکھ رہی ہے۔'' میکس نے اسے ڈپٹا۔

''پر تم جو بھی کہو مسٹر میکس، مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ دل کی بات کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا اور محبت کرنا کسی بھی مذہب میں جرم قرار نہیں دیا گیا ہے۔''

''کہہ دو گے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا کیا خبر چند قدموں کی ہمراہی بھی نصیب ہو جائے۔''

جوزف نے اس کا ہاتھ سہلاتے تیزی سے کہا اور غٹاغٹ پیگ چڑھا گیا مگر آخری بات میکس کے بھی دل کو لگی تھی کیا خبر جوزف جو کہہ رہا ہو وہ سچ ہی ہو یا سچ ہونے کا چانس ہو، کیا خبر۔

☆☆☆

''تم تو مجھے انڈیا جا کر بھول ہی گئی ہو پریت؟'' آج بہت دنوں بعد پریت کا فون آیا تو وہ اس سے شکوہ کئے بغیر رہ نہیں پائی تھی۔

''واہے گرو کی سوگند پیا، میں تو خود ترس گئی ہوں تمہاری شکل دیکھنے کو مگر کیا کروں شیرا پاء جی کے روکا کی رسم ہونے کے بعد میرے چاچے کی اچانک بیماری نے دل دہلایا ہوا ہے عجیب سی ٹینشن بھری فضا ہے، جسی تو اپنے بابے کی وجہ سے ہاسپٹل سے گھر بھی کم کم ہی آتے ہیں۔'' پیا نے پریت کے لہجے میں واضح بیزاری محسوس کی تھی ایک اور بات جو اس نے محسوس کی وہ پریت کا لب و لہجہ اور گلابی اردو تھی غالباً وہ وہاں کے ماحول کے مطابق خود کو ڈھالے ہوئے تھی۔

''کل میکس کی ایگزبیشن ہے پریت اور وہ ''پارسا'' کو لانچ کر رہا ہے۔'' پیا نے اسے بے حد آہستگی سے بتایا تھا۔

''جانتی ہوں یار! اور مجھے اندازہ بھی ہے

کہ مجھے اس وقت تیرے پاس ہونا چاہیے تھا مگر میں اکیلی نہیں آسکتی، جسّی اپنے گھر والوں کے معاملے میں بہت پوزیسیو ہے اب و یکھو ناں پچھلے دہ ماہ سے یہاں ڈیرہ ڈال کے بیٹھے ہیں جبکہ آنے سے پہلے انہوں نے شملہ جانے کا پروگرام بنایا تھا اور اب جیسے کچھ یاد ہی نہیں انہیں۔

''کوئی بات نہیں پریت! انشاء اللہ وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے تم جسّی پاء جی سے الجھنا مت اس مشکل وقت میں انہیں سب سے زیادہ تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔'' پیا نے اس کا مسئلہ اور مجبوری سنتے اسے سمجھایا۔

''تم سوچ بھی نہیں سکتیں پیا! کہ میں یہاں کتنی مشکل سے دن گزار رہی ہوں، ہر بندے کے لبوں پر ایک ہی سوال ہے کہ شادی کے دس سال گزرنے کے باوجود ابھی تک میں ماں کیوں نہیں بنی، بے بے جی نے تو گرونا نک کی منت بھی مان لی ہے کہ پاکستان ننکانہ صاحب جا کے ادا کریں گی، میں ایک ہی طرح کے سوالوں کے جواب دیتے دیتے تنگ آگئی ہوں۔'' پریت بے حد آزردہ تھی پیا نے اس کا دکھ اپنے دل پر محسوس کیا۔

''تم جیسی بہادر لڑکی کے منہ سے ایسی مایوسی والی باتیں سن کے مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے پریت! جو لڑکی دوسروں کا حوصلہ بڑھاتی ہو وہ خود کیسے بکھر کر کمزور پڑ سکتی ہے، بے شک یہ دنیا کی کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ بہادر لوگ دل برداشتہ اور دکھی نہیں ہوتے۔'' پریت اس کی بات سن کے مسکرائی تھی۔

''مجھے جانتی بھی ہے اور شکوہ بھی کرتی ہے، خیر تم سناؤ کل کے فنکشن میں کیا پہن کر جا رہی ہو ایگزیبیشن تو شام کو ہی ہوگی ناں؟''

''کچھ پتہ نہیں کہ کیا پہن کر جانا ہے یہ بھی میکس اور فرحاب سلیکٹ کریں گے اور ایگزیبیشن تو صبح آٹھ بجے ہی شروع ہو جائے گی شام کو میکس میڈیا سے کانفرنس کرنے کے ساتھ مجھے دنیا سے متعارف کروائیں گے۔'' پیا کو جتنا معلوم تھا اس نے اسے بتا دیا تھا۔

''پھر تو لائیو کوریج ہوگی، میں بھی دیکھ سکتی ہوں۔'' پریت ایک دم سے پرجوش ہوئی تھی۔

''تم کیسے دیکھ پاؤ گی پریت! یہاں شام ہو گی تو وہاں صبح اور کیا وہاں کا میڈیا ایسا کر سکے گا؟'' پیا کو سمجھ نہیں آئی تو فوراً کہا تھی۔

''کمال کرتی ہو پیا! یہ سٹیلائٹ کا دور ہے اور ہمارا انڈیا ایسے کاموں میں بہت ترقی کر چکا ہے، میں کنفرم کر کے تمہیں بتاؤں گی نہیں تو پھر تم مجھے اس ایگزیبیشن کی ویڈیو بھیج دینا۔'' اس نے اسے یاد دہانی کرواتے فون رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

ابھی وہ سو کر اٹھی ہی تھی کہ میکس کروک کا ڈرائیور کرسٹین کے ہمراہ اس کے گھر آیا تھا، کرسٹین اس کے لئے آج کی شام پہننے کے لئے بے حد خوبصورت ڈریس لے کر آئی تھی وہ ڈریس پیا کے لئے ہالی وڈ کی مشہور ڈیزائنر نے تیار کیا تھا اب مس کرسٹین اسے چیک کروانے لائی تھی کہ جو بھی کمی بیشی ہو وہ شام کو پہننے سے پہلے دور کی جا سکے پیا نے ایک نظر اس بے حد خوبصورت بہت پھولے پھولے سے فراک کو دیکھا جس کے نیچے والا حصہ بے تحاشا پھولا ہوا تھا اور آف شولڈر کے ساتھ اس کی کرتی نما بیٹی تھی فراک وائٹ اور پنک رنگ کے کمبی نیشن کا تھا اور بے حد خوبصورت تھا مگر سلیولیس دیکھ کر پیا کا سارا جوش و خروش مٹی میں جا ملا تھا۔

''آئم سوری کرسٹین! مگر میں یہ نہیں پہن سکتی۔'' وہ آزردہ سی بولی تھی۔

''میم ایسے گاؤن ہالی وڈ کی کوئینز ایوارڈ شوز میں ریڈ کارپٹ پر چلنے کے لئے بنوایا کرتی ہیں یہ کسی عام عورت کی بس کی بات نہیں ہوتی آپ بتا دیں آپ کو اس میں کیا چیز ڈسٹرب کر رہی ہے ہم اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔'' کرسٹین بے حد مودبانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''فراک میں کوئی کمی نہیں بلاشبہ یہ بے حد خوبصورت ہے مگر میں سلیولیس کی وجہ سے اسے نہیں پہن سکتی میں نے ایسے لباس کبھی نہیں پہنے۔'' پیا نے بے چارگی سے بتایا تھا۔

''اوہ میم!...... آپ ٹھیک بولتا...... سر نے پہلے ہی کہا تھا؟'' کرسٹین اچانک ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی تھی پیا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تو اس نے وضاحت کی۔

''جب یہ تیار ہو کر آیا تو سر میکس نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا کہ آپ کو یہ فراک سلیولیس کی وجہ سے پسند نہیں آئے گا لیکن اس کا بھی حل نکالا ہے ہم نے۔'' کرسٹین پیا کو ورطہ حیرت میں ڈال کر بیگ سے کچھ نکالنے لگی تھی۔

''بھلا میکس کو کیسے علم ہوا کہ مجھے یہ لباس پسند نہیں آئے گا۔''

''یہ دیکھیں میم! آپ اسے پہنیں گی۔'' سفید موتی ٹکے دار نیٹ کی فل سلیوز والی کالر جیکٹ نکال کر اس نے پیا کو دکھائی تھی جو لباس کے ہی ہمرنگ تھی پیا نے اسے ستائشی انداز میں دیکھا اور مسکرا دی۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔''

''اوکے میم! اب مجھے اجازت دیں شام آٹھ بجے آپ کو گاڑی لینے آئے گی، سر آپ کا ویٹ آرٹ گیلری سے ملحقہ ہال میں کریں گے، مگر ٹائم کی پابندی شرط اوّل ہے ہمارے سر ٹائم کے بہت پابند ہیں؟'' جانے سے پہلے وہ ساری ہدایات دینا نہیں بھولی تھی پیا سارا سامان اٹھا کر بیڈ روم کی طرف فرحاب کو دکھانے کے لئے لے آئی جو ابھی تک خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔

☆☆☆

آٹھ بجے وہ فرحاب کے ساتھ آرٹ گیلری پہنچی تھی میکس کروک کا پی اے انہیں اپنے انتظار میں کھڑا باہر ہی مل گیا تھا وہ دونوں اس کے ہمراہ اس ہال میں پہنچے تھے جس میں میڈیا کے ساتھ کانفرنس منعقد تھی میکس پیا کو ہال کے دروازے میں کھڑا دیکھ کر ساکت و صامت رہ گیا تھا وہ بے تحاشا حسین نظر آ رہی تھی اس نے بہت پھولی پھولی فراک اسی نیٹ کی کالر والی جیکٹ کے ساتھ پہن رکھی تھی جو اس نے بعد میں تیار کروائی تھی بالوں کو اونچے جوڑے کی صورت باندھا ہوا تھا اور ان میں چھوٹے چھوٹے سفید موتی چمک رہے تھے ہلکی گلابی لپ اسٹک پورا ماحول گلابی کئے دے رہی تھی، پیا کے چہرے پر دھیمی گلابی مسکان تھی جس نے پوری شام گلابی کر دی تھی وہ دھیرے دھیرے چلتی فرحاب کا ہاتھ تھامے میکس تک پہنچی۔

''گڈ ایوننگ میکس!'' دونوں میاں بیوی نے ایک ساتھ کہا تھا اور پھر اپنی ہم آہنگی پر کھلکھلا کے ہنس دیئے تھے، میکس کے دل کو کچھ ہوا۔

''گڈ ایوننگ لیڈی آف دی ایوننگ!'' میکس نہایت احترام سے کورنش بجاتے اپنے دل کا درد چھپا گیا تھا، پیا نے مسکراتے ہوئے اس کی تیاری دیکھی اس نے بلیک تھری پیس کے ساتھ نیوی بلیو ٹائی لگا رکھی تھی بالوں کا رنگ ڈارک براؤن اور داڑھی کے نام پر وہی ہونٹوں کے نیچے بس ذرا سے بال چھوڑ کر انہیں پتہ نہیں کون سی اسٹائل کا نام دیا گیا تھا کانوں میں آج بلا ٹیئم کی

بالیوں کی جگہ ٹاپس تھے اور کلائی میں بینڈز کی بجائے قیمتی رولیکس جگمگا رہی تھی اس کی تیاری بھرپور اور شاندار تھی ایک شاندار معزز اور نامور بندے کو بالکل ایسا ہی دکھنا چاہیے، پیا نے ایک ستائشی نگاہ اس کے پیروں میں پہنے قیمتی ترین جوتوں کو دیکھتے سوچا۔

میکس کروک کی ایگزیبشن کامیابی کی انتہا تک پہنچی تھی اور بالخصوص پارسا کو لانچ کرنے کے بعد میکس کروک کا اسے دنیا کے سامنے باقاعدہ لے کر آنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں تھی نیویارک شہر کیا امریکہ کے دیگر شہروں سے لوگ بھی امڈے پڑنے تھے پیا کی ایک جھلک پانے کو، میڈیا پریس والے دھڑا دھڑ ریڈ کارپٹ پر چلتی پیا کے فوٹوز لے رہے تھے پیا کو بلاشبہ کسی شہزادی کی طرح سے پروٹوکول مل رہا تھا۔

لیونارڈ داونسی کا ریکارڈ ٹوٹا تھا یا نہیں ٹوٹا تھا مگر پانچ صدی بعد میکس کروک نے مونالیزا کے مقابلے میں اس سے زیادہ حسین چہرہ دنیا کے سامنے پیش کر کے دنیا کو مبہوت ضرور کر دیا تھا۔

''پارسا'' مونالیزا کی طرح سے ورلڈ فیمس پینٹنگ بن چکی تھی اور اسے مونالیزا ہی کی طرح صدیوں تک اپنا راج قائم رکھنا تھا یا نہیں اس کا فیصلہ کرنا قبل از وقت تھا لیکن یہ وقت میکس کروک کی شاندار کامیابی کا تھا اور وہ اس لمحے میں جی رہا تھا جب وہ اپنی زندگی کی بہترین کامیابی اپنی محبت جس کا اعتراف وہ خود سے اکیلے میں رات کے گہرے اندھیرے میں بھی کرنے سے ڈرتا تھا اس کے ساتھ اس کے ہمقدم چل کر اسٹیج پر جا رہا تھا وہ ایک مختصر سا پل تھا مگر ساری زندگی کی رعنائی اپنے اندر سموئے ہوئے، خاموش پر اثر اور سحر طراز۔

وہ کھلے دل سے میڈیا اور پریس والوں کے جواب دے رہا تھا وہ انہیں پارسا کے بارے میں بتا رہا تھا، وہ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی بتا رہا تھا وہ اسے اپنا شاہکار تسلیم کر رہا تھا۔

آرٹ کی دنیا میں وہ جتنا کام کر چکا تھا وہ اس سے مطمئن تھا یا نہیں مگر پارسا کی تکمیل کے بعد میکس کروک اگر ساری زندگی دوبارہ پینٹنگ نہ بھی کرے تب بھی وہ اتنا کر چکا تھا کہ اس کا نام دنیا کے چند گنے چنے بہترین آرٹسٹ میں شمار کیا جا سکے اور ایسا صرف پارسا کے بعد ہی ممکن ہوا تھا، اس روز اس آرٹ کونسل میں ہوئی اس کانفرنس کو دنیا بھر نے گھر بیٹھے ٹی وی پر دیکھا تھا اور پلوشے آفریدی کی قسمت پر رشک کیا تھا اتنا نام اور پروٹوکول یقیناً خوش قسمت لوگوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور پلوشے آفریدی کے خوش قسمت ہونے پر اب دنیا والوں کے یقین کی مہر لگ چکی تھی۔

☆☆☆

کانفرنس ختم ہونے کے بعد زبردست قسم کا ڈنر تھا پیا اسٹیج سے اترتے ہی سیدھا فرحاب کے پاس آئی تھی فرحاب کی آنکھوں اور چہرے پر اس کے لئے محبت اور ستائش تھی لیکن پیا کی آنکھوں میں احساس تشکر کی نمی تھی۔

''خوشی کے موقع پر آنسو اچھی بیوی! بات کچھ جچی نہیں؟'' وہ محبت سے اس کی ڈبڈبائی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کرتے اس سے پوچھ رہا تھا پیا جواب نہیں دے پائی تھی وہ اس وقت حد سے زیادہ جذباتی ہو رہی تھی اور شدید غم اور خوشی میں اس کی زبان یونہی گنگ ہو جایا کرتی تھی صرف احساسات بولا کرتے تھے۔

''میری بیوی دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی ہے، میری بیوی پارسا ہے، میری بیوی مریم ہے، پاکیزہ ہے اور مجھے اپنی بیوی پر فخر ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بھینچے شدت جذبات سے کہہ رہا تھا، پیا کے اردگرد وہی رنگ برنگی تتلیوں کا رقص شروع ہو گیا جو اکثر ہی فرحاب شفیق کی محبت کے اظہار کے وقت شروع ہو جایا کرتا تھا۔

''آپ دنیا کے سب سے اچھے شوہر ہیں فرحاب اور......'' پیا کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فرحاب شفیق کا سیل بج اٹھا تھا وہ اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا مسٹر والٹن کی کال تھی پیا نے ناگواری محسوس کی۔

''جی مسٹر والٹن! کہیے کیسے فون کیا اس وقت۔'' فرحاب نے بشاش لہجے میں کال ریسیو کی تھی مگر دوسری جانب جو خبر اسے ملی وہ اس کے قدموں تلے سے زمین نکال لینے کو کافی تھی مسٹر والٹن ہول سیل ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ انچارج تھے اسٹور پر رکھے والا سارا مال اشیاء خورد و نوش کے علاوہ دیگر ضرورت زندگی کی اشیاء مسٹر والٹن کے ڈیپارٹمنٹ سے آنا طے پائی تھیں، آج رات تک انہیں فرحاب کے بنائے نئے اسٹور پر آرڈر سپلائی کرنا تھا اور مسٹر والٹن اب اسے بتا رہے تھے کہ آرڈر لانے والا ٹرک چوری ہو گیا ہے وہ اسے فوری اپنے آفس میں بلا رہے تھے، فرحاب نے شدید ٹھنڈ میں بھی اپنے ماتھے پر پسینے کے قطرے پھوٹتے محسوس کیے، ایک لاکھ ڈالر کا بھاری نقصان اور یہ ایک لاکھ ڈالر اس نے کتنی مشکل سے جمع کرتے کئی قسم کی جوڑ توڑ کر کے اپنے کاروبار کو بڑھاوا دینے کا ارادہ کیا تھا۔

''اوکے میں ابھی پہنچتا ہوں۔'' بے حد ٹھہرے اور سنجیدہ لہجے میں انہوں نے اپنے آنے کا کہہ کے فون بند کر دیا تھا، پیا نے سوالیہ اور غیر فہیم انداز میں فرحاب کی طرف دیکھا۔

''آرڈر سپلائی کرنے والا ٹرک چوری ہو گیا ہے۔'' فرحاب شفیق نے آہستگی سے بم پھوڑا پیا ششدر رہ گئی۔

''مجھے فوری پہنچنا ہو گا۔'' اس نے سیل جیب میں رکھتے اطلاع دی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' پیا بے تابی سے دو قدم آگے بڑھ آئی۔

''نہیں ابھی فنکشن چل رہا ہے اور پھر تمہارا یہاں ہونا زیادہ اہم ہے، میں بس تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔'' فرحاب شفیق نے اسے رسان سے منع کیا۔

''میرا دل گھبراتا رہے گا فرحاب! مجھے اپنے ساتھ ہی لے جائیں نا پلیز۔'' پیا نے گھبرا کر درخواست خواہانہ انداز میں کہا تو فرحاب نے اس کے گال تھپتھپائے۔

''پی! کمپوز کرو خود کو، اسٹارز ایسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل نہیں چھوٹا کرتے نہ ہی حوصلہ چھوڑتے ہیں، میں بس تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔'' اس سے پہلے وہ جواب میں کچھ کہتی میکس کروک ہاتھ میں واڈکا کا پیگ پکڑے ان کے نزدیک چلا آیا، حیرت کی بات تھی وہ بے تحاشا شراب پیتا تھا مگر اسے کبھی نشہ نہیں چڑھا تھا۔

''کہاں جانے کی باتیں ہو رہی ہیں پارٹی چھوڑ کر؟'' میکس کروک نے قریب آتے ہی پوچھا تھا وہ دونوں اس قدر اپنی پریشانی میں الجھے ہوئے تھے کہ دونوں نے ہی دھیان نہیں دیا کہ وہ آپس میں اردو میں بات کر رہے تھے تو پھر میکس کروک کو کیسے پتہ چلا کہ وہ کہیں جانے کی بات کر رہے ہیں۔

''کہیں نہیں مسٹر میکس! آپ کی پارسا ادھر ہی موجود رہیں گی بس میں تھوڑی دیر میں لوٹتا ہوں ایک ایمرجنسی ہے۔'' میکس کروک لفظ ''آپ کی پارسا'' پر دل کھول کر محظوظ ہوتے ہنسا

تھا۔

''جلدی لوٹ آیئے گا آپ کی مسز آپ کے بغیر جلدی اداس ہو جایا کرتی ہیں دیکھیں ابھی بھی کیسے اداس نظر آ رہی ہیں۔'' میکس کروک نے حد درجہ احتیاط پسندی کو ملحوظ خاطر رکھتے فرحاب شفیق سے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تو دونوں ہی جبری مسکرائے ورنہ دل تو سوکھے پتوں کی مانند مجبوری کی ہوا پڑتے ہی لرزنے لگا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' چلتے سمے اس نے پیا کے کندھے پر دلاسہ دینے والے انداز میں ہاتھ رکھتے کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا پیا اس کی پشت دیکھتی رہی۔

''آئیں پیا! آپ کو کسی سے ملوانا ہے؟'' میکس کے متوجہ کرنے پر وہ چونکی اور بغیر سوال کیے اس کے ساتھ چل پڑی تھی میکس اسے اپنے ساتھ آرٹ گیلری کی طرف لایا تھا یہ ایک بہت وسیع آرٹ گیلری تھی جو مختلف فن پاروں سے مزین تھی بہت بڑے بڑے اور نامور آرٹسٹوں کا کام یہاں بہت روشن اور اپنی اہمیت اجاگر کرتا ہوا نظر آتا تھا میکس اسے ساتھ لئے اپنی اس پینٹنگ کے سامنے لے آیا جو پہلی بار ہی پیا نے اس کی ایگزیبشن میں دیکھی تھی اور ٹھٹک گئی تھی اس پینٹنگ پر ناٹ فار سیل جلی حروف میں لکھا صاف دکھائی دے رہا تھا پیا کو سمجھ نہ آئی کہ وہ اسے اب یہاں کس لئے لایا ہے۔

''آپ نے ایک دفعہ مجھ سے ایک بات پوچھی تھی پیا؟''

''مجھے یاد نہیں؟'' پیا نے بے چارگی سے سر نفی میں ہلایا تھا، میکس دھیمے سے مسکرایا۔

''میں جانتا تھا آپ بھول چکی ہوں گی میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس کا جواب میں صحیح وقت آنے پر آپ کو ضرور دوں گا اور آج کے دن کے علاوہ اس کے لئے موزوں اور کوئی دن ہو ہی نہیں سکتا۔'' اس نے توقف کرتے پیا کے حسین چہرے کو دیکھا جواب دلچسپی سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

''آپ کا سوال تھا کہ اگر میں ایک نظر کسی بھی چہرے یا منظر کو دیکھ کر اسے ہیم ٹو ہیم بنا سکتا ہوں تو پھر آپ کا چہرہ میں نے کیوں بار بار بائی نو کیلر کی مدد سے دیکھ کر بنایا تھا؟''

''اوہ۔'' پیا کو جیسے ترنت یاد آیا وہ دلکشی سے کھلکھلا اٹھی۔

''میں نے آپ کا چہرہ بار بار اس لئے دیکھا تھا پارسا، کیونکہ وہ دنیا کا خوبصورت ترین چہرہ تھا میرے لئے اور میری نظریں اس چہرے کی ملاحت و صباحت پر زیادہ دیر تک ہی نہیں پاتی تھیں اور میرے دل کی یہ شدید خواہش تھی کہ میں اس چہرے کو بار بار دیکھوں۔'' اپنی بات کے مکمل ہونے پر اس نے پیا کے تاثرات جاننے کی خواہش کی تھی مگر وہ اس کا جواب نہیں سن پایا، پیچھے کھڑے پی اے اسٹیو کی گھبرائی ہوئی آواز نے اسے فوراً اپنی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

''ایکسکیوزمی سر!'' وہ اسے دور لے جا کر کچھ بتانے لگا تھا پانچ منٹ بعد جب وہ واپس لوٹا تو سنجیدہ اور قدرے پریشان تھا۔

''پیا ہمیں فوری طور پر ہاسپٹل جانا ہوگا۔'' اس نے آہستگی سے کہا پیا نے تحیر سے اسے دیکھا جس کی آنکھوں میں واضح سوال تھا۔

''فرحاب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے؟'' پیا کے ارد گرد سناٹے گونجنے لگے وہ ششدر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

شدید ذہنی دباؤ اور اعصابی کھچاؤ میں وہ ڈرائیو کرتا جا رہا تھا اس کی تیز رفتار ٹرالر سے ٹکر ہوئی تھی اس کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا جان بچ جانا کسی معجزے سے کم نہ تھا، مگر اس ایکسیڈنٹ میں فرحاب شفیق کی دونوں ٹانگیں بری طرح سے کچلی گئی تھیں کہ انہیں کاٹنا پڑا تھا اس کے دماغ پر بھی کافی چوٹ آئی تھی اور وہ کومے میں تھا، پیا اجڑی حالت میں آئی سی یو کے باہر طویل مگر سرد کوریڈور میں خاموش بیٹھی تھی۔

خوشیوں کے پل اس قدر مختصر بھی ہوتے ہیں، آج سے پہلے اندازہ کہاں تھا بھلا اسے، جس وقت اس کی خوش قسمتی کو دنیا نے تسلیم کیا اسی وقت اس کی بدقسمتی کا آغاز ہو گیا تھا، رو رو کر پیا کی آنکھیں سوج گئیں تھیں وہ اکیلی کمزور لڑکی کیسے اس کڑی قیامت کا مقابلہ کرے، اپنی تمام خوشیوں کو تیاگنے کے بعد اس نے صرف رب سے فرحاب شفیق کی زندگی مانگی تھی اس کی تندرستی مانگی تھی مگر کاش وہ اس سے اپنا اور اس کا دائمی ساتھ بھی مانگ لیتی۔

''پیا! کچھ کھا لیں آپ نے دو دن سے کچھ بھی نہیں کھایا۔'' میکس کروک اس کے نزدیک پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''مجھے بالکل بھی عادت نہیں ہے میکس، فرحاب کے بغیر کچھ کھانے کی، وہ ٹھیک ہو جائیں گے تو ایک ساتھ مل کر کھاؤں گی۔'' اس نے بھیگے لہجے میں صاف انکار کیا تھا۔

''یقیناً وہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے پیا! لیکن ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے کہ وہ کب کومے سے باہر آئیں گے، تب تک اگر آپ نے کچھ نہ کھایا تو آپ خود بیمار پڑ جائیں گی اور اگر آپ بیمار پڑ جائیں گی تو فرحاب کا خیال کون رکھے گا، انہیں اس وقت آپ کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔'' میکس نے بے حد نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔

''میں بہت کمزور دل کی لڑکی ہوں میکس، میں فرحاب کے بغیر ادھوری ہوں آپ دعا کریں وہ جلدی ٹھیک ہو جائیں۔'' میکس نے پیا کی بات سن کر بے اختیار لب بھینچے تھے اسے جانے کیوں مگر درد ہوا تھا ایک نامعلوم سا درد، ہلکی چبھن کا احساس دلاتا درد۔

''میں کافی اور سینڈوچ لے کر آتا ہوں آپ کے لئے پلیز انہیں فرحاب کی خاطر کھا لیجئے۔'' وہ میری خاطر کہنے سے بمشکل روک پایا تھا خود کو، بھلا ابھی کچھ دیر پہلے اس کی کہی گئی بات کیے گئے واضح اظہار کے بعد کیا میکس یہ جملہ ادا کر سکتا تھوڑی دیر بعد وہ کافی اور سینڈوچز آرڈر کر کے آیا تو پیا کوریڈور میں نہیں تھی وہ ڈاکٹر رابرٹ کے کمرے سے نکلتی دکھائی دی جب وہ اسے تلاشنے نکلا تھا پیا کے چہرے پر پریشانی پہلے سے کئی گنا بڑھی ہوئی تھی اس کا چہرہ اور ہونٹ زرد ہو رہے تھے فقط دو دن کے قلیل عرصے میں ایشیا کی خوبصورت ترین چہرے والی لڑکی کملا کر نڈھال دکھ رہی تھی دکھ یونہی انسانوں کو دیمک کی مانند چاٹ جایا کرتے ہیں، میکس کو کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا، وہ تیزی سے پیا کی جانب بڑھا۔

''کیا بات ہے پیا! کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' پیا کے درد کی سسکاری کو لبوں میں دبوچا اور بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔

''بتائیں ناں پیا، آخر کیا ہوا ہے؟'' میکس کو تشویش ہوئی۔

''ڈاکٹرز کے کہنے کے مطابق فرحاب کے لئے اگلے اڑتالیس گھنٹے بے حد اہم ہیں اگر ان اڑتالیس گھنٹوں میں انہیں ہوش نہ آیا تو ان کی

یادداشت ختم ہوسکتی ہے یا کومے کا دورانیہ طویل ہوسکتا ہے؟'' پیا نے ہچکیوں کی زد میں جھٹکے کھاتے بمشکل میکس کو فرحاب کی موجودہ کنڈیشن بتائی تھی میکس نے بے اختیار اس کامنی سی لڑکی کو دیکھا جو اس کڑے وقت میں کتنی مشکل سے خود کو سنبھالنے کی کوشش کررہی تھی۔

''میں ڈاکٹر سے خود بات کرتا ہوں، آپ پریشان مت ہوں پلیز، ہو سکے تو پاکستان سے کسی کو کال کرکے بلا لیں۔'' میکس نے اپنے تئیں اس کی تنہائی کے خیال سے اچھا مشورہ دیا۔

''اتنا آسان کہاں ہے ان کا پاکستان سے امریکہ آنا اور واثق بھائی کا تو ابھی تک پاسپورٹ بھی نہیں بنا۔''

''چلیں آپ پریشان مت ہوں میں ہوں ناں آپ کے ساتھ، میں کبھی کسی موڑ پر آپ کو تنہا نہیں رہنے دوں گا۔'' میکس کروک اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے وفور جذبات میں بغیر سوچے سمجھے بول گیا تھا پیا نے تحیر سے اسے دیکھا تو وہ گڑبڑایا۔

''میرا مطلب ہے فرحاب کے ٹھیک ہو جانے تک، میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ میکس، آپ میرے ہمیشہ کام آئے ہیں لیکن آپ کے بھی سو طرح کے کام ہوتے ہیں، آپ پلیز میرے لئے اتنا زیادہ کشٹ نہ اٹھائیں۔'' اس کے ساتھ باہر بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

''دوستوں میں ایسی فارمیلٹیز نہیں ہوا کرتیں پیا اور آپ تو میری تخلیق میں میری پارسا ہیں آپ کا خیال رکھنا تو میرا فرض بنتا ہے۔''

سٹی ہاسپٹل کی مصنوعی روشنی سے جگمگاتی رات میں برف چاندی کی طرح سے گر رہی تھی پیا نے بے اختیار باہر نکل کر جھر جھری سی لی، وہ اپنا گرم کوٹ اندر ہی بھول آئی تھی، ہاسپٹل سے کافی شاپ کا ایریا تھوڑا دور تھا یہاں ہاسپٹل کے اندر کچھ کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی سو کچھ دیر پہلے کے دیئے میکس کے آرڈر کے بعد وہ دونوں اب کافی شاپ کی جانب بڑھ رہے تھے مگر سردی زیادہ تھی اور پیا نے صرف مفلر اوڑھ رکھا تھا، میکس نے ایک نظر اس کے کپکپاتے ہونٹوں کو دیکھا اور آہستگی سے اپنی لیدر جیکٹ اتار کر اس کی طرف بڑھا دی پیا بے ساختہ چونک گئی۔

''اٹس اوکے میکس! مجھے اس کی ضرورت نہیں؟'' وہ واضح طور پر ہچکچائی۔

''سردی زیادہ ہے، اسے پہن لیں پلیز ورنہ نمونیا ہوسکتا ہے، برفباری ہونے کے ساتھ ساتھ تیز ہوا بھی چل رہی ہے۔'' پیا نے مزید کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے جیکٹ لے کر پہن لی تھی کافی اور سینڈوچز لینے کے بعد اس نے خود میں طاقت پھرتی محسوس کی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ گھر چلی جائیں اور جاکر کچھ دیر آرام کرلیں، فرحاب کو ہوش آنے کے بعد آپ کی ضرورت زیادہ ہوگی یہاں، ابھی تو پورا سٹاف موجود ہے۔'' میکس نے بمشکل اسے سمجھا بجھا کے گھر چلنے پر راضی کیا تاکہ وہ خود کو تھوڑا ریلیکس کرکے فریش کرسکے، پیا نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلاتے اپنی رضامندی ظاہر کی۔

☆☆☆

میکس کروک اسے گھر چھوڑ گیا تھا، پیا تین دن سے مسلسل ہاسپٹل میں تھی اسٹور کا کام ناصر دیکھ رہا تھا پیا نے گھر کی ابتر حالت دیکھی اس روز کیسی افراتفری میں وہ دونوں گھر سے تیار ہوکر نکلے تھے اور فرحاب کو تو ویسے بھی پھیلاوا ڈالنے کی عادت تھی، پیا اس کی اس عادت سے بے تحاشا چڑنے کے باوجود بھی اس کی عادت بدل نہیں پائی تھی، فرحاب پیا کے کلسنے پر اکثر یہ کہہ کر اسے چڑاتا جو فطرت میں نفاست نہ ہو تو پھر عادتیں کیسے نکھر سکتی ہیں اور عادتیں بھی کبھی کسی نے بدلیں ہیں؟

''میرے جیسے بندے نے، جسے اپنا آپ ہر حال میں صحیح لگتا ہو۔'' وہ ہنستے ہنستے اسے چڑاتا۔

''عادتیں بدل جایا کرتی ہیں فطرت نہیں بدلا کرتی آپ کوشش تو کرہی سکتے ہیں؟'' پیا کا انداز ناصحانہ اور تدبر بھرا ہوجاتا تھا۔

''نا...... بس ہم تو جیسے ہیں ویسے ہی رہیں گے بھئی!'' وہ صاف ہری جھنڈی دکھاتا پیا بس کلس کر رہ جاتی مگر اب...... وہ اس کے اٹھنے کی منتظر تھی اس کے یونہی پھیلاوا ڈالنے کی خواہاں۔

''اٹھ جائیں فرحاب بہت سو لئے۔'' اس کی انلارج تصویر کے سامنے کھڑے ہوکر اس نے روتے ہوئے جیسے اس کی منت کی تھی۔

''میرا یہاں اس دیس میں آپ کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے فرحاب اور آپ جانتے ہیں آپ کی ''پی'' جلدی گھبرا جاتی ہے وہ بالکل بھی بہادر نہیں ہے، وہ بہت ڈرپوک لڑکی ہے، اسے بجلی کی کڑک خوفزدہ کردیتی ہے اسے چھپکلی سے ڈر لگتا ہے اسے دنیا سے ڈر لگتا ہے۔'' فرحاب شفیق کے عنابی ہونٹوں میں دھیمی مسکان پر نگاہیں ٹکائے اس نے ہچکی سی لی۔

''مجھے بہادر نہیں بننا فرحاب، مجھے اکیلے بھی نہیں رہنا ہے مجھے ہمیشہ آپ کے ساتھ آپ کا ہاتھ تھام کر چلنا ہے۔'' اس کے ذہن میں فرحاب شفیق کی اپنی طرح کی، کی گئی اکثر و بیشتر باتیں گونج رہی تھیں جو اس کی تڑپ میں اضافہ کررہی تھیں تبھی اس کے موبائل کی بیل بجنا شروع ہوئی تھی اس نے فون اٹھا کر دیکھا پاکستان سے کال تھی اس نے آنسو صاف کرکے خود کو کمپوز کیا اور کال ریسیو کی دوسری طرف اس کی اماں تھیں وہ اس سے فرحاب شفیق کی خیریت کے ساتھ اس کی فکر کررہی تھیں دونوں ماں بیٹیاں رو رہی تھیں اور دونوں ہی ایک دوسرے سے چھپانے کی کوشش کررہی تھیں۔

''آج میری سمجھ میں آیا پیا! لوگ اتنی دور بیٹی بیاہنے سے کیوں کتراتے ہیں صرف اس لئے کہ پاس رہ کر وہ بیٹی کی خبر گیری کرسکیں اسے اپنے ہونے کا یقین دلاسکیں اور مجھے دیکھو میں ایسی بدبخت کہ اپنے لخت جگر کو اتنی دور بھیج دیا، آج تو وہاں تڑپ رہی ہے اور میں یہاں۔'' اماں حسب توقع بے حد پچھتا رہی تھیں۔

''کچھ فیصلے تقدیر کے بھی ہوتے ہیں اماں، آپ کیوں دل پہ لے رہی ہیں اس بات کو، آپ بس فرحاب کی زندگی کی دعا کیجئے میں یہاں ٹھیک ہوں اور میرے ساتھ فرحاب کے سب دوست بہت تعاون کررہے ہیں۔'' اس نے اماں کا پچھتاوا کم کرنے کی کوشش کی۔

''اپنے تو پھر بھی اپنے ہوتے ہیں بیٹا! میں تجھے دیکھنے کو تڑپ رہی ہوں فرحاب کی حالت کا سوچتی ہوں تو سانس رکنے لگتی ہے، اللہ تمہارے سہاگ کو سلامت رکھے بیٹا، اللہ تمہاری خوشیاں تمہیں جلد لوٹائے آمین۔'' بھیگے لہجے میں انہوں نے پیا کو ڈھیروں ڈھیر تسلیاں دی تھیں پیا بھیگے سے انداز میں مسکرا دی اماں کو ابھی یہ نہیں معلوم تھا کہ فرحاب اب زندگی بھر کے لئے اپاہج ہوگئے ہیں وہ اب کبھی اپنی ٹانگوں پر کھڑا نہیں رہ سکیں گے کیونکہ ان کی تو دونوں ٹانگیں کٹ چکی تھیں، دماغ پر شدید چوٹ لگی تھی ان کا زندہ رہنا ہی کسی

معجزے سے کم نہیں تھا پیا کے اندر ڈھیروں آہیں تھیں کرب تھا، درد تھا مگر اس نے سب کچھ اپنے اندر اتار کر ضبط کا جام لبوں سے لگا لیا تھا، وضو کرکے وہ نفل نماز پڑھ کر وہ سجدے میں سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کے رونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے صبر اور حوصلہ مانگتی رہی تھیں اور اس کے رب نے بھی اسے یقیناً خالی ہاتھ نہیں لوٹایا تھا پیا نے جتنا رب سے مانگا تھا اس نے اس سے زیادہ پیا کو عطا کیا تھا۔

''اے میرے رب! تو جانتا ہے میرا فرحاب کے سوا کوئی سائبان نہیں کسی عورت کا بھی نہیں ہوتا شوہر کے سوا، تجھے اس محبت کا واسطہ جو تو اپنے بندوں سے کرتا ہے مجھے فرحاب کی زندگی وتندرستی کی بھیک ڈال دے، اس کے بعد میری کوئی تمنا ہے نہ آرزو، اے اللہ تیری کائنات سے زیادہ وسیع تیرا رحم وکرم ہے اور ظرف ہے تو مجھے اپنے ظرف کے مطابق نواز میری غلطیوں و کوتاہیوں کو معاف کر، بے شک تو رحیم اور کریم ہے آمین۔'' اس نے آمین کہتے دعا کے لئے اٹھے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لئے تھے ایک سکون سا پیا نے اپنے اندر اٹھتے محسوس کیا تھا، اگلے چھتیس گھنٹوں میں فرحاب کو ہوش آ گیا تھا ہوش میں آتے ہی زندگی اس کے لئے ایک الگ امتحان لئے کھڑی تھی فرحاب جیسا مرد پھوٹ پھوٹ کر رو دیا زندگی کا مفہوم اس کے لئے بدل گیا تھا اور زندگی تو پیا کی بھی بدل گئی تھی بلکہ بہت کچھ بدل گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے سوئے ہوئے فرحاب پر کمبل اچھی طرح اوڑھا اور لائٹ آف کرکے باہر نکل آئی، کچن میں رات کے کھانے کے برتن رکھے تھے سو وہ دھونے لگی تھی فرحاب کو ڈسچارج ہو کر گھر آئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا پیا مسلسل اس کی نگرانی کے ساتھ ساتھ اسٹور پر بھی جا رہی تھی دوسرے اسٹور کی تو خیر شروعات ہی نہیں ہو پائی تھی نہ ہی چوری ہوئے ٹرک کا کوئی سراغ مل سکا تھا، ایکسیڈنٹ کے بعد سے فرحاب میں ایک واضح تبدیلی آئی تھی وہ بہت غصیل ہو گیا تھا بے حد چڑچڑا اور ضدی، اکثر غصے میں آ کے مغلظات بکنے لگتا مگر پیا صبر کے گھونٹ پی کے رہ جاتی اس نے فرحاب کو کوئی بھی جواب نہ دینے کا عہد کر رکھا تھا اور فرحاب کو اس کی اسی خاموشی سے چڑ ہوتی اور وہ اور تپ جاتا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر فساد کھڑا کرنا اس کی عادت بنتی جا رہی تھی۔

زندگی نے اپنا ڈھب اچانک ہی کروٹ کی مانند بدل لیا تھا، پیا جانتی تھی فرحاب اپنے اندر چھڑی جنگ سے الجھا ہوا ہے سو اس کی باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔

اس کی زندگی کا سب سے بڑا دن ہی اس کی زندگی کا سب سے برا دن ثابت ہوا تھا، جب وہ لائم لائٹ میں آئی جب اسے فیم ملا مگر وہ کسی بھی چیز کو اس طرح سے محسوس ہی نہیں کر پائی، ہاسپٹل میں متعدد لوگ اس کو پہچان کر اس سے آٹو گراف لینے کے لئے آئے اور آہیں اس کے اندر بین ڈالنے لگتیں وہ خاموشی سے معذرت کرتی فرحاب کے کمرے کی طرف بڑھ جاتی اکثر پریس والے اس کے انٹرویو کے لئے اسے کالز پر کالز کرتے مگر وہ پک نہ کرسکتی، اس کے بارے میں الٹی سیدھی خبریں مشہور ہونے لگیں اسے مغرور کہا جانے لگا، مگر اسے چنداں پرواہ نہیں تھی اسے تو بس اپنا آشیانہ بچانا تھا جو تنکا تنکا بکھر رہا تھا۔

دروازے پر بجتی بیل نے پیا کو خیالات کی یورش سے باہر دھکیلا تھا وہ فوراً دروازہ کھولنے آگے بڑھی تھی کہ ہول میں اسے میکس کروک کا چہرہ نظر آیا تھا اس نے فوراً آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا میکس اندر بڑھ آیا اس کے ہاتھ میں ایک شاپر بھی تھا۔

''فرحاب اب کیسے ہیں؟'' صوفے پر اطمینان سے بیٹھتے اس نے پیا کی بکھری حالت کو دیکھتے پوچھا تھا۔

''پہلے سے کافی بہتر ہیں ماشاء اللہ! آپ سنائیں کافی دنوں بعد چکر لگایا آپ نے؟'' میکس کو اس کی فکر کا انداز اچھا لگا۔

''تھوڑا مصروف تھا انچوئیلی میں مما سے ملنے لندن گیا ہوا تھا۔''

''اچھا گڈ..... کیسی تھیں وہ؟..... ڈیڈ سے ملاقات ہوئی پھر؟'' پیا کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی بالآخر میکس اپنوں میں لوٹ رہا تھا جڑ کے بغیر تناور درخت بھی کمزور اور بودا ہوتا ہے یہی حال انسان کا بھی ہے، اپنے خونی رشتوں کے بغیر وہ دو آنے کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

''مام بہت خوش تھیں اور ڈیڈ سے بھی ملا.....اور.....'' وہ پر جوش تھا۔

''پیا..... پیا کہاں مر گئی ہو کیا تنگ آ گئی ہو اب تم بھی مجھ سے، جو یوں چھپنے کے بہانے ڈھونڈ رہی ہو۔'' فرحاب کی آواز دروازہ چیرتی باہر تک آ رہی تھی پیا کو ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے گھیر لیا وہ تو اسے سلا کے آئی تھی۔

''ایکسکیوزمی! میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ میکس سے معذرت کرتی فوراً اندر کی طرف بڑھی تھی۔

''جان کیوں چھڑا رہی ہو، بیمار اور اپاہج جو ہو گیا ہوں اب اور تمہیں میری کیا پرواہ تمہارے لئے ایک دنیا تڑپتی ہے اب، ایک بیمار اور اپاہج کے لئے تمہارے دل میں کیوں ہمدردی پیدا ہونے لگی۔'' پیا نے تاسف سے فرحاب کو حد پار کرتے دیکھا وہ یونہی چھوٹی سے چھوٹی بات پر طعنہ زنی کرنے لگتا تھا۔

''فرحاب پلیز..... کیا ہو گیا ہے آپ کو، میں باہر کچن میں تھی؟'' پیا نے دبی دبی آواز میں شکوہ کیا۔

''پاگل ہو گیا ہوں میں، زہر دے کر جان چھڑا لو اپنی مجھ سے، پانی ختم تھا جگ میں حلق سوکھ رہا ہے میرا مگر تمہیں کیا پرواہ؟'' وہ اور بھی بگڑا تو پیا اپنے آنسو پیتی جگ اٹھا کر باہر نکلی۔

''میں ابھی پانی لے کر آتی ہوں۔''

''رہنے دو اب، مجھے پانی نہیں پینا اب صرف زہر پینا ہے وہی لا دو، تاکہ تمہاری بھی جان چھوٹے اور میری بھی؟'' پیچھے سے وہ حلق کے بل چلایا تھا پیا نے خاموشی سے آ کر کچن سے پانی لیا اور ایک گہری سانس لی میکس کروک کب کا جا چکا تھا ٹیبل پر وہی شاپر رکھا جس میں جانے وہ کیا لایا تھا۔

☆☆☆

فرحاب شفیق کے دوسری بار سونے کا اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد وہ باہر لاؤنج میں آئی تھی اس نے شاپر کھول کر دیکھا تو اس میں پیک کیا ہوا چاکلیٹ کیک تھا، پیا نے حیرت سے کیک کو دیکھا اس پر پیا کا نام وش کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔

پیا کی آنکھیں بے اختیار بھر آئیں آج اس کا برتھ ڈے تھا اور اسے یاد ہی نہیں تھا، مگر میکس کروک کو یاد تھا شاید اس لئے کہ وہ اس کی پرواہ کرتا تھا یا شاید اس لئے بھی کہ اسے پیا سے ہمدردی تھی اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تو ہوسکتی ہے کہ پیا کے چہرے نے میکس کروک کو بے تحاشا دولت اور فیم دیا تھا تو وہ اس کی پرواہ کرتا ہو، پیا

نے تمام ممکنات پر غور کیا تھا مگر ایک بات پر غور نہیں کیا تھا کہ کوئی اور جذبہ بھی ہو سکتا ہے جو میکس کو یوں بار بار پیا کی طرف کسی مقناطیسی کشش کی طرح کھینچ کر لاتا ہے۔

''میکس یہ کیک یقیناً ساتھ مل کر سیلبریٹ کرنے کی غرض سے لائے ہوں گے مگر فرحاب کے غصے کی وجہ سے اسے جلدی جانا پڑا تھا۔''

پیا کیک کی پھلتی کریم پر نگاہ جمائے افسردگی سے سوچتی رہی تھی، اس کی نگاہ کیک کے ساتھ پڑے ایک اور چھوٹے سے شاپر پر پڑی پیا نے اٹھا کر دیکھا تو وہ کسی جیولر شاپ کا چھوٹا سا بیگ تھا پیا نے ہاتھ ڈال کر اندر سے مخملی کیس نکالا اور اسے کھول کے دیکھا جگر جگر کرتے ڈائمنڈز کا خوبصورت بریسلیٹ اپنی چھبن دکھاتا پیا کی نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا وہ اس کا برتھ ڈے گفٹ تھا جو میکس اسے دے نہیں پایا تھا، پیا نے اسے کال کرنے کا سوچا مگر رات دو بجے کا وقت دیکھ کر رک گئی میکس کو رات گئے اس کی کال نے یقیناً متوحش کر دینا تھا سو اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

''رات کو کون آیا تھا پی!'' وہ فرحاب کے لئے وہی کیک سریل کے ساتھ صبح ناشتے میں لے کر آئی تھی جو رات میکس لے کر آیا تھا تبھی کیک پر نگاہ پڑتے ہی اس نے پیا سے پوچھا تھا پیا نے اس کے گلے کے گرد نیپکن لپیٹتے آہستگی سے اس کا نام لیا تھا۔

''میکس!''

''کیوں؟'' پیا کا کیک سے بھرا چمچ والا ہاتھ فرحاب نے پکڑ کر روک لیا تھا وہ جب سے بیمار ہوا تھا پیا کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ بازو بالکل ٹھیک تھے مگر وہ صرف پیا کی توجہ حاصل کرنے کے لئے جان بوجھ کر اس کے ہاتھ سے کھانے کی ضد کرتا جانے کیوں مگر وہ پیا کو زچ کر کے خوشی محسوس کرنے لگا تھا۔

''میرا برتھ ڈے تھا کل، وش کرنے آئے تھے رات؟'' پیا نے دھیمے لہجے میں رات یاد کر کے مختصراً بتایا۔

''مجھے کیوں نہیں ملا پھر، یا پھر آیا ہی تم سے ملنے تھا؟'' پیا کا وجود اس بات پر ساکت ہو گیا فرحاب نے بے حد اطمینان سے اس کے ہاتھ میں پکڑا چمچ منہ میں ڈال لیا تھا۔

''وہ آپ سے بھی ملنے آئے تھے مگر آپ سو رہے تھے؟'' پیا نے جان بوجھ کر اس کی چیخنے چلانے والی حرکت کو مخفی کرتے کہا تھا۔

''تم نے اس کے ساتھ مل کر کیک کاٹا ہوگا، ہے ناں؟'' فرحاب کی تفتیش ابھی بھی جاری تھی۔

''بس کر دیں فرحاب! برداشت کی بھی حد ہوتی ہے وہ صرف دس منٹ کے لئے آئے تھے مگر آپ کے چیخنے چلانے پر واپس بھی فوراً چلے گئے بغیر بتائے اور ان کا لایا کیک میں نے ان کے جانے کے بعد دیکھا تھا۔'' پیا کی وضاحت کرنے پر فرحاب شفیق ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا تھا وہ پیا پر اعتبار کرتا تھا مگر پھر بھی یہ بات اکثر بھول جاتا تھا اپنی بیماری نے اسے حد درجہ شقی القلب اور قدامت پسند بنا دیا تھا وہ پیا کے معاملے میں ان سکیور ہو رہا تھا وہ زندگی کو ان سکیور لے رہا تھا۔

''سوری...... میرا کہنے کا مقصد وہ نہیں تھا؟'' کچھ دیر بعد پیا جب واش روم سے تیار ہو کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو اس نے آہستگی سے کہا تھا، پیا نے کوئی جواب نہیں دیا اس کا دل ہی نہیں چاہا کسی وضاحت کا اعتبار کرنے کو۔

''شادی کو پونے دو سال ہونے والے ہیں فرحاب اور اتنا وقت کسی بھی انسان کو پرکھنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔'' پیا نے بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کر لپ اسٹک اٹھا کر ہونٹوں پر لگانی شروع کی تھی۔

''آئم سوری پیا!'' فرحاب اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا وہ گھر، آفس اور اس کی ذمہ داری بروقت اور بیک وقت نبھا رہی تھی وہ گھن چکر بنی خود کی ذات کو مسلسل فراموش کئے ہوئے تھی فرحاب کو احساس تھا مگر وہ اپنے چڑچڑے پن میں یہ بات اکثر بھول جاتا تھا۔

''میں سہ پہر تک لوٹ آؤں گی آپ کا کھانا ادھر ہاٹ پاٹ میں رکھ دیا ہے لازمی کھا لیجئے گا اور دوا بھی لازمی لینی ہے میں نے پھر شام کو ایک فزیو تھراپسٹ سے ٹائم لیا ہے آپ کے لئے میں نے، وہ آپ کے زخموں کا جائزہ لے کر بتائے گا کہ آپ کو مصنوعی ٹانگیں کب تک لگ سکتی ہیں۔'' اس نے بیگ میں موبائل اور والٹ رکھتے ہوئے مصروف سے لہجے میں بتایا تھا، فرحاب بے حد سنجیدہ ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''اتنی جلدی تنگ آ گئی ہو مجھ سے کہ جلد از جلد ٹانگیں لگوا کر جان چھڑانا چاہ رہی ہو حالانکہ ابھی تو میرے زخم بھی مندمل نہیں ہو پائے۔'' وہ پھر خود ترسی کا شکار ہوتے پھٹ پڑا تھا اس کے لہجے کی کاٹ نے پیا کا دل چیر کے رکھ دیا تھا، پیا کو سمجھ نہ آتا آخر فرحاب کو ہو کیا گیا تھا وہ ایسا کیوں بی ہیو کرنے لگے تھے حادثات سبھی کی زندگی میں رونما ہوتے ہیں مگر کوئی بھی یوں احساس کمتری کا شکار ہو کر اتنا اثر نہیں لیتا ہوگا جتنا فرحاب نے اس حادثے کو خود پر سوار کر لیا تھا، حالانکہ فرحاب ہی کہا کرتا تھا کہ حادثات انسانوں کو مضبوط بنانے کے لئے رونما ہوتے ہیں اور وقت پڑنے پر فرحاب خود ہی یہ بات بھول گیا تھا، وہ حد درجہ خود ترسی کا شکار رہنے لگا تھا، چیخنا چلانا، چڑچڑا پن، خود ترسی احساس کمتری جیسے جذبے نجانے کہاں سے امڈ امڈ کر اس کے وجود کا حصار کرنے لگے تھے، آنسو چھپانے کو پیا نے آنکھوں پر سن گلاسز لگا لئے حالانکہ ایسا موسم تو نہ تھا مگر اپنی ذات کا اشتہار لگانا اسے مقصود نہ تھا اس نے روڈ پر آ کے اپنے لئے کیب روکی اور بیٹھ گئی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

مصباح علی تارڑ

دادی کا مزاج آج صبح سے ہی بہت غضبناک تھا جس کی وجہ پینو (کام والی) تھی جس کی اس ہفتے میں آج تیسری چھٹی تھی۔

''کم بخت! پیسے تو مہینہ شروع ہوتے ہی لے لیتی ہے اور کام کرتے ہوئے جان جاتی ہے، پر اس میں اس کا بھی کوئی قصور نہیں جب اسے تنخواہ ایڈوانس میں مل جاتی ہے تو ایسے نخرا کرنا تو بنتا ہے، کتنی بار کہا ہے بہو اسے پیسے مہینہ پورا ہونے کے بعد دیا کرو مگر نا جی نا میرا کہا مانتے تو شان گھٹتی ہے بی بی کی۔'' بولتے بولتے دادی کی توپوں کا رخ ہمیشہ کی طرح خدیجہ چچی کی طرف ہو گیا تھا، جو برآمدے کے دائیں طرف بنے کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں دادی کی کڑوی کسیلی انہیں بھی سنائی دے رہیں تھیں مگر ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی ان کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

ناولٹ

''چچی! آپ دادی کی اتنی سخت باتوں کو اتنے آرام سے کیسے برداشت کر لیتی ہیں آپ کو غصہ نہیں آتا ان کی اتنی غلط باتوں پہ۔'' دادی ناشتہ کر کے برآمدے میں بچھی چارپائی پہ جا کر لیٹ گئی تو زرین جو چچی کے قریب رنگیلے پایوں والے پیڑھے پہ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی پیڑھا چچی کے اور قریب گھسیٹتے ہوئے دبی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔

''ارے نہیں بچے غصہ کس بات کا کرنا، وہ میری بڑی ہیں، میں ان کی کسی بات کا برا نہیں مانتی اور ویسے بھی وہ مزاج کی تھوڑی سخت ہیں دل کی بری نہیں ہیں۔'' چچی نے پراٹھا توے سے اتار کر اس پہ مکھن لگاتے کہا تھا، تو وہ بس ان کو دیکھتی رہ گئی تھیں، وہ سارا دن ساس کا برا بھلا ہنس کر برداشت کر لیتی تھیں، مجال ہے جو کبھی بھی ماتھے پہ بل آئے ہوں اور ایک اس کی مما تھیں

کبھی جو دادی سال دو سال بعد ان کے ہاں لاہور رہنے کے لئے آ جاتیں تو مما کی برداشت دو دن بعد ہی جواب دے جاتیں تیسرا دن دادی کو کبھی وہاں رہنا نصیب نہ ہوا تھا، کیونکہ مما کوئی بھی لحاظ کیے بغیر ان کو ڈرائیور کے ساتھ واپس گاؤں روانہ کر دیتیں تھیں، ابھی دو ماہ پہلے بھی تو ایسا ہی ہوا تھا ایک دن شام کو دادی وہاں پہنچی تھیں اور اگلے ہی دن کسی بات پہ مما کا ان سے زبردست جھگڑا ہوا تھا مما نے ہمیشہ کی طرح کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر انہیں بے نقط سنا ڈالی تھیں، نتیجے کے طور پر اگلے دن شام کو دادی گاؤں میں تھیں، مہرین آپی، زرین بھیا اور وہ خود کتنی بار مما سے اس بات پہ جھگڑا کر چکے تھے کہ وہ گھر ان کے بیٹے کا تھا، وہاں رہنے کا دادی کو بھی اتنا ہی حق تھا جتنا ان لوگوں کو، مگر مما بھی اپنے نام کی ایک تھیں مجال ہے جو اپنے رویے میں کوئی تبدیلی لائی ہوں، پچھلی بار بھی انہوں نے مہرین آپی کو جھاڑ کے رکھ دیا تھا۔

''تم لوگوں کا جو دل آئے کہو، مگر میں اس بڑھیا کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی، غضب خدا کا ہر چیز میں نقص، ہر بات پہ اعتراض، سارے گھر کا سکون برباد کر دیتی ہے بڑھیا آ کر اور یہ چیز مجھے بالکل گوارا نہیں۔'' مہرین آپی نے بہت تاسف سے مما کو دیکھا تھا، ہمیشہ کی طرح اب بھی دادی کے بارے میں بولتے وہ کہیں سے بھی پروفیسر صالحہ احمد نہیں لگ رہی تھیں، بلکہ ایک جاہل گنوار، ساس سے جھگڑنے والی روایتی عورت لگ رہی تھیں، مہرین کی متاسفانہ نظروں کا مفہوم جان کر مما کو کچھ اور تپ چڑھ گئی تھی تبھی تو جل کر بولی تھیں۔

''یہ جو تم لوگوں کو دادی کی محبت کے مروڑ اٹھ رہے ہیں نا تو سن لو ذرا، بالکل بھی سگی نہیں ہے وہ بڑھیا تم لوگوں کی، ابھی کل ہی تمہارے خلاف کان بھر رہی تھی تمہارے پپا کے ''وے منصورے تیری تے مت ماری گئی اے غیرت مر گئی اے تیری جو جوان جہان کڑی نوں منڈیاں نال پڑھنے پا دیتا ای۔'' مما نے خالص دادی والے اسٹائل میں بولتے دادی کے لئے مہرین آپی کی ہمدردیوں کو تھوڑا کم کرنا چاہا تھا مگر اس میں انہیں حسب معمول ناکامی ہوئی تھی۔

''تو کیا ہوا مما وہ بزرگ ہیں تھوڑے پرانے خیالات کی مالک ہیں انہیں میرا یونیورسٹی میں پڑھنا اچھا نہیں لگا ہوگا تو پپا سے یہ بات کر دی ہوگی اور ویسے بھی پپا کون سا ان کے کہنے پر میرا یونیورسٹی جانا بند کرنے والے تھے جو آپ نے اتنا ہنگامہ کھڑا دیا ہے، خدیجہ چچی بھی تو ہیں نا جو اتنے سالوں سے دادی کے ساتھ رہ رہی ہیں، صبح و شام ان کا جلا کٹا سنتی ہیں ان دونوں میں تو کبھی جھگڑا نہیں ہوا اور اس میں سارا کمال چچی کا ہی ہے ورنہ دادی کو اعتراضات تو ان پہ بھی کم نہیں ہوتے، نقص تو وہ ان کے کاموں میں بھی نکالتی ہیں پر چچی ان کے ہر اعتراض کو ہنس کر جھیل لیتی ہیں اور ایک آپ ہیں دادی دو چار دن مہمان کے طور پہ آتی ہیں اور آپ سے وہ بھی برداشت نہیں ہوتا وہ دو چار دن بھی کبھی انہیں ڈھنگ سے نہیں رہنے دیا۔'' مہرین آپی تو مما کی اچھی بھلی کلاس لے کر وہاں سے واک آؤٹ کر گئیں تھیں اور مما نے اپنا سارا غصہ وہاں کھڑی زرین پہ اتارا تھا۔

''تم یہاں کھڑی کیا سن رہی ہو، دفعہ ہو جاؤ اپنے کمرے میں کتنی بار منع کیا ہے کہ بڑوں کی باتیں مت سنا کرو۔'' وہ بھی مما کی ہی بیٹی تھی چپ رہنے والی تو نہ تھی تبھی فوراً جواب دیا تھا۔

''مما پلیز اپنا غصہ صحیح جگہ پہ اتارا کریں اور یہ کیا ہر وقت بڑے بڑے لگائے رکھتی ہیں میں بھی کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہوں نیکسٹ ائیر میں میڈیکل کالج میں جانے والی ہوں انشاء اللہ۔''

''ہوں، میڈیکل کالج۔'' مما نے ہنکارا بھرتے کہا تھا۔

''ایڈمیشن سے پہلے دادی سے اجازت لے لینا کیونکہ میڈیکل کالج میں لڑکے بھی پڑھتے ہیں۔'' مما طنزاً کہتے ہوئے اٹھ گئیں تو وہ تاسف سے انہیں جاتا دیکھتی رہی، دادی سے تو انہیں اللہ واسطے کا بیر تھا اور اسی وجہ سے دادی نے ان لوگوں سے بھی کبھی اتنا پیار نہ کیا تھا جتنا وہ چچا کے بچوں حسن بھائی اور حیا آپی سے کرتی تھی، کیونکہ یہ خالصتاً زرین کا خیال تھا۔

ان دونوں بہنوں کی ہر بات پہ دادی کو اعتراض ہوتا ان کے لمبے ناخنوں پہ ان کے بالوں کی کٹنگ پہ، ان کی ڈریسنگ پہ، البتہ زرین بھیا سے ان کی محبت دیکھنے والی ہوتی تھی مہرین آپی سے ان کی پھر بھی کچھ بن جاتی تھی کیونکہ آپی ان کی کڑوی کسیلی چچی کی طرح ہنس کر ٹال جاتی تھیں کیونکہ وہ جانتیں تھیں کہ دادی ان لوگوں سے بھی اتنا ہی پیار کرتی ہیں جتنا چچا کے بچوں سے تبھی تو ہر بار مما سے اتنی عزت افزائی کروا کے جانے کے باوجود کچھ عرصے بعد انہیں ملنے آ جاتیں تھیں اس لئے وہ چپ چاپ دادی کی باتوں کو مسکرا کر جھیل لیتیں مگر زرین سے دادی کے بے وجہ اعتراضات کم ہی برداشت ہوتے تھے، اس نے کبھی ان سے بدتمیزی تو نہ کی تھی مگر دادی کی باتوں پہ اس کے چہرے کے زاویے تن جاتے تھے، جس پہ دادی نے ایک بار اسے یہ بھی کہہ دیا تھا۔

''ایہہ کڑی مزاج وِلوں بالکل اپنی ماں تے گئی اے۔'' ان کی یہ بات سن کر زرین کا دل تو کیا تھا کہ کہہ دے۔

''ماں تے نہیں دادی تہاڈے تے۔'' مگر وہ صرف دل میں ہی سوچ سکی تھی دادی کے منہ پہ کہہ کر اسے اپنی شامت نہیں بلوانی تھی، کیونکہ دادی تو پہلے بھی ان دونوں بہنوں سے اکثر ناراض رہتی تھیں اور اسی وجہ سے وہ بھی دادی سے دور دور ہی رہتی تھی، اسے بہت دکھ ہوتا تھا جب دادی چچا کے بچوں کے بارے میں مسکرا مسکرا کر بات کرتیں اور جب ان دونوں بہنوں کی کوئی بات آتی تو ان کے ماتھے کے بل نمایاں ہو جاتے دادی کے اس دوغلے پن کا ذکر اس نے ایک بار مہرین اپیا کے سامنے کر دیا تو جواباً انہوں نے اسے اچھی طرح جھاڑ کے رکھ دیا تھا۔

''کیونکہ وہ لوگ ان کے ساتھ رہتے ہیں ایک ہی گھر میں، ان کے ہاتھوں پلے بڑھے ہیں، دن رات وہ اور ان کے ماں باپ دادی کی خدمت کرتے ہیں جبکہ ہماری ماں نے شادی کے بعد ایک سال بھی نہ گزارا تھا وہاں ان کے ساتھ اور پپا کو لے کر وہاں آن بسی تھیں، سالوں ہم لوگوں کو کبھی وہاں جانے نہیں دیا، پپا کبھی مہینوں بعد اپنی ماں سے ملنے چلے جائیں تو مما کا بس نہیں چلتا کہ کسی طرح انہیں روک لیں اس بات پہ وہ کئی بار ہمارے سامنے پپا سے جھگڑا کر چکی ہیں اور جو کبھی کبھار دادی بیٹے اور پوتے پوتیوں کی محبت میں یہاں آ جاتی ہیں تو انہیں جس طرح بے عزت کر کے یہاں سے نکالا جاتا ہے وہ سب تم سے پوشیدہ تو نہیں ہے، افسوس ہو رہا ہے مجھے تم پہ کہ دادی کا رویہ نظر آ گیا ہے مما کا دادی کے ساتھ سلوک نظر نہیں آتا تمہیں، دادی ہم سے نفرت کرتی ہیں یہ محسوس ہو گیا تمہیں مگر یہ خیال نہیں آیا کبھی تمہارے دل میں کہ ہر بار اس گھر سے ذلیل ہو کر نکلنے کے باوجود وہ پھر سے یہاں

چلی آتی ہیں تو کس کی محبت انہیں کھینچ لاتی ہے، جبکہ پپا بھی مہینوں بعد ہی سہی ان کو خود جا کر مل آتے ہیں تو پھر آخر دادی یہاں کیوں بھاگی بھاگی چلی آتی ہیں، کبھی آنکھوں سے دادی کے لئے چھائی بدگمانی کی پٹی اتار کر دیکھنا تو جواب مل جائے گا اور تمہیں، تمہارے دادی کے بارے میں جو خیالات ہیں ان پہ شرمندگی ہو گی۔" آپی تو اسے لفظوں کی مار مارنے کے بعد وہاں سے جا چکی تھیں جبکہ زرین منصور احمد وہاں بیٹھی ان کی باتوں پہ غور کرتی رہ گئی، پھر اس کے بعد یہ ضرور ہوا تھا کہ اس کے دادی کے ساتھ تعلقات کسی حد تک دوستانہ ہو گئے تھے۔

☆☆☆

دو دن گاؤں میں رہ کر وہ واپس آنے لگی تھی جب دادی نے اسے گلے لگا کر پیار کرتے بھیگے لہجے میں کہا تھا۔

"توں کچھ دن ایتھے رک جاندی کڑیے تینوں ایس گھر وچ ٹردیاں پھردیاں ویکھ کے دل نوں سکون ملدا اے۔" دادی کی بات پہ خدیجہ چچی جو ان لوگوں کے لئے مکئی کا آٹا بڑے سے شاپر میں ڈال رہی تھیں کہ ہاتھ سست پڑ گئے تھے، دادی کی اس طرح کی باتوں کا مطلب زرین سمجھتی نہ سمجھتی خدیجہ چچی ساس کی اشارے کنائیوں میں سنائی گئی ان باتوں کا مفہوم اچھی طرح جانتی تھیں ساس کی اس طرح کی باتیں ہر بار ان کا سکون درہم برہم کر دیتی تھیں مگر ان کی اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ پلٹ کر جواب دے سکیں، وہ ساس کا بہت احترام کرتی تھیں ان کی جلی کٹی کھلے دل سے برداشت کر لیتی تھیں ان کے شوہر نے شادی کی پہلی رات ہی ان کو یہ سبق اچھی طرح ذہن نشین کرا رہا تھا یہ کہتے ہوئے کہ اگر انہیں اپنے شوہر کی محبت اور توجہ حاصل کرنا ہے تو اپنی ساس کی کسی بات کا برا نہیں ماننا پلٹ کر انہیں جواب نہیں دینا کیونکہ اگر اس کی ماں اس سے خوش رہیں تو وہ بھی خوش ورنہ ان کی اس گھر اور شوہر کے دل میں کوئی جگہ نہ ہوتی، شوہر کی اس سرد لہجے میں دی جانے والی دھمکی کی وجہ سے وہ آج تک ساس کے سامنے بولنے کی ہمت نہ کر سکی تھیں ان کی غلط باتوں پہ بھی نہیں اور کرتی بھی کیسے کس کے مان پہ کیونکہ شوہر نے تو کبھی ہنس کر بات نہ کی تھی اور بیٹے کا بہو کے ساتھ ایسا رویہ دادی کو بہت سکون دیتا تھا، یہ ڈر اور خوف کہ یہ بہو بھی ان کے بیٹے کو ان سے چھین کر دور لے جائے گی ان کے اندر اس مضبوطی سے جڑ پکڑ چکا تھا کہ بعض اوقات وہ بہو سے بہت زیادتی کر جاتی تھیں۔

بغیر وجہ کے بیٹے کے سامنے وہ بہو کے ہر کام میں نقص نکالتی تا کہ ان کے بیٹے کا دل بیوی کی طرف سے کھٹا ہی رہے، یہی وجہ تھی کہ ان کا شوہر آج تک ان سے خوش نہ ہو سکا تھا، آج اتنے سالوں بعد جب ان کی اولاد بھی جوان ہو چکی تھی وہ شوہر کے دل میں وہ مقام بنانے میں ناکام رہی تھیں جو ان کا حق تھا، مگر وہ کبھی کوئی شکوہ زبان تک نہ لائی تھیں، مگر اس بات پہ وہ بہت خوش اور مطمئن تھی کہ ساس کا رویہ ان کے ساتھ جیسا بھی سہی مگر پوتے پوتی سے ان کی محبت مثالی تھی، مگر اب پچھلے کچھ عرصے سے ساس کے اندر سر اٹھاتی خواہشوں پہ وہ پریشان رہنے لگی تھیں ساس کے ارادے انہیں اندر تک ہلا دیتے تھے، زرین بھی تو اس ماں کی ہی بیٹی تھی جس نے اس گھر میں چند مہینے مشکل سے نکالے تھے تو پھر وہ کیسے یہاں رہ پائے گی شہری ماں کی وہ شہری بیٹی اندر ہی اندر انہیں زہر لگتی تھی جو کبھی کبھار باپ کے ساتھ دادی کو ملنے آنے لگی تھی، انہیں اس سے

نفرت سی ہونے لگی تھی مگر وہ اس نفرت کا اظہار نہیں کر سکتیں تھیں کہ وہ صرف دادی کی ہی نہیں ان کے شوہر کی بھی چہیتی تھی، دادی کے ارادے تو مہرین کو اس گھر میں بیاہ کے لانے کے تھے مگر جب صالحہ احمد نے مہرین کا رشتہ اپنے بھانجے سے کر دیا جو کینیڈا رہتا تھا تو جہاں دادی تھوڑی دکھی ہوئی تھیں وہیں خدیجہ نے سکون کا سانس لیا تھا کہ چلو بھلا ٹلی مگر اب زرین کے لئے ساس کے ارادے انہیں پھر سے پریشان کرنے لگے تھے۔

اب بھی ساس کی بات پہ ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، ان کی نگاہیں خود بخود ہی کچھ فاصلے پہ کھڑے حسن ابراہیم پہ جا ٹھہری تھیں جس کی مسکراتی نگاہیں دادی کو گلے ملتی زرین منصور احمد کے گلابی چہرے کو فوکس کیے ہوئے تھیں، اس کے چہرے کی مسکراہٹ اور نگاہوں کا والہانہ پن اس بات کا غماز تھا کہ وہ بھی دادی کی بات کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور بیٹے کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ اور آنکھوں سے چھلکتے والہانہ جذبے خدیجہ چچی کو کچھ اور بے سکون کر گئے تھے، تبھی جلدی سے مکئی کے آٹے والا شاپر حسن کو پکڑاتے کہا تھا کہ اسے گاڑی میں رکھ آئے اور حسن کے وہاں سے ہٹنے پہ گہری سانس خارج کرتے سکون کا سانس لیا تھا، مگر رات کو جب اماں نے ابراہیم احمد سے پوچھا تھا کہ انہوں نے منصور احمد سے حسن اور زری کے رشتے کی بات کی ہے یا نہیں تو خدیجہ چچی جو پاس ہی موجود تھیں سانس روکے فق چہرے کے ساتھ شوہر کے کی طرف دیکھنے لگی تھیں، پھر ابراہیم احمد کا یہ جواب کہ۔

"اوہو! اماں آپ بھی نا بس ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے، آپ کو کس بات کی جلدی ہے اور حسن کو جاب تو مل لینے دیں، پھر صرف بات ہی نہیں کروں گا بلکہ ہاں بھی کہلواؤں گا ابھی بات کی تو انکار ہی ہو گا، یاد ہے نا کہ صالحہ بھابھی نے مہرین کی بار بھی حسن کی جاب نہ ہونے کو بنیاد بناتے انکار کیا تھا۔" بیٹے کی بات پہ دادی چپ کر گئی تھیں کیونکہ انہیں بھی صالحہ احمد کی وہ بات یاد آ گئی تھی۔

"خالی خولی ڈگریوں سے پیٹ نہیں بھرتا، کوئی روزگار بھی تو ہو اور کی کرنا ان ڈگریوں کا جنہیں حاصل کر کے بھی کھیتوں میں ہی کام کرنا ہو، جاب ہوتی تو ہم پھر بھی سوچتے۔" صالحہ احمد نے تنفر سے سر جھٹکتے کہا تھا اور اب ان کی بات یاد آتے ہی دادی کو ابراہیم احمد کی بات درست لگی تھی تبھی دل ہی دل میں پوتے کی کامیابی کی دعا کرتی چپ ہو گئی تھیں اور دل ہی دل میں دعا تو خدیجہ چچی نے بھی کی تھی کہ اللہ کرے حسن کی جاب سے پہلے پہلے صالحہ زرین کا رشتہ بھی اپنے کسی بھانجے بھتیجے سے طے کر دے تو ان کی جان چھوٹے، اگلے دن انہوں نے شوہر اور ساس کے درمیان ہونے والی گفتگو جیا کو سنائی تو ایک لمحے کو وہ بھی چپ ہو گئی تھی، پھر یہ سوچ کہ بے شک زرین کی حسن کے ساتھ کافی دوستی تھی، وہ ان لوگوں سے بھی بہت اچھے طریقے سے ملتی تھی مگر جیا یہ بھی جانتی تھی کہ کبھی کبھار گاؤں آنے والا ہمیشہ کے لئے آنے میں بڑا فرق تھا اور زرین جیسی شہر میں رہنے والی ماڈرن لڑکی یہاں گاؤں کے ماحول میں ایک دو دن تو گزار سکتی تھی ساری زندگی نہیں، اس لئے اس کا خیال تھا کہ زرین اس رشتے کے لئے کبھی نہیں مانے گی کیونکہ ان کے ماحول اور یہاں گاؤں کے ماحول میں بہت فرق تھا اور اگر زرین مان بھی جاتی تو صالحہ تائی نے نہیں ماننا تھا اس بات کا جیا کو پورا یقین تھا مہرین

کی دفعہ بھی تائی نے حسن کی جاب کو صرف بہانہ بنایا تھا، ورنہ اصل میں تو انہیں یہاں گاؤں میں اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہی نہیں تھی اور اس لئے ہی جیا نے یہ کہتے ہوئے ماں کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں اماں، صالحہ تائی اس رشتے کے لئے کبھی نہیں مانیں گی آپ کو کیا لگتا ہے کہ اپنی نازوں پلی بیٹی کو وہ یہاں اس ماحول میں بیاہ دیں گی جس میں وہ خود ایک سال بھی نہ ٹکی تھیں، میرے خیال میں تو کبھی بھی نہیں۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو ورنہ مجھے بہت ڈر لگتا ہے جیا، میرا تو ایک ہی بیٹا ہے تمہاری دادی نے تو منصور بھائی کی جدائی سہہ لی کہ ان کے پاس تمہارے ابا تھے، مگر میری تو کل کائنات ہی حسن ہے اگر وہ مجھ سے چھن گیا تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گی اس کی دوری مجھ سے برداشت نہ ہو گی۔'' بولتے بولتے خدیجہ چچی کا گلا رندھ گیا تھا۔

اس بات سے بے خبر کہ ان ماں بیٹی کی باتیں سن کر باہر دروازے کے پاس کھڑا ان کا اکلوتا لخت جگر گویا پتھر کا ہو گیا تھا، تو زرین کے لئے اس کی ماں کے لہجے کا تلخ پن، اس کے ساتھ ماں کا کھینچا کھینچا رویہ اس وجہ سے تھا، وہ کچھ بے چین سا وہاں دروازے سے ہی واپس پلٹ گیا اور پھر صرف اسی دن ہی نہیں بلکہ اگلے کئی دن بھی ماں کی باتوں نے اس کو پریشان رکھا تھا۔

☆☆☆

ایف ایس سی کے ایگزامز کے بعد وہ فارغ ہوئی تو چند ہی دن میں سارا وقت گھر پہ اکیلے گزارتے بور ہو گئی تھی، زین بھائی اور پپا آفس چلے جاتے مما کالج مہرین آپی یونیورسٹی تو پیچھے وہ اکیلی بور ہو جاتی اور اسی بوریت سے تھک کر وہ اس دن اپنی بیسٹ فرینڈ الوینہ کے گھر چلی آئی تھی، وہ سارا دن الوینہ کے ہاں گزار کر شام کو جب واپس آئی تو سامنے چچا جان اور دادی کو دیکھ کر جو صوفے پہ بیٹھے پپا سے باتوں میں مصروف تھے اس کا دل باغوں باغ ہو گیا تھا، وہ لوگ حسن کو جاب ملنے کی خوشی میں مٹھائی دینے آئے تھے۔

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی چچا کے گلے سے لگ گئی تھی، چچا جان نے بھی اس کے سر کو چومتے اسے ساتھ لگا لیا تھا اور جب انہوں نے اسے بتایا کہ سی ایس ایس کا امتحان پاس کرنے کے بعد حسن کو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں جاب مل گی ہے تو خوشی کے مارے وہ ایک بار پھر سے چچا کے گلے میں بانہیں ڈال گئی تھی تو پپا چچا بھتیجی کی محبت کے ان مظاہروں پہ زیر لب مسکرا دیئے تھے، دادی تو پہلے بھی سال دو سال بعد پپا کے ساتھ آ جاتیں تھیں یہ الگ بات کہ انہیں کبھی دو دن سے زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا تھا مگر چچا کو اس نے ہوش سنبھالنے کے بعد بہت کم یہاں آتے دیکھا تھا، شاید ایک دو بار اور ویسے بھی مما دادی اور چچا وغیرہ کا یہاں آنا پسند نہ کرتیں تھیں ان کی آمد پہ مما کے چہرے کے زاویے بگڑ جاتے تھے اور یہ چیز چچا اور ان کی فیملی نے بھی محسوس کر لی تھیں تبھی چچا یا ان کی فیملی کے افراد کم ہی ان لوگوں کے ہاں آتے تھے چچی تو بہت سال پہلے جب مما کے بابا کی ڈیتھ ہوئی تھی تب آئیں تھیں اس کے بعد اتنے سال گزر گئے تھے مگر اس نے چچی کو اپنے گھر آتے نہ دیکھا تھا، حسن بھی بس ایک دو بار کچھ دیر کو ہی آیا تھا، جیا آپی تو ایک بار بھی نہ آئیں تھیں اور اب چچا جان کو ایک عرصے بعد اپنے گھر میں دیکھ کر اسے بہت زیادہ خوشی ہوئی

تھی اور اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات اس کے لئے یہ تھی آج مما بھی نہ صرف وہاں ان لوگوں کے پاس بیٹھی تھیں بلکہ انتہائی خوشگوار موڈ میں چچا اور دادی سے باتوں میں مصروف تھیں وہ خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی تھی کہ آج یہ معجزہ کیسے رونما ہو گیا تھا وہ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر کچن میں چلی آئی تھی جہاں مہرین آپی کنیز کے ساتھ مل کر کھانا بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔

''آپی مما کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا آج، ابھی کل ہی تو ان کا اور پپا کا زبردست جھگڑا ہوا تھا دادی کی کسی بات کو لے کر اور آج وہ ایسے.....'' مما کو کچن میں آتا دیکھ کر وہ ایکدم سے چپ کر گئی تھی۔

''مہر! میٹھے میں لذیذ کھیر ضرور بنوانا تمہاری دادی کو پسند ہے اور ہاں پودینے کی چٹنی بھی بنانا تمہارے چچا کو سالن سے زیادہ چٹنی کے ساتھ روٹی کھانا پسند ہے۔'' مما تو مہرین کو ہدایت نامہ جاری کر کے کچن سے نکل گئی تھیں جبکہ وہ وہیں کھڑی حیرتوں کے سمندر میں بری طرح غوطہ زن تھی۔

''منہ تو بند کر و یار مکھی چلی جائے گی اندر۔'' آپی نے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''آئی کانٹ بلیواٹ یار، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کم از کم اس صدی میں تو ہرگز نہیں، بلیوی یار مجھ سے مما کا سسرالی رشتے داروں کے لئے اتنا پیار بالکل بھی ہضم نہیں ہو رہا۔'' اس نے مہرین آپی کی طرف مڑتے ہوئے کنیز کی موجودگی کے خیال سے قدرے آہستہ آواز میں کہا تھا، وہ واقعی ہی حیران تھی اور اس کی حیرانی زیادہ اس وجہ سے تھی کہ کہاں تو مما چچا اور دادی لوگوں کی شکل دیکھنے کی روادار نہ تھیں ان لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے ہمیشہ ان کی طبیعت خراب ہونے لگتی تھی اور کہاں آج ان لوگوں کی پسند کی ڈشز بنوائی جا رہی تھیں اور پھر حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا ان دونوں بہنوں کو تب لگا جب دو دن بعد پپا کے ساتھ مما کو بھی گاؤں جانے کے لئے تیار ہوتے دیکھا وہ چچی کو حسن بھائی کی جاب کی مبارکباد دینے جا رہی تھیں۔

''آپی یہ چچی کے ساتھ مما کے مراسم اتنے دوستانہ کب سے ہو گئے کہ مما ان تکلفات میں پڑ رہی ہیں۔'' اس نے آپی کے قریب ہو کر سرگوشی کی تھی جیسے مما نے بھی سن لیا تھا اور جواب میں اپنے ایک عدد گھوری سے نواز کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔

اور حیرانگی کا تیسرا جھٹکا اسے تب لگا جب کچھ دن بعد پپا گاؤں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے تو مما نے خود سے ہی اسے یہ کہتے ہوئے گاؤں جانے کی اجازت دی تھی۔

''گھر میں فارغ بیٹھ کہ جو سارا دن بور ہوتی رہتی ہو تو کچھ دنوں کے لئے گاؤں ہی چلی جاؤ، اس دن بھی تمہاری دادی کہہ رہی تھیں کہ زری کو ہی لے آنا تھا۔''

مما کی بات سن کر وہ فوراً تیار ہونے کو دوڑی تھی مارے خوشی کے اس کو یہ تک سوچنے کی مہلت نہ ملی تھی کہ مما تو اس کے گاؤں جانے کے سخت خلاف تھیں کبھی کبھار جو وہ پپا کے ساتھ چلی جاتی تو مما کا موڈ ہفتوں اس کے ساتھ انتہائی خراب رہتا کتنے کتنے دن تک وہ اس سے بات تک نہ کرتی تھیں اور مما کی اسی ناراضگی کو مد نظر رکھتے ہوئے مہرین آپی اور زین بھیا کبھی گاؤں جانے کا نام تک نہ لیتے تھے۔

ایک بس وہ ہی تھی جو پھر بھی سال میں ایک دو بار گاؤں کا چکر لگا لیتی اور پھر کتنے سارے دن مما کے عتاب کا نشانہ بنتی، مگر آج مما نے خود ہی

پوچھے بغیر گاؤں جانے اور وہ بھی کچھ دنوں کے لئے وہاں رہنے کی اجازت کیسے دے دی، یہ سب سوچنے کی فرصت اس کے پاس نہ تھی، وہ منٹوں میں تیار ہو کر پپا کے ساتھ گاؤں کے لئے روانہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

پاپا کے ساتھ اسے دیکھ کر دادی بہت خوش ہوئی تھیں اور جب اس نے انہیں بتایا کہ وہ کچھ دن ان کے پاس ہی رہے گی تو جہاں دادی کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا تھا وہیں اس کی بات پہ خدیجہ چچی نے بے حد سراسیمہ نگاہوں سے جیا کی طرف دیکھا تھا اس کی بات پہ پریشان تو جیا بھی ہو گئی تھی کہ چچی سے تو اپنے بچوں کا ایک دو دن کے لئے بھی وہاں رکنا برداشت نہ ہوتا تھا تو اب انہوں نے کیسے اسے یہاں آ کر رہنے کی اجازت دے دی تھی، اس لمحے جیا کو بھی اپنی ماں کے خدشات درست لگنے لگے تھے، حسن کو جاب ملنے پہ صالحہ تائی کا مبارکباد دینے آنا، ہر دوسرے دن فون پہ کتنی کتنی دیر دادی کا حال احوال دریافت کرنا اور اب زرین کو کچھ دنوں کے لئے یہاں رہنے کی اجازت دینا، صالحہ تائی کے بدلتے رویے نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا جس بات کا اس کی مما کو ڈر تھا اگر واقعی میں ایسا ہو گیا تو وہ ماں بیٹی کیا کریں گی کیا وہ حسن کی دوری سہہ پائیں گی یہ ساری سوچیں جیا کا ذہن منتشر کر گئی تھیں اور انہی سوچوں کو لے کر اس بار اس کا رویہ زرین سے لیا دیا ہی تھا، مگر زرین کو تو گاؤں آ کر رہنے کی خوشی ہی اتنی تھی کہ اپنی اس خوشی میں اس نے جیا آپی اور خدیجہ چچی کے رویوں کے کھنچاؤ کو خاص فیل نہ کیا تھا حسن بھائی گھر پہ نہ تھے وہ اپنی جاب کے سلسلے لاہور میں تھے اس لئے ان سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی تھی، پندرہ سولہ دن وہ گاؤں میں رہی تھی اور اس عرصے میں حسن کا ایک بار بھی گھر آنا نہیں ہوا تھا اور چچی جو پہلے بیٹے کی جدائی کا ایک ایک دن گن گن کر گزارتی تھیں زرین کی موجودگی میں حسن کے گھر نہ آنے پہ بہت مطمئن تھیں کیونکہ بیٹے کے دل کا حال ان سے چھپا ہوا نہ تھا، اسی لئے وہ چاہتی تھیں کہ حسن کا زرین سے سامنا نہ ہی ہو تو اچھا ہے اور جس دن وہ لاہور واپس آ رہی تھی انہوں نے دل ہی دل میں خدا کا لاکھ شکر کیا تھا۔

☆☆☆

اس کا رزلٹ آ گیا تھا وہ شاندار نمبروں سے پاس ہو گئی اسے بہت آسانی سے میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا تھا، میڈیکل کی ٹف سٹڈی کی وجہ سے کتنے مہینوں تک اس کا گاؤں جانا نہ ہوا تھا مگر ایک دن سنڈے کو جب پپا کافی صبح صبح گاؤں کے لئے نکل رہے تھے، تو وہ بھی ان کے ساتھ ہو لی کیونکہ پپا نے اسی دن شام کو واپس آ جانا تھا، اسی لئے اس نے سوچا کہ منڈے کو اس کی کالج سے چھٹی نہیں ہو گی ہمیشہ کی طرح اس بار بھی گاؤں جاتے وہ بہت خوش تھی اس بات سے بے خبر کہ آج کے بعد اسے گاؤں جانے کے نام سے بھی وحشت ہونے والی تھی اگر اسے خبر ہو جاتی تو وہ کبھی وہاں نہ جاتی۔

چچا اور دادی ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بہت تپاک سے ملے تھے البتہ جیا آپی اور خدیجہ چچی رویے کا روکھا پن اس بار اس قدر واضح تھا کہ وہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی تھی، چچی جو دادی کے ڈر کی وجہ سے پہلے اس سے ہنس کر گلے مل لیتی تھیں اس بار ان کے چہرے پہ مسکراہٹ کی رمق تک نہ تھی جیا بھی پہلے کی طرح اس بار اس کے ساتھ اتنا ہنس بول نہ رہی تھی، انہیں شام کو واپس آ جانا تھا مگر جو ان لوگوں کے دور کے رشتے دار بھی تھے،

گاؤں میں پپا کے دوست کی ڈیتھ ہو گئی تو پپا اور چچا ادھر چلے گئے جس وجہ سے اس رات ان لوگوں کو ادھر ہی رہنا پڑ گیا، وہ دادی کے پاس اکیلے بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی تھی تو اٹھ کر کچن میں چلی آئی جہاں جیا آپی اور چچی کے آج کام ہی ختم ہونے کا نام تک نہ لے رہے تھے، حالانکہ اس پہلے وہ جب بھی آتی جیا آپی اسے بھرپور کمپنی دیتی تھیں۔

''ارے زرین تم دادی کے پاس بیٹھو نا، ہم لوگ بھی بس فارغ ہو کر وہیں آ رہے ہیں۔'' اسے کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر چچی نے کہا تھا۔

چچی کی بات پہ اس کے قدم کچن کے دروازے میں ہی رک گئے تھے مگر جیا آپی نے ماں کی گھوریوں کی پرواہ کیے بغیر پیڑھا آگے گھسیٹتے اسے بیٹھنے کو کہا تھا تو وہ چچی کے ماتھے کے بلوں کو بغور دیکھتی وہاں بیٹھ گئی یہ سوچتے کہ ہو سکتا ہے دادی کی کسی بات کی وجہ سے ان کا موڈ آف ہو۔

''چچی دیکھ لیں حسن بھائی لاہور میں ہوتے ہیں مگر وہ ایک بار بھی ہمارے گھر نہیں آئے اور دیکھیں میں کتنی بے وقوف ہوں جو آئے دن منہ اٹھا کر آپ لوگوں سے ملنے چلی آتی ہوں۔'' اس کے شکایتی انداز میں چچی سے کہنے پہ چچی کے لبوں پہ عجیب طنزیہ اور سرد سی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی اور جب بولیں تو لہجہ مسکراہٹ سے بھی عجیب اور سرد سا تھا۔

''ارے نہیں بچے آپ کہاں بے وقوف ہو، آپ تو بہت سمجھدار ہو بلکہ ضرورت سے بھی کچھ زیادہ سمجھدار ہو۔'' چچی کے جواب پہ وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی ان کی اس بات کا مطلب اخذ کرتی رہی یہ کیسی بات کی تھی چچی نے، کچھ ایسا ضرور تھا ان ماں بیٹی کے رویے میں جو اسے آج تب سے بہت شدت سے چبھ رہا تھا جب سے وہ آئی تھی، اگرچہ رویہ تو ان کا تب بھی لیا دیا سا ہی تھا جب وہ پچھلی بار یہاں کچھ دنوں کے لئے رہنے آئی تھی مگر اتنا نہیں تھا اس لئے وہ محسوس نہیں کر پائی تھی مگر اس بار ان کے رویوں کا سرد پن اتنی شدت لئے ہوئے تھا کہ بات بات پہ اسے محسوس ہو جاتا، وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی دل ہی دل میں ان کے رویے کے سرد پن کے پیچھے چھپی وجہ تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر بہت غور کرنے پہ بھی وہ وجہ سمجھ نہ پا رہی تھی، وہ دونوں ماں بیٹی وہاں اس کی موجودگی کو مکمل نظر انداز کیے آپس میں باتوں میں مشغول تھیں زرین کو اپنا وہاں بیٹھنا فضول لگنے لگا تو اٹھ کر دادی کے پاس آ گئی۔

☆☆☆

حسن کافی رات گئے گھر آیا تو کچن کی لائٹ جلتے دیکھ کر وہیں چلا آیا تھا جہاں اماں اور جیا بیٹھی باتوں میں مگن تھیں۔

''السلام علیکم! چچا جان کب آئے ہیں؟''

اس نے پیڑھے پہ بیٹھتے پوچھا تھا وہ نہ صرف چچا کی گاڑی باہر گلی میں کھڑی دیکھ آیا تھا بلکہ دادی کے کمرے سے آتی زرین کی آواز بھی سن چکا تھا، تبھی پوچھ بیٹھا تھا، مگر پوچھ کر پچھتا رہا تھا، کیونکہ سننے کو جواب ہی ایسا ملا تھا۔

''جس نے یہ بتا دیا ہے کہ وہ لوگ آئے ہوئے ہیں اس نے یہ نہیں بتایا کہ کب آئے ہیں۔'' خدیجہ چچی کی بات کا مفہوم وہ بہت اچھی طرح سمجھ گیا تھا تبھی اپنے اندر سر اٹھاتے طیش کو دباتے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

''کھانا تو کھا لیں۔'' اسے اٹھتے دیکھ کر جیا جو اس کے سامنے پڑی ٹیبل پہ کھانا لگا رہی تھی نے

فوراً کہا تھا۔
’’بھوک نہیں ہے مجھے۔‘‘ یہ کہتے وہ کچن سے نکل گیا تھا، مگر نکلتے نکلتے بھی اس کو پیچھے سے اماں کی بڑبڑاہٹ سنائی دے گئی تھی۔
’’ہاں بھئی بھوک تو اڑ ہی جانی تھی اس کی آمد کا سن کر، ایویں ہی تو نہیں اتنی رات کو دوڑا دوڑا آیا۔‘‘ اماں کی بات اس کے اندر ابلتے خون کے اشتعال کو کچھ اور بڑھا گئی، وہ تو خدا بخش چچا کے جنازے میں شرکت کے لئے آیا تھا ان کا جنازہ اگلے صبح آٹھ بجے تھا اور اس خیال سے کہ کہیں صبح وہ لیٹ نہ ہو جائے وہ رات کو ہی چلا آیا تھا، مگر اماں نے تو اس کی اتنی رات گئے آمد کو اپنے ہی انداز میں لیا تھا اور اوران کے اندر تک کڑواہٹ گھل گئی تھی اور اپنے اندر کی ساری کڑواہٹ انہوں نے اس کے اندر منتقل کر دی تھی اور ایسا آج ہی نہیں ہوا تھا بلکہ جب سے صالحہ تائی نے فون پہ دادی سے زری کے ساتھ اس کی شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اور دادی نے انہیں اور ابا کو چچی کے ہاں جا کر رشتہ مانگنے کو کہا تھا وہ دادی اور ابا کے سامنے تو کچھ بھی نہ بول سکیں تھیں مگر تب سے ان کا سارا غصہ بیٹے پہ اترنے لگا تھا، حالانکہ اس نے ابا کے سامنے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اسے زرین سے شادی نہیں کرنی اور اس کا انکار سن کر ابا کو گویا آگ ہی لگ گئی تھی اس دن سے ابا نے اس سے بات چیت بند کر رکھی تھی، وہ گھر میں ہوتا تو اس پہ نظر پڑتے ابا نفرت سے منہ موڑ لیتے، دادی کی آنکھیں بھی اسی پہ نظر پڑتے ہی بھیگنے لگتی اس نے ان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کو بری طرح رد کیا تھا، حسن ابراہیم کے لئے زرین منصور احمد کی ذات نے کتنی مشکلات کھڑی کر دی تھیں اس کی خبر زرین منصور احمد کے فرشتوں کو بھی نہ تھی۔

☆☆☆

زرین سے باتوں کے دوران دادی کی کب آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہ چلا وہ تو جب اس کے کوئی بات پوچھنے پہ انہوں نے کافی دیر جواب نہیں دیا تو اس نے بھی اپنی بند آنکھوں کو کھول کر سامنے دیکھا تھا اور دادی کو سوتے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔
دادی کی عادت تھی یونہی باتیں کرتے کرتے سو جاتیں، وہ مسکراتے ہوئے دادی پہ کمبل درست کر کے واش روم جانے کے ارادے سے باہر نکل آئی، اکثر دیہاتی گھروں کی طرح چچا جان کے گھر کا واش روم بھی گیٹ کے قریب بیرونی دیوار کے ساتھ بنا تھا، وہ ابھی برآمدے سے نکل کر باہر صحن میں آئی ہی تھی جب سامنے نظر پڑتے ہی اس کے قدم ایک دم رک گئے تھے، خوف کی ایک لہر پورے وجود میں سرائیت کر گئی تھی کیونکہ سامنے واش روم کی بیرونی دیوار کے ساتھ لگے بیسن کے پاس اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا، صحن کی لائٹ بند ہونے باوجود وہ یہ جان گئی تھی کہ وہ کوئی مرد تھا، کیونکہ برآمدے میں جلتے بلب کی کچھ کچھ روشنی دور بنے واش روم تک آ رہی تھی، چچا جان اور پپا تو فوتگی والے گھر میں تھے حسن بھائی بھی گھر پہ نہ تھے تو پھر وہ کون تھا کیا کوئی چور، چچی لوگوں کو بتانے کے ارادے سے وہ تیزی سے پلٹنے لگی تھی جب بیسن پہ جھکا شخص سیدھا ہوتے ہوئے مڑا تھا اور اسی پل زرین منصور احمد کے دل کی دھڑکن جو چند لمحے قبل خوف کی وجہ سے بڑھ گئی تھی معمول پہ آنے لگی تھی وہ خوش کن احساسات میں گھری وہاں کھڑی یہ سوچ رہی تھی کہ حسن بھائی کب آئے، آپی نے تو بتایا تھا کہ اس سنڈے انہیں نہیں آنا تھا، وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا تھا، تو اس نے اپنی اس سوچ کا اظہار اس کے سامنے

بھی کر دیا۔
’’السلام علیکم! حسن بھائی آپ کب آئے، مجھے تو پتہ چلا تھا کہ آج آپ نے نہیں آنا۔‘‘ اتنے عرصے بعد حسن کو دیکھ کر جو خوشی اسے محسوس ہوئی تھی اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا اور حسن ابراہیم جو کچھ دیر قبل ماں کی باتوں کی وجہ سے ابھی تک جل بھن رہا تھا اب اسے اپنے سامنے پا کر اس کا دل کیا تھا کہ سامنے موجود لڑکی کو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دے، اس کی وجہ سے اس کی زندگی عذاب بن گئی تھی، کیوں آ جاتی تھی وہ ان لوگوں کی پرسکون زندگی میں ہلچل مچانے اس کے دل کی بستی کا سکون تو پہلے ہی چھین چکی تھی اب اور کیا چاہیے تھا اسے۔
’’ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں۔‘‘ خود پہ کنٹرول کرتا وہ اس کی طرف دیکھے بغیر آہستہ سے جواب دے کر آگے بڑھ گیا تو زرین نے بھی واش روم کی سمت قدم بڑھا دیے، واش روم سے آنے کے بعد وہ دادی کے کمرے میں جانے کی بجائے حسن بھائی کے کمرے میں چلی آئی آہستہ سے دستک دے کر جب وہ اندر داخل ہوئی تو وہ جو لیٹ کر خود پہ کمبل پھیلا رہا تھا اسے اندر آتے دیکھ کر ناگواری کی شدید لہر نے اس کے اندر سر اٹھایا تھا اس سوچ کے ساتھ کہ اگر اماں یا چیا میں سے کسی نے رات کے اس پہرا حسن کو اس کمرے میں دیکھ لیا تو اماں جو آج کل ویسے ہی اس سے ناراض تھیں اور بدگمان ہو جاتیں اور یہ چیز اس کو بالکل گوارا نہ تھی۔
’’تم اس وقت کیا کرنے آئی ہو؟‘‘ اس نے بیڈ سے اترتے ہوئے قدرے خشک لہجے میں پوچھا تھا مگر وہ جو اس وقت اس سے اس بات پہ لڑنے کے لئے آئی تھی کہ وہ لاہور میں ہوتے ہوئے بھی ان لوگوں کے گھر کبھی نہیں آتا، نے اس کے لہجے کے خشک انداز کو نوٹ نہ کر سکی تبھی تو آگے بڑھتے اپنی ناراضگی کا اظہار کر گئی۔
’’حسن بھائی میں آپ سے بہت ناراض ہوں آپ لاہور میں ہوتے ہیں اور ہمارے گھر کبھی نہیں آئے۔‘‘ اس کی بات پہ حسن ابراہیم کچھ پل اس کی طرف دیکھے گیا جو دونوں بازو سینے پہ لپٹے کچھ ناراض ناراض دکھائی دی تھی، کچھ پل اس کی سمت دیکھنے کے بعد وہ کافی سرد لہجے میں گویا ہوا تھا۔
’’اچھا چلو کوئی بات نہیں اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں تمہارے گھر نہیں آتا تم جو چلی آتی ہو آئے دن منہ اٹھا کے مجھے ملنے۔‘‘ اس کے لہجے سے برستی آگ کی تپش اس قدر زیادہ تھی کہ زرین منصور احمد دیکھتی رہ گئی تھی کہ اس کا وہ کزن جو ہمیشہ اس سے بہت اچھے طریقے سے ملتا تھا آج کیسے اور کیا بات کر رہا تھا، اپنی بات پہ زرین کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو نوٹ کرتے وہ درمیانی فاصلہ کچھ اور کم کرتے عین اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔
’’ویسے سچ سچ بتاؤ خود سے آتی ہو یا تمہاری ڈیئر مما جان کا پلان ہے تمہیں آئے دن یہاں بھیجنا۔‘‘ اسے اپنی تند نظروں کے حصار میں لئے اس نے دریافت کیا تھا تو لہجہ لفظوں سے بھی زیادہ درشت تھا۔
’’جی۔‘‘ وہ ناسمجھی سے اس کی سمت دیکھے گئی، وہ کس پلان کی بات کر رہا تھا اس کے کچھ بھی پلے نہ پڑا تھا۔
’’اگر تو مما جان بھیجتی ہیں تو انہیں کہنا کہ جس مقصد سے وہ تمہیں یہاں بھیجتی ہیں وہ کبھی پورا نہیں ہو گا کبھی بھی نہیں۔‘‘ شعلے اگلتی نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹکائے وہ بولا تھا، زرین نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا جب انگلی اٹھاتے یہ

کہتے اسے چپ کرا گیا تھا۔
"ایک منٹ ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔" اور پھر اسی تند لہجے میں مزید بولا تھا۔
"اپنی مما جان کو میرا ایک پیغام دینا کہ اس گھر کا ایک بیٹا چھین کر ان کا دل نہیں بھرا جواب دوسرے کے پیچھے تمہیں لگا دیا ہے۔"
"حسن بھائی یہ...... یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ تقریباً رو دینے کو تھیں۔
"میری باتیں اچھی طرح سمجھ آ رہی ہیں تمہیں اور اگر نہیں بھی آ رہی تو جا کر اپنی مما کو بتانا وہ ضرور سمجھ جائیں گی، انہیں کہنا کہ اپنا اور تمہارا ٹائم مت ویسٹ کریں کیونکہ یہاں سے اب انہیں کچھ نہیں ملنے والا۔" ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر کا راستہ دکھاتا وہ شعلے برساتے لہجے میں کہہ گیا تھا، وہ ساکت ٹھہری بل بل آنسو بہا رہی تھی، حسن کے وہاں سے جانے کے اشارے کے باوجود وہ ایک قدم نہ ہلی تھی۔
"اور ہاں ایک بات اور اپنی مما سے کہنا کہ ہر مرد منصور احمد نہیں ہوتا، خوبصورت چہرے اور دل لبھانے والی اداؤں پہ فدا ہونے والا، میں حسن ہوں حسن ابراہیم جس کی ماں آج تک اس نفرت کی فصل کاٹ رہی ہے جس کا بیج تمہاری مما نے بویا تھا دادی کے دل میں، تو پھر انہوں نے کیسے سوچ لیا کہ میں ان کی بیٹی کے حسن اور اداؤں کے جال میں پھنس کر ان کے پلان کو کامیابی سے ہمکنار کروں گا، کیا سوچ کر انہوں نے میری اور تمہاری شادی کی بات کی ہے۔"
اسے بازو سے پکڑ اپنے کمرے سے باہر دھکا دیتے ہوئے اس نے کہا تھا اور زور سے دروازہ بند کر دیا یہ دیکھتے ہوئے بھی اس کے دھکا دینے سے وہ برآمدے کے سخت ٹھنڈے فرش پر بری طرح گری تھی وہ تو دروازہ بند کر چکا تھا، مگر وہ کتنی ہی دیر تک ٹھنڈے فرش پہ بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے آنسو بہاتی رہی تھی پتہ نہیں کتنا ٹائم گزر گیا تھا جب گیٹ پہ پپا اور چچا کی آواز سنائی دی تھی تو وہ جو ہوش و حواس سے بیگانہ ٹھنڈے فرش پہ بیٹھی تھی آنسو پونچھتے تیزی سے اٹھ کر دادی کے کمرے میں آ گئی تھی صبح تک وہ بخار میں تپ رہی تھی، واپسی پہ گاڑی میں سارا راستہ وہ بالکل خاموش تھی پپا نے ایک دو بار اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کی تو اس نے بخار اور سر درد کا بہانہ بنا دیا جس پہ پپا مطمئن ہو گئے تھے کہ بخار تو اسے واقعی تھا، سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے بند آنکھوں سے وہ اندر ہی اندر آنسو بہانے میں مگن تھی آج سب کچھ واضح ہو گیا تھا تو وہ خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہ رہی تھی تو مما اس لئے اب اسے گاؤں بھیجنے پہ اتنی آسانی سے راضی ہو جاتیں تھیں، جیا آپی اور چچی کے رویے کا سرد پن اب اس پہ اچھی طرح واضح ہو گیا تھا، حسن ابراہیم نے تو لفظوں کے کوڑے برسا برسا کر اپنے اندر کی بھڑاس نکال لی تھی یہ جانے بغیر کہ اس نے زرین منصور احمد کو جیتے جی مار دیا تھا، کہیں کا نہ چھوڑا تھا، اسے اس سے ہی نگاہ ملانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔
اس کا کہنا کہ وہ اس کو اپنی زلفوں کے جال میں پھانسنے کے لئے بار بار گاؤں آتی رہی ہے زرین کے اندر باہر آگ لگا گیا تھا یہ ٹھیک تھا کہ حسن ابراہیم کا اس کے دل میں ایک خاص مقام تھا، اس کے دل کی دھڑکنوں میں بستا تھا وہ شخص، مگر اس نے کسی پلان کے تحت نہیں کی تھی محبت اس شخص سے، اسے تو خود خبر نہیں ہوئی تھی کہ کب کیسے وہ اس کے دل کے سارے در وا کرتا اندر تک چلا گیا تھا اس کے دل میں اونچی مسند پہ براجمان تھا وہ شخص مگر آج اس نے زرین احمد کو

بہت پستی، بہت گہرائی میں لا پھینکا تھا کہ وہ ذلت کے اس احساس سے نکل ہی نہ پا رہی تھی جس سے اس نے اسے دوچار کر دیا تھا، حالانکہ وہ تو محبت کی ان راہوں کی مسافر تب بنی تھی جب اس نے حسن ابراہیم کی لائٹ براؤن آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی کے بہت واضح رنگ دیکھے تھے اور وہی رنگ دیکھ کر تو خدیجہ چچی بھی خوفزدہ ہو گئی تھیں اور اتنی خوفزدہ ہوئیں تھیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں سے زرین منصور احمد کی محبت کے رنگ نوچ کر پھینکنے پہ مجبور کر دیا تھا اور اتنا مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ زرین کی دل سے بھی سارے احساسات مٹا گیا تھا، وہ خالی آنکھیں خالی دل لئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اسے گاؤں سے آئے ابھی کچھ دن ہی ہوئے تھے جب دادی اور چچا حسن کے لئے اس کا رشتہ مانگنے آئے تھے۔
صالحہ بیگم کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً ہاں کہہ دیں مگر منصور احمد نے ان سے کچھ ٹائم مانگا تھا یہ کہتے ہوئے کہ وہ پہلے زرین سے بات کریں گے پھر کوئی فیصلہ کریں گے اگرچہ ان کی اس بات پہ جہاں دادی کو اعتراض ہوا تھا وہیں مما بھی جز بز ہوئیں تھیں، مگر وہ منصور احمد تھے جنہوں نے اگر ساری زندگی بیوی سے بے پناہ محبت کی تھی تو بچوں میں ان کی جان تھی، دادی اور چچا اس رات وہیں رک گئے تھے اور رات کو جب پپا نے اسے اپنے کمرے میں بلا کر اس کو دادی اور چچا کی آمد کی وجہ سے آگاہ کرتے اس کی مرضی دریافت کی تھی تو پپا کی بات پہ زرین منصور احمد کو کتنے ہی پل لگے تھے خود کو سنبھالنے میں۔
"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا بیٹے۔" پپا کی بات پہ وہ ایکدم سے حواسوں میں لوٹی تھی اور جلدی سے سر کوشی میں ہلا گئی تھی کیونکہ حلق میں پھنسے نمکین گولے نے بولنے کے قابل تو نہ چھوڑا تھا۔
"دیکھو بیٹے میں آپ کو کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا اگر ایسا ہوتا تو آپ سے پوچھے بغیر ہاں کہہ دیتا مگر ایک بات ضرور کہوں گا، حسن بہت اچھا لڑکا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ میری ماں کی خواہش ہے مگر خیر کوئی بات نہیں، آپ کا دل نہیں مانتا تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔" پپا کی بات پہ اپنی آنکھوں میں تیرتی نمی کو اندر دھکیلتے وہ بمشکل اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تھی، پپا نے چچا لوگوں کو انکار کر دیا تھا اور جب اس بات کی خبر ان لوگوں کی گاؤں واپسی پہ خدیجہ چچی کو ہوئی تھی تو جہاں انہیں بہت خوشی محسوس ہوئی تھی وہیں یہ جان کر وہ حیرتوں کے سمندر میں گر گئی تھیں کہ اسے رشتے سے انکار صالحہ احمد یا منصور احمد نے نہیں بلکہ زرین منصور احمد نے کیا تھا، کتنے ہی پل لگے تھے انہیں یقین کرنے میں مگر پھر یہ سوچ کر کہ انکار چاہے جس نے بھی کیا ہو انہیں اس سے کیا انہیں تو بس اپنے بیٹے کی شادی صالحہ احمد کی بیٹی سے نہیں کرنا تھی اور زرین کے انکار کے بعد اب ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔

☆☆☆

اس کے انکار نے مما کو اتنا ناراض کیا تھا کہ مارے غصے کے انہوں نے کتنے ہی دن اس سے بات نہ کی تھی، البتہ آپی نے اسے سمجھانا چاہا تھا تو وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔
"کیوں آپی، وہ حسن ابراہیم جو ایک بیٹی کے لئے مما پپا کو قبول نہ تھا وہ آج دوسری کے لئے کیسے قابل قبول ہو گیا، میرے انکار پہ مما کو اتنا غصہ کیوں ہے جبکہ وہ اس سے پہلے آپ کے

لئے اسے خود کو ریجیکٹ کر چلی ہیں۔"

مہرین بس اس کو دیکھ کر رہ گئی کیونکہ اپنی ماں کی مادہ پرستی سے وہ اچھی طرح واقف تھیں اس کی بار جب انہوں نے حسن ابراہیم کو ریجیکٹ کیا تھا تو تب وہ صرف حسن ابراہیم تھا جبکہ آج وہ ایس پی حسن ابراہیم تھا جس کے پاس لاہور جیسے شہر میں گھر، گاڑی، نوکر سب کچھ موجود تھا تو پھر اتنی اچھی آسامی ہاتھ سے جانے پہ مما ناراض کیسے نہ ہوتیں مہرین کی بار جب انہوں نے حسن کو ریجیکٹ کیا تھا تو مہرین کو اس بات سے کوئی فرق نہ پڑا تھا، کیونکہ اسے حسن ابراہیم کی ذات سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر زرین کے انکار پہ جہاں اسے بہت دکھ بھی ہوا وہی اس کا انکار اسے حیرت میں بھی مبتلا کر گیا تھا کہ وہ تو اس شخص کی دیوانی تھی اس کی ذات سے بہت متاثر تھی، زرین کے دل میں موجود حسن ابراہیم کی محبت مہرین آپی سے چھپی نہ تھی کیونکہ حسن کے نام پہ زرین کے گلابی گالوں کی لالی کچھ اور بڑھ جاتی تھی اب ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اس نے شادی سے انکار کر گئی تھی۔

کچھ دنوں تک مما اس سے ناراض رہی تھیں مگر آہستہ آہستہ ان کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک ہو گیا تھا، اس نے سارا دھیان اپنی سٹڈی پہ لگا لیا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھار بہت شدت سے وہ آگ برساتا لہجہ اس کے کانوں میں گونجتا تو اس کے تن من کو خاک کر جاتا پھر بہت دقتوں سے وہ خود کو سنبھال پاتی اور اسی جلنے، سنبھلنے اور بہلنے کے اس عمل میں بہت سا وقت گزر گیا۔

وہ میڈیکل کے آخری سال میں آ گئی تھی اس دوران مہرین بیاہ کر جواد کے ساتھ کینیڈا چلی گئی تھی چچا نے بھی جیا آپی کی شادی کر دی تھی اور حسن کی منگنی چچی کی بھانجی سے ہو گئی تھی جیا کی شادی پہ پپا نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر اس نے سٹڈی کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا، وہ کیسے جا سکتی تھی وہاں کس طرح سامنا کرتی اس شخص کا جس کے لئے اس کے دل میں اب صرف نفرت ہی نفرت تھی۔

☆☆☆

اس کے میڈیکل کے آخری سال میں آتے ہی مما نے اس کے لئے رشتے تلاش کرنا شروع کر دیے تھے ان کا ارادہ اس کا تعلیمی سلسلہ ختم ہوتے ہی اس کی شادی کرنے کا تھا، مگر قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا جب ایک دن اچانک پپا ان لوگوں کو چھوڑ کر ابدی نیند سو گئے تھے، وہ رات کو بالکل ٹھیک سوئے تھے مگر صبح اٹھنا انہیں نصیب نہ ہوا تھا ڈاکٹر کے مطابق انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا، ان لوگوں پہ تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی، پپا کے لئے روتے کرلاتے وہ دونوں ماں بیٹی یہ نہ جانتی تھیں کہ ابھی تو مزید امتحان ان کے منتظر تھے، مہرین چند دنوں کے لئے آئی تھی ماں بہن کو تسلیوں سے نواز کر وہ پھر سے کینیڈا رخصت ہو گئی پپا کو دنیا سے دو ماہ بھی ہوئے تھے کہ جب زین بھیا اور مما کے درمیان زبردست جھگڑا اس وجہ سے ہوا کہ زین بھیا کو آفس میں آنے والی اپنی نئی سیکرٹری کچھ اتنی پسند آ گئی تھی کہ وہ اسے بیوی بنانے پہ تل گئے تھے جبکہ مما نے صاف انکار کر دیا تھا یہ کہتے ہوئے کہ وہ اس دو ٹکے کی لڑکی کو کبھی بھی اپنی بہو نہیں بنائیں گی، دونوں ماں بیٹے کے درمیان اس جنگ کا خاتمہ اس دن ہوا جس دن حسن بھیا واپسی پہ اپنی دلہن کو لے کر آ گئے تھے مما ساکت سی کھڑی تھیں، اس نے خوفزدہ ہو کر مما کی طرف دیکھا تھا یہ سوچتے ہوئے کہ اب گھر میں ایک ہنگامہ یقینی تھا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب مما نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر نئی دلہن کا استقبال کیا تھا اسے گلے سے لگاتے پیار کرتے ان کی آنکھوں کا خالی پن زین بھیا کو نظر آیا ہو یا نہ اس نے بہت شدت سے محسوس کیا تھا اور اسے بہت تکلیف ہوئی تھی وہ جیسی بھی تھیں، مطلب پرست تھیں، خود غرض اور مادہ پرست تھیں مگر اس کی ماں تھیں ان کی بے بسی پہ اسے تکلیف محسوس ہو رہی تھی، مگر ان دونوں کی تکلیف صرف یہاں تک ہی محدود نہ رہی تھی کیونکہ مما نے زین بھیا کی دلہن کو دل پہ جبر کر کے ہی سہی تسلیم کر لیا تھا، یہ سوچتے وہ اسے گھر سے نہیں نکال سکتی تھیں مگر دلہن کو ان ماں بیٹی کا وجود چند ماہ میں ہی کھٹکنے لگا تھا اور اتنا کھٹکنے لگا کہ زین بھیا بیوی کے ساتھ الگ گھر میں شفٹ ہو گئے، مما خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی، اس کے بعد زین بھیا کا چہرہ ان کو شروع میں دنوں پھر ہفتوں اور بعد میں مہینوں بعد نظر آنے لگا تھا، وہ حیران ہوتی جب مہینوں بعد زین بھیا مما سے ملنے آتے تو وہ شکایت کا اک حرف بھی زبان پہ نہ لاتی تھیں اور پھر زین بھیا کی آمد کا یہ سلسلہ بھی جلد ہی ختم ہو گیا جب وہ یہاں سے سارا بزنس سمیٹ کر جرمنی سیٹل ہو گئے، گاؤں سے کبھی چچا ان لوگوں سے ملنے آ جاتے تھے، اب کی بار چچا آئے تو دادی بھی ان کے ساتھ تھیں مما نے دادی کو روک لیا تھا، دادی رک بھی گئی تھیں یہ شکایت کیے بغیر کہ کبھی تو انہیں دادی کا وجود سب سے زیادہ کھٹکتا تھا۔

مما کا زیادہ وقت اب عبادت میں گزرنے لگا تھا وہ گھنٹوں جائے نماز پہ بیٹھی رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہتیں، ان کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی، شوگر بھی اب اکثر ہائی رہنے لگی تھی شوگر کنٹرول ہوتی تو بلڈ پریشر ہائی ہونے لگتا اکلوتے بیٹے کی جدائی کا روگ انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا، مہرین فون پہ انہیں تسلی دیتی تو وہ پھیکا سا مسکرا دیتیں کہ یہ تو ان کو خدا کی طرف سے سزا ملی تھی۔

کہ وہ بیٹا جسے ایک دن نہ دیکھتی تو بری حالت ہو جاتی اب اس کی شکل زندگی میں نظر آنی تھی یا نہیں انہیں خبر نہ تھی لیکن وہ یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ سزا انہیں دادی کا دل دکھانے کی وجہ سے ملی تھی دادی کا بیٹا تو پھر بھی ان سے دور آ بسنے کے بعد بھی ان سے ملنے ضرور جاتا تھا چاہے مہینے میں ایک بار ہی سہی مگر ان کا بیٹا تو مہینوں مہینوں فون بھی نہ کرتا تھا، اس دن دادی نماز پڑھ رہی تھیں جب مما نے ان کے پاؤں پکڑتے روتے ہوئے معافی مانگی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں اماں، خدا کے لئے معاف کر دیں آپ کے ساتھ کی گئی زیادتیاں مجھے کسی پل چین نہیں لینے دیتی میں آپ کا بیٹا چھین کے لے آئی تھی تو دیکھیں آج میرا اکلوتا بیٹا مجھے کس طرح چھوڑ کے جا چکا ہے مجھے معاف کر دیں آپ کی معافی سے مجھے تھوڑا سکون مل جائے گا، کیونکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا اماں، نہ شوہر، نہ بیٹا اور نہ سکون، مجھے تھوڑا سا سکون دے دیں۔" مما نے دادی کے ہاتھ تھامتے التجا کی تھی، تو دادی بھی مما کو ساتھ لگائے رو دی تھیں۔

"میں نے تو کبھی بھی تمہیں بد دعا نہیں دی تھی بہو، کیونکہ تجھ سے تو میرے بیٹے کی خوشیاں وابستہ تھیں پھر بھلا میں تجھے بد دعا کیسے دیتی حالانکہ تیری غلط باتوں پہ اختلاف ضرور کرتی تھی مگر بد دعا کبھی نہیں دی۔"

اماں اور دادی دونوں ایک دوسرے کو گلے لگائے روتے جا رہی تھیں اور دروازے پہ کھڑی زرین منصور احمد نے دل میں سوچا تھا کہ واقعی یہ دنیا مکافات عمل ہے۔

☆☆☆

دادی کچھ دنوں کے لئے گاؤں گئی تھیں، حسن کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی تھی اس لئے چچا آکر ان کو لے گئے تھے، یہ کہتے ہوئے کہ اب حسن کی شادی تک دادی وہاں ہی رہیں گی مگر اگلے اتوار کو ہی دادی واپس آگئی تھیں حسن ان کو گیٹ پہ اتار گیا تھا آج کل اس کی ہاؤس جاب چل رہی تھی وہ ہاسپٹل سے لوٹی تو سامنے دادی کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی کہ وہ تو شادی تک وہاں رکنے والی تھیں پھر واپس اتنی جلدی کیسے آگئیں۔

ان سب سوچوں کے باوجود اسے دادی کے واپس آجانے کی بہت خوشی ہوئی تھی کیونکہ چند دنوں میں رمضان شروع ہونے والا تھا مما تو شوگر کی وجہ سے روزہ نہ رکھتیں تھیں ان سے رکھا ہی نہ جاتا تھا دادی کے واپس آنے پہ زرین نے شکر کیا تھا کہ دادی کی موجودگی میں سحر افطار پہ کچھ تو رونق رہتی مگر اس نے ایک بات خوب کی تھی کہ دادی جب سے گاؤں سے ہو کر آئی تھیں کچھ چپ چپ سی تھیں، اس نے پوچھا تو یہ کہتے ہوئے ٹال گئی تھیں کہ بس یونہی آج کل طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔

اس نے زیادہ کریدنا مناسب نہ سمجھا تھا مگر نجانے کیوں اسے لگتا تھا جیسے وہاں گاؤں میں ضرور کچھ ایسا ہوا ہے جو ان کی پریشانی کا باعث ہے ایک دو بار اس نے مما اور دادی کو سر جوڑے آہستہ آواز میں باتیں کرتے بھی سنا تھا مگر اس کے قریب آنے پہ وہ فوراً خاموش ہو جاتیں تھیں۔

رمضان شروع ہوا تو اس کا ہاسپٹل سے آنے کے بعد اس کا سارا وقت عبادت میں گزرتا، دادی رات کو دیر تک جاگ کر عبادت کرتیں تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتی صبح سحری میں بھی وہ کافی جلد اٹھ جاتی تھی سحری کا انتظام تو کنیز ہی کرتی وہ اور دادی اتنی دیر میں نوافل ادا کر لیتیں سحری کے بعد وہ دونوں تلاوت قرآن کے بعد سوتیں تو پھر ظہر کی نماز سے کچھ پہلے ہی اٹھتیں کیونکہ رات دیر تک جاگنے اور صبح جلد اٹھنے سے نیند پوری نہ ہو پاتی تھی، سو ظہر تک سوتی تھیں زندگی میں ایک بار پھر کچھ سکون سا محسوس ہونے لگا تھا اسے، مگر اس کا سارا سکون اس وقت غارت ہو گیا تھا جب ایک بار پھر چچا اور چچی اس کے لئے حسن ابراہیم کا رشتہ لے کر آئے تھے چچی کی بھانجی نے شادی کی ڈیٹ فکس ہونے کا سن کر زہریلی دوا کھا کر خودکشی کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ حسن ابراہیم کے بجائے اپنے چچا زاد سے شادی کرنا چاہتی تھی اس کے والدین نے زبردستی اس کا رشتہ حسن سے طے کر دیا تھا کیونکہ وہ دوسرا لڑکا کم پڑھا لکھا ہی نہیں بلکہ آوارہ اور نکما بھی تھا اور اب بیٹی کی خودکشی والی حرکت کے بعد وہ اس کی شادی اسی لڑکے کے ساتھ کرنے پہ مجبور ہو گئے تھے، انہوں نے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے چچا جان سے معافی مانگی تھی چچا جان کو غصہ تو بہت تھا کہ اب جب شادی کی ڈیٹ فکس ہونے والی تھی اس رشتے کے ختم ہونے سے بے عزتی تو ان کی اور ان کے بیٹے کی بھی کم نہ تھی مگر ان لوگوں کی مجبوری و بے بسی انہیں کچھ بھی کہنے سے روک گئی تھی وہ ان لوگوں سے کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے واپس لوٹ آئے تھے انہوں نے اس دن رات کو بیوی پہ واضح کر دیا تھا کہ اب وہ حسن کی شادی اپنی بھتیجی سے کریں گے کیونکہ ایک بار پھر سے پرانی خواہش ان کے اندر سر اٹھانے لگی تھی پھر جب انہوں نے اس بات کا ذکر بیٹے سے کیا تھا تو اس کی نظریں خود بخود ہی ماں کے چہرے پہ جا ٹھہری تھیں جہاں آج ابا کی بات پہ پریشانی کی بجائے سکون ہی سکون نظر آ رہا تھا تبھی تو وہ یہ کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

”آپ جو چاہتے ہیں وہ کریں ابا لیکن اماں سے ضرور پوچھ لیجئے گا کیونکہ میں نے پہلے بھی ان کے فیصلے کو اہم سمجھا تھا اور آج بھی وہ جہاں چاہیں گی جس لڑکی سے چاہیں گی شادی کر لوں گا۔“ اس کی بات سن کر ابا کی بھی سوالیہ نگاہیں خدیجہ چچی پہ جا ٹھہری تھیں جنہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا انہیں کوئی اعتراض نہ تھا پہلے وہ زرین کے رشتے سے انکاری صرف صالحہ احمد کی وجہ سے تھیں مگر وقت اور حالات نے صالحہ احمد کو بہت بدل دیا تھا وہ تو خود اپنے اکلوتے بیٹے کی جدائی کا دکھ سہہ رہی تھی انہیں پورا یقین تھا کہ اب وہ ان سے ان کا بیٹا چھیننے کی کوشش نہیں کرے گی اس لئے وہ شوہر کے ساتھ زرین کا ہاتھ مانگنے چلی آئی تھیں اور صالحہ احمد کو اور کیا چاہیے تھا، ان کی تو دیرینہ خواہش پوری ہو رہی تھی انہوں نے جھٹ ہاں کہہ دی تھی یہ جانے بغیر کہ دروازے کے باہر کھڑی زرین منصور احمد انگاروں پہ لوٹ رہی تھی۔ چچا اور چچی اس رات ادھر ہی ٹھہر گئے تھے، اسے مما سے بات کرنے کا بالکل بھی موقع نہ ملا تھا کیونکہ مما سارا وقت ان لوگوں کے ساتھ ہی رہیں، رات کے کھانے کے بعد چچا جان نے نہ صرف اس کو حسن ابراہیم کے نام کی انگوٹھی پہنائی تھی بلکہ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ عید سے ایک دن پہلے یعنی چاند رات کو ان دونوں کا نکاح کر دیا جائے گا اور عید کے دن ان دونوں کا ولیمہ وہ بہت دھوم دھام سے گاؤں میں کریں گے، یہ سب طے کرتے انہوں نے ایک بار بھی اپنی چہیتی بھتیجی کے چہرے کے اڑتے رنگوں کو نہ دیکھا تھا مگر اس کے چہرے کے تنے نقوش مما کو اندر ہی اندر خائف کر رہے تھے لیکن فی الحال ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اس نے سر جھکائے فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے حسن کے نام کی انگوٹھی پہن لی تھی، رات کو جب سب سونے کے لئے چلے گئے تو وہ مما کے سامنے پھٹ پڑی تھی۔

”اتنا بڑا فیصلہ آپ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے کر سکتی ہیں مما، آپ نے ایک بار بھی پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں، کیسی ماں ہیں آپ۔“ غصے میں بولتے اس کی آواز کافی بلند ہو گئی تھی تو مما نے سرعت سے اٹھ کر کمرے کا ادھ کھلا دروازہ پوری طرح بند کر دیا۔

”آہستہ بولو زرین اگر منصور بھائی یا بھابھی نے سن لیا تو کیا سوچیں گے وہ کہ کیسی تربیت کی ہے میں نے تمہاری اور ویسے بھی تمہیں اعتراض کس بات پہ ہے کیا کمی ہے حسن میں تعلیم یافتہ ہے اعلیٰ عہدے پہ فائز ہے اپنی زمین جائیداد ہے اس کی اور سب سے بڑھ کر اپنا ہے اور کیا چاہیے تمہیں میں نے تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر کیا ہے میری تو پہلے بھی خواہش تھی کہ تمہاری شادی حسن سے ہو اور اب جس طرح تمہارے چچا نے اتنے مان سے تمہارا رشتہ مانگا ہے میں تو ان کا وہ مان نہیں توڑ سکی ہاں اگر تمہیں اعتراض ہے تو جاؤ جا کر کہہ دو ان سے کہ تمہیں ان کے بیٹے سے شادی نہیں کرنی۔“ مما نے غیض سے اس کی طرف دیکھتے کہا تھا تو وہ بے بسی سے مما کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی، اب وہ کیسے بتاتی ان کو کہ ان کی اس خواہش نے ہی تو اسے حسن ابراہیم کی نظروں میں دو کوڑی کا کر چھوڑا تھا مگر وہ چچا کے سامنے جا کر انکار نہیں کر سکتی تھی، کیا بتاتی ان کو کہ وہ ان کے لائق فائق خوبرو اور آفیسر بیٹے کو کس لئے ریجیکٹ کر رہی ہے خود کو بے بسی کی انتہاؤں پہ محسوس کرتے وہ مما کے بیڈ پہ بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی اسے اس طرح روتے دیکھ کر ایک لمحے کو مما کے دل کو بھی کچھ ہوا تھا مگر وہ اس

کے سامنے کمزور پڑ کر اس کے ارادوں کو شہ نہیں دے سکتی تھیں تبھی تو اس کو روتا چھوڑ کر کمرے سے ہی نکل گئیں۔

☆☆☆

چچا تو اگلے دن صبح سویرے ہی گاؤں کے لئے نکل گئے تھے پر چچی ادھر ہی تھیں کہ انہیں اپنی شہری بہو کے لئے بری ادھر سے ہی بنانی تھی ممّا تو گرمی کی وجہ سے بازاروں کے چکر نہیں لگا سکتی تھیں کہ ان کا بی پی شوٹ کر جاتا تھا سو یہ فریضہ بھی اسے انجام دینا پڑا مگر اس وقت وہ اندر ہی اندر جل کڑھ کر رہ گئی جب چچی نے اسے یہ کہتے تیار ہونے کا کہا تھا۔

''زری بیٹا جلدی سے تیار ہو جاؤ میں نے حسن کو فون کر دیا ہے وہ بس ہمیں لینے آتا ہی ہو گا۔'' چچی کی بات پہ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا مگر وہ انہیں جواب بھی نہیں دے سکتی تھی اسی لئے جب چچی اٹھ کر چینج کرنے چلی گئیں تو اس نے اپنے برابر بیٹھی ممّا کی طرف مڑتے کہا تھا۔

''مجھے نہیں جانا ممّا آپ چلی جائیں چچی کے ساتھ۔'' اور ٹی وی بند کر کے ریموٹ ٹیبل پہ پھینکنے والے انداز میں رکھتے وہ ابھی اٹھی بھی نہ تھی جب ممّا نے انتہائی غصے میں سختی سے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکے سے اسے دوبارہ بیٹھا لیا تھا۔

''میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں زری میرے لئے اور پریشانیاں کری ایٹ مت کرو، ٹھنڈے دل سے سوچو گی تو اندازہ ہو گا کہ ماں کا فیصلہ کتنا درست ہے کیونکہ حسن جیسے رشتے روز روز نہیں ملتے۔'' ممّا نے اپنے غصے پہ کنٹرول کرتے اسے بہت رسان سے سمجھانا چاہا تھا۔

''مگر مجھے یہ اچھا رشتہ نہیں چاہیے ممّا۔'' اس نے بہت سکون سے ممّا کی طرف دیکھتے کہا تھا مگر اس کا سکون ممّا کو بے سکون ہی نہیں مشتعل بھی کر گیا۔

''دور ہو جاؤ میری نظروں سے، دفعہ ہو جاؤ اور جو جی میں آئے کرو۔'' غصے سے بولتے وہ رو دی تھیں۔

''میرے رب کو تو شاید مجھ پہ ترس آ ہی جائے مگر میری اولاد کو مجھ پہ کبھی ترس نہیں آتا ایک بیوی بچوں سمیت جرمنی جا بیٹھا ہے مہینوں اسے فون کرنے کی فرصت نہیں ملتی دوسری اب کینیڈا کے علاوہ کہیں چار دن نہیں رہتی رہ گئی تم تو جاؤ آج سے میری طرف سے تم بھی آزاد ہو، جو جی میں آئے کرو نہیں کرنا تمہیں یہ شادی نہ کرو میں تمہارے چچا سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی۔'' ممّا کا یوں ایموشنل ہونا اسے ہتھیار ڈالنے پہ مجبور کر گیا تھا تبھی تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق چچی کے ساتھ بازار جانے کو مان گئی تھی۔

☆☆☆

ڈرائیونگ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اِدھر اُدھر دیکھتے وہ اماں کا انتظار کر رہا تھا اسے فون کر کے بلا کر اب جیسے وہ سو گئی تھیں، انتظار کرتے کوفت میں مبتلا ہو کر اس نے ایک بار پھر ہارن دینے کے ساتھ ہی مڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا تھا تو نگاہیں گویا وہیں ساکت ہو گئی تھیں اماں کے پیچھے گیٹ سے نکلتی زرین منصور احمد آج بھی ہمیشہ کی طرح حسن ابراہیم کے دل کی دھڑکنوں کو بڑھا گئی تھی آف وائٹ ٹراؤزر پہ آف وائٹ اور فیروزی پرنٹڈ شرٹ اور ان ہی دونوں کلرز کا پرنٹڈ شیفون دوپٹہ اپنے گرد اچھی طرح لپیٹے اس کا گلابی چہرہ آج بھی کچھ پل کے لئے اسے ساکت کر گیا تھا، اس کی نگاہیں کچھ پل کو آج بھی اس کے چہرے پہ منجمد ہو گئی تھیں ان دونوں کے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد گاڑی کو مین روڈ پہ لانے سے پہلے وہ بیک مرر کو اس زاویے پہ سیٹ کر چکا تھا جہاں سے پچھلی سیٹ پہ بیٹھی زرین منصور احمد کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا، اس کی اس حرکت پہ زرین نہ صرف غصے سے پہلو بدل کر رہ گئی تھی بلکہ قہر بری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا بھی تھا اور بیک مرر سے ہی اسے قہر بار نظروں سے اپنی جانب دیکھتے پا کر ہی وہ تھوڑا پیچھے کو مڑتے مسکراتی نگاہوں سے بولا تھا۔

''کیا حال ہیں کزن۔''

''ٹھیک ہوں۔'' یہ کہتے زرین فوراً نظروں کا زاویہ بدل کر باہر دیکھنے لگی تھی۔

چچی کے سامنے اس کا اپنے ساتھ یوں بے تکلف ہونا اسے مزید کنفیوز کر گیا تھا گاڑی میں اے سی کی موجودگی کے باوجود اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگی تھیں اس کے بعد لبرٹی میں شاپنگ کرتے بھی سارا وقت وہ دو لائٹ براؤن آنکھوں کے حصار میں رہی تھی اور خود کو دل میں اس بات کے لئے کوستے کہ وہ کیوں ممّا کی ایموشنل بلیک میلنگ میں آ کر چچی کے ساتھ آ گئی تھی وہ ہی دل میں خود سے عہد کر رہی تھی کہ آئندہ چچی کے ساتھ نہیں آنا اور اس نے ایسا ہی کیا تھا خرابی طبیعت کا بہانہ بنا کر وہ انکار کر گئی تو مجبوراً ممّا کو چچی کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ چچی کے بقول انہیں زرین کی پسند کا بالکل بھی اندازہ نہ تھا، ساری شاپنگ مکمل کر کے چچی گاؤں چلی گئیں تو ممّا اس کے سر ہو گئیں کہ وہ میکے کی طرف سے بھی کچھ جوڑے خریدے چچا نے جہیز کے نام پہ کوئی بھی چیز لینے سے سختی سے منع کر دیا تھا مگر پھر بھی ممّا چاہتی تھیں کہ اور نہیں تو وہ اپنے لئے چند جوڑے اور زیور تو لے لے، مگر اس نے یہ کہتے انکار کر دیا۔

''بہت گرمی ہے ممّا اور روزے کے ساتھ شاپنگ نہیں ہوتی۔'' اس کے پاس ہمیشہ کی طرح بہانہ تیار تھا تو تنگ آ کر ممّا نے خود ہی جا کر اس کے لئے شاپنگ کر لی، وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا جوں جوں عہد قریب آ رہی تھی زرین کی پریشانیوں میں اضافہ ہو رہا تھا وہ کیسے رہ پائے گی ایک ایسے شخص کے ساتھ جس کے ہاتھوں وہ اتنا ذلیل ہو چکی تھی اس کے وہ الفاظ تو آج تک نہ نکلے تھے ذہن سے تو ایسے میں وہ اس کے ساتھ زندگی گزارنے سے خائف تھی اور پھر وہ دن بھی آ پہنچا جب اس نے برستی آنکھوں کے ساتھ اپنا آپ حسن ابراہیم کے نام کر دیا، مہرین نے فون پہ اسے مبارکباد دی تھی مگر بھائی نے تو فون کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی اور یہ بات اسے اور زیادہ رلا رہی تھی، نکاح کے فوراً بعد ہی وہ لوگ گاؤں کے لئے نکل گئے تھے، دادی اور چچا نے ممّا کو بھی یہ کہتے ساتھ ہی لے لیا تھا کہ وہ صرف ان کی بیٹی کا سسرال ہی نہیں بلکہ ان کا سسرال بھی، دادی کے بقول ان کا بھی وہاں اتنا ہی حق تھا جتنا خدیجہ چچی کا دادی کے اتنا مان سے کہنے پہ صالحہ احمد انکار نہ کر سکی تھی اس لئے گھر کو لاک کر کے چپ چاپ ان کے ساتھ ہو لی تھیں۔

وہ لوگ کالی رات گئے وہاں پہنچے تھے، تھکن کے باوجود چچی نے ساری رسمیں کی تھیں کمرے تک آتے آتے وہ تھکن سے چور ہو چکی تھی اسے حسن ابراہیم کے انتظار میں بیٹھنے کا کوئی شوق نہ تھا اس لئے کمرہ خالی ہوتے ہی چینج کرنے کے ارادے سے اٹھی ہی تھی کہ حسن کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر دوبارہ سے بیڈ پہ بیٹھ گئی وہ چلتا ہوا آ کر اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔

''آئی نو کہ تم مجھ سے بہت ناراض ہو اور ہونا بھی چاہیے، تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی

اس کا یہی ردعمل ہوتا، کیونکہ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا وہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا مگر زری۔" اس نے ایک پل کو رک کر اس کا ہاتھ تھاما جسے اس نے ایک جھٹکے سے یوں چھڑا رہا تھا جیسے کرنٹ ہو گیا ہو اور حسن ابراہیم پھیکا سا مسکراتے ہوئے مزید بولا تھا۔

"تم اندازہ نہیں کر سکتی کہ میں نے کتنا مجبور ہو کر دل پہ کتنا جبر کر کے تم سے وہ سب کہا تھا۔" اور پھر وہ اس کے سامنے بیٹھا آہستہ آہستہ وہ سب بتاتا چلا گیا کہ کیسے اپنی ماں کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے اپنی محبت کا گلا گھونٹ دیا تھا، وہ اپنی ماں کے اس وہم کا کیا کرتا کہ صالحہ احمد کی بیٹی ان سے ان کا اکلوتا بیٹا چھین کر لے جائے اور ان کا یہ وہم اس وقت اور بڑھ جاتا جب زرین منصور احمد کو دیکھنے کے بعد ان کے بیٹے کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ جاتی تھی اور اس چیز نے کیسے اماں کو زرین سے مزید متنفر کر دیا، وہ جب بھی گاؤں آتی اماں کو لگتا کہ وہ ان کے بیٹے کو پھانسنے کے لئے آئی ہے، مگر حسن ابراہیم کو تو اس کی محبت کے خالص پن کا پورا یقین تھا، مگر وہ ماں کے دل کا کیا کرتا اس کے خوف کا کیا کرتا اور پھر ماں کے آنسو ان کا خوف اسے زرین منصور احمد سے دستبردار ہونے پہ مجبور کر گیا، ابا کی وجہ سے وہ زرین کے رشتے سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا اور ماں کی وجہ اسے اپنا بھی نہیں سکتا، اماں اسے طعنے دیتی کہ زرین سے رشتہ صرف باپ کی خواہش پہ ہی نہیں بلکہ بیٹے کی خواہش پہ بھی طے ہو رہا ہے، وہ جب بھی گاؤں آتی تھی، اماں دادی اور ابا کے ڈر سے اسے تو کچھ کہہ نہیں سکتی تھی مگر حسن ابراہیم کا جینا حرام ہو جاتا وہ اسے ایسی ایسی باتیں سناتیں کہ اس کا خون کھول کے رہ جاتا اور اماں کی ایسی باتوں نے ہی اس دن بھی اس کا مزاج اتنا برہم کر دیا اسے اتنا مجبور کر دیا تھا کہ غصے کی آگ میں جلتے وہ زرین سے وہ سب کہہ گیا تھا کہ آج زرین احمد کے دل میں اس کے جذبات پہلے کی نسبت بالکل مختلف تھے۔

"یہ تمہارا رونمائی کا تحفہ اور یہ میری ڈائری اگر ہو سکے تو اسے پڑھ لینا ہو سکتا اسے پڑھ کر ہی تمہیں میرے لفظوں پہ کچھ یقین آ جائے۔" اپنے دل کا حال کہہ چکنے کے باوجود زرین کی آنکھوں میں لہراتے نفرت کے رنگوں کو دیکھتے ہوئے اسے بہت دکھ ہوا تھا، تبھی اٹھ کر الماری سے ڈائری نکالی تھی اور رونمائی کے کنگن اور ڈائری اس کے سامنے رکھ کر باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن عید بھی تھی اور ان کا ولیمہ بھی چچا جان نے تقریباً سارے گاؤں کو ہی مدعو کیا تھا، باہر گلی میں دیگیں پک رہی تھیں، بڑے سے صحن کو ٹینٹ لگا کر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا ایک حصہ مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے، عورتوں کے حصے میں دلہا دلہن کے لئے سٹیج بنا کر زبردست طریقے سے سجایا گیا تھا، سٹیج پہ وہ دلہن بنی بیٹھی تھی لائٹ پنک سلور کام کے لہنگے میں وہ کوئی پری دکھ رہی تھی، مما خواتین کے ساتھ باتوں میں مگن تھوڑی تھوڑی دیر بعد سٹیج کی جانب دیکھ لیتی تھیں وہ بہت خوش تھیں دادی نے صبح اٹھتے ہی بکرا منگوا کر اس کا صدقہ دیا تھا، چچا جب بھی کسی کام سے اندر آتے سٹیج پہ دلہن بنی زرین کو دیکھ کر ان کا دل خوشگوار احساسات میں گر جاتا، ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا اس کی تو دیرینہ خواہش پوری ہوئی تھی۔

اور وہ سٹیج پہ بیٹھی سارے صحن میں نظریں

دوڑاتے اس چہرے کو تلاش کر رہی تھی جسے اس نے رات کے بعد سے نہ دیکھا تھا، نہ جانے وہ کہاں تھا اس وقت بھی اس کی نظریں اسے ہی تلاش کر رہی تھیں جب کوئی اس کے برابر آ کر بیٹھا تھا اس نے جھٹ سے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔

''نئی نویلی دلہنیں نظریں جھکا کر رکھتی ہیں اس لئے بیگم آپ بھی اپنی نظروں کو تھوڑا کنٹرول رکھیں ورنہ یہ گاؤں کے بیچارے سیدھے سادھے لوگ یہ کہیں گے کہ حسن کی شہری دوہٹی کتنی بے شرم ہے کس طرح اپنے دولہے کو دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے۔'' زرین کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ شرارت سے گویا ہوا تھا تو اس بات پہ وہ شپٹا کر فوراً نگاہیں جھکا گئی تھی اور اس کے انداز پہ حسن ابراہیم کے چہرے کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی، کیونکہ اسے سامنے دیکھ کر زرین منصور احمد کے گالوں کی بڑھتی لالی اسے یہ سمجھانے کو کافی تھی کہ اس کے دل کی دنیا آج ایک بار پھر سے پرانی لے پہ آ چکی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر زرین کا گود میں رکھا ہاتھ تھام لیا تھا مگر اتنے لوگوں کی موجودگی سے زرین نے جھٹ سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا مگر گرفت مضبوط تھی۔

''اب میں اس ہاتھ کو ہمیشہ کے لئے تھام چکا ہوں ڈیئر کزن کبھی نہ چھوڑنے کے لئے۔'' حسن نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی اور اس کی بات پہ زرین کے جھکے چہرے پہ بھی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی اور ان دونوں کو مسکراتے دیکھ کر مما کی آنکھیں خوشی سے بھیگنے لگی تھی، انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ وہ دونوں ہمیشہ اسی طرح مسکراتے رہیں۔

وہ ابھی ان دونوں کو نظروں کے حصار میں لئے ہوئے تھیں جب چچی جان سٹیج پہ آئی تھیں انہوں نے بیٹے اور بہو کو پیار کرنے کے بعد ان کے سروں پہ روپے وار کر مانگنے والی کو دیے تھے اور انہیں ایسا کرتے دیکھ کر مما کو زین منصور احمد شدت سے یاد آیا تھا، مگر فوراً ہی اپنی آنکھوں کے بھیگتے گوشے صاف کرتے انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ وہ جہاں بھی رہے خوش رہے، کیونکہ اس کے بغیر رہنا ان کی سزا تھی یہ سزا انہیں مرتے دم تک جھیلنا تھی شاید۔

بیٹے کی یاد نے آج ایک بار پھر سے ان کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا آنکھیں صاف کر کے انہوں نے ایک بار پھر سٹیج کی سمت دیکھا تھا اور پتھر کی ہو گئی تھیں، کیونکہ سامنے ہی تو زین منصور احمد، حسن کے گلے ملنے کے بعد اب بہن کو گلے سے لگا کر پیار کر رہا تھا۔

''یہ کیا مجھے دن میں بھی خواب دکھائی دینے لگے ہیں۔'' انہوں نے آنکھوں کو رگڑتے پھر سے سامنے دیکھا تھا جہاں اب وہ زرین کے ساتھ بیٹھا کسی بات پہ مسکرا رہا تھا بات کرتے کرتے اس کی نظر سامنے گئی تھی تو مسکراہٹ ایک پل کو غائب ہوئی تھی اگلے پل وہ خود پہ کنٹرول کرتا اسی طرح مسکراتے ہوئے اٹھا تھا اور چلتا ہوا ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، اس کے قریب آنے پہ مما نے اسے چھو کر محسوس کیا تھا، خواب نہیں وہ حقیقت بن کر ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''ان سے ملو سعد یہ میری پیاری مما جان اور آپ کی دادو ہیں۔'' اس نے اپنے تین سال کے بیٹے کو مما سے ملواتے خوشگوار لہجے میں کہا تھا۔

تو مما کی نظر اس کے پہلو میں کھڑے اپنے تین سالہ پوتے پہ گئی تھی جو باپ کے کہنے پہ ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا رہا تھا اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتے انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے گلے سے لگا کر چٹا چٹ چوم ڈالا تھا۔

''افشاں کہاں ہے وہ نہیں آئی۔'' انہوں نے بیٹے کی طرف دیکھتے پوچھا تھا تو ان کی بات پہ اس کے چہرے کا رنگ ایک پل کو زرد ہوا تھا، وہ انہیں کیسے بتاتا کہ جرمنی جانے کے ایک سال بعد ہی افشاں چند ماہ کے سعد کو اس کے حوالے کر کے طلاق لے کر جا چکی تھی کیونکہ وہاں اسے ایک کروڑ پتی جرمن بڈھا مل گیا تھا اور یہ تو ہونا ہی تھا ماں کا دل دکھا کر وہ کیسے خوش رہ سکتا تھا، مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کو یہ سب بتاتا، تبھی تو ان کے پوچھنے پہ کافی سرد لہجے میں بولا تھا۔

''نہیں اور آئے گی بھی نہیں۔'' اس کے جواب پہ مما نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جواب بیٹھ کر اپنے بیٹے کے کوٹ کی ٹائی درست کر رہا تھا۔

''مگر کیوں؟'' مما نے کافی حیران ہو کر پوچھا تھا۔

ان کی بات پہ زین منصور احمد جو گھاس پہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اب سعد کے بکھرے بال کو ہاتھ سے درست کر رہا تھا نے نظر اٹھا کر ایک لمحے کو ماں کے متفکر چہرے کو دیکھا تھا اور دوسرے پل نظروں کو واپس سعد کے سمت لاتے اسی مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

''سعد کی پیدائش پہ ہی افشاں کی ڈیتھ ہو گئی تھی مما۔'' اس نے مما کی آنکھوں میں مچلتے سوالوں کا جان لیا تھا تبھی آہستہ سے ایک بار پھر سے کیا تھا اور یہ سب ہی اس نے اپنے بیٹے کو بھی بتایا تھا، کہ اس کی ماں اسے پیدا کرتے ہی مر گئی تھی وہ اسے یا کسی اور کو یہ کیسے بتاتا کہ جس عورت کو اس نے ماں کی مخالفت مول لے کر ماں کی ناراضی کی پرواہ کیے بغیر اپنی زندگی میں شامل کیا تھا وہ عورت پیسے کے لئے اسے چھوڑ گئی تھی اس میں ہمت نہ تھی یہ سب بتانے کی، ان کی آنکھیں افشاں کی موت کو سن کر برس پڑی تھیں وہ جیسی بھی تھی ان کی بہو تھی ان کے بیٹے کی بیوی ان کے پوتے کی ماں، انہیں بہت دکھ ہوا تھا اور زین اپنی روتی ہوئی ماں کو دیکھ کر ایک بار پھر یہی سوچ رہا تھا کہ ماں کو رولا کر وہ کیسے خوش رہ پاتا۔

مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا تبھی تو عید کے چوتھے دن ان کو لے کر لاہور اپنے گھر واپس آ گیا تھا اور ان لوگوں کے ساتھ زرین بھی آ رہی تھی کہ یہ رسم تھی تو انہیں رخصت کرتے دادی بہت خوش اور مطمئن تھی کیونکہ وہ جانتی تھی یہ دوری دلوں کی دوری نہ تھی۔

''دادی آپ اب ہمارے ساتھ رہیں گی۔'' زین نے ان کو لا کر گاڑی میں بیٹھا دیا تھا اور وہ مسکراتی ہوئی پوتے کو انکار نہ کر سکی تھی۔

''یار مجھے تو کوئی بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہہ رہا تم ہی کہہ دو۔'' حسن ابراہیم نے زرین کے قریب کھڑے ہو کر آہستہ سے کہا تھا۔

''کیونکہ جناب آپ کو چھٹی نہیں ملی اور آج سے آپ نے پھر سے ڈیوٹی جوائن کرنی ہے اس لئے اچھے بچوں کی طرح تیار ہو کر جاب پہ جایئے شاباش ہری اپ۔'' وہ اسے چڑاتی مسکرا کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی تو اس کی بات پہ حسن ابراہیم بھی مسکرا دیا تھا، گزری عید تو اس کی زندگی کی ساری کھوئی خوشیاں لوٹا گئی تھی۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

سترویں قسط کا خلاصہ

کالج میں نوی کا ٹکراؤ شانزے سے ہوتا ہے اور کہانی میں ایک نیا موڑ آتا ہے۔

نیل بر کی بنگلے پہ جانے کی خبر بنو محل کی دیواروں کو ہلا دیتی ہے، نیل بر کا اعتراف محبت صندیر خان کو سنگین فیصلے کی انتہا پہ لے جاتا ہے۔

صندیر خان، سردار بنو کو وارننگ دیتا ہے، بیٹی کو سمجھالو، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔

نشرہ ولید کی ''فرمائش'' اور ''بدلاؤ'' پہ تشویش کا شکار ہے۔

اسامہ، ہیام کی امانت لے کر اس کے گھر پہنچتا ہے تو وہاں اس کا بے حد اچھا استقبال ہوتا ہے، اُدھر عشیہ کو دیکھ کر اسامہ کے من کی مراد بر آتی ہے۔

نیل بر، حمت کو ساتھ لے کر سرکاری بنگلے پہ امام فریدے سے ملنے کو جاتی ہے، امام فریدے، نیل بر کو دیکھ کر برہمی کا اظہار کرتا ہے، لیکن جب اس کی نگاہ حمت پہ پڑتی ہے تو اس کے تاثرات بدل جاتے ہیں۔

ہیام کو اپنے گھر پیسے بہت ارجنٹ بھجوانے ہیں، مسٹر بیہ کے مشورے پہ وہ اسامہ کی خدمات حاصل کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اٹھارویں قسط

اور حاکم وقت کی عزت اس کے پیروں تلے تھی۔

اونچے محل اور سردار بٹو کا شاہی طمطراق زاول پذیر تھا، وہ اپنے قدموں کی دھمک تلے بٹو خاندان کی عزت، وقار، شان وشوکت اور غرور کو روندتا جا رہا تھا۔

وہ جہاندار جو بٹو محل کے مغرور مردوں کے نزدیک بے نام ونشان تھا، جس کا کوئی خاندان نہیں تھا، جس کا کوئی حسب نہیں تھا، جس کا کوئی نسب نہیں تھا۔

وہی جہاندار بٹو محل کی سب سے قیمتی دولت چرا کر نہیں، اپنے پیروں کی ٹھوکروں سے اڑا کر لے جا رہا تھا اور یہ تقدیر کی طرف سے سردار کبیر بٹو کی پہلی شکست تھی۔

وہ انار کے باغ پہ اتری لال آندھی کو دیکھتا بوڑھا سردار اپنی لاٹھی کو ٹیکتا شکست وریخت کے سب سے نچلے درجے پہ کھڑا تھا، ایک ٹوٹا ہوا، ہارا ہوا اذیت کا مارا ہوا، اس کی جان عزیز اپنے باپ کے شاہی طرہ کو قدموں تلے روند کر جا چکی تھی اور نیل بر بٹو محل سے ہمیشہ کے لئے جا چکی تھی۔

وہ نیل بر جو اس کی بد بخت بیوی میں سے پہلی اور آخری اولاد تھی، ایک فرنگن کے بطن سے پیدا ہوئی، ایک عیاش فاحشہ کی اولاد، اس کے باوجود وہ سردار بٹو کو کس قدر عزیز تھی۔

کوئی اس بوڑھے سردار کے بھیگے چہرے پہ بہتے آنسو دیکھ لیتا تو حیرت سے ششدر رہ جاتا، کیا رولانے والوں کو بھی رونا آتا ہے؟

سردار کی لاٹھی اس کے کانپتے ہاتھ تلے کپکپا رہی تھی، وہ زمین پہ چل رہا تھا، لیکن وہ چل کہاں رہا تھا، وہ تو خود کو گھسیٹ رہا تھا۔

جہاندار نے اس منظر سے بے ساختہ نگاہ چرالی تھی، اس نے آگے بڑھ کر سردار بٹو کو سہارا دینے کوشش کی اور ضرورت محسوس نہیں کی تھی، وہ صندیر خان تھا، وہ جہاندار نہیں تھا جو آگے بڑھ کے سردار کے کپکپاتے وجود کی ڈھارس بنتا۔

وہ اسی طرح لڑکھڑا کر چلتے سردار بٹو کو سرد نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

”بہت قیمتی لہو تھا ودھا گلفام کا، گو کہ اس کی بغاوت کا اس وقت یہی اچھا انجام تھا، لیکن آپ کو کیا خبر خان بابا! آپ نے صندیر خان سے کیا کچھ چرالیا تھا، ابھی تو آپ نے صرف نیل بر کو کھویا ہے، اگر اسے اپنے ہاتھ سے قتل کر کے زمین میں دفن کرنا پڑتا تو آپ کیا کرتے؟ بتایئے آپ کیا کرتے؟ جو گلفام چچا نے کیا، وہی نا؟ آپ خودکشی کر لیتے، بھلا جوان اولاد کو کفن میں لپٹا دیکھنے کا حوصلہ آپ کہاں سے لاتے؟ آپ سے تو گلفام چچا ہی بہادر نکلے، اپنی لاڈو کا جنازہ بھی پڑھا اور لاکھ آپ کے سنگین فیصلوں کے اسے لحد میں بھی اتار آئے، آپ سے تو گلفام چچا ہی اچھے نکلے، آپ نے تو بڑی بزدلی کا ثبوت دیا، بھلا میرے فیصلے کی مخالفت میں جنگ کرنے کی کوشش تو کرتے، آپ نے تو میرے قدموں میں اپنی دستار رکھ کر میرے بھی سارے ہتھیار نیچے گرا دیئے، مجھے بھی اپنی طرح بزدل بنا دیا، ورنہ نیل بر کا انجام ودھا سے مختلف ہرگز نہ ہوتا، یہ آپ نے کیا کیا خان بابا! آپ نے صندیر خان کو اتنا بے بس کر دیا؟“

”اور وہ جہاندار جو جانے کون تھا؟ کہاں سے آیا؟ اس پہ ایسا اعتبار؟ تف ہے اے ماضی کے شکستہ سردار، اتنا بھی نہ سمجھ سکے، شیر کی کچھار میں اپنا سر دے بیٹھے؟ اچھا کیا، بہت اچھا کیا، جس سلطنت پہ کئی دہائیاں آپ نے حکمرانی کی، اس کی بادشاہت اب میرے پاس ہے، اس سلطنت کی حکمرانی اب میرے پاس ہے، کیونکہ آپ تو اتنے وارث رکھنے کے باوجود بھی آج لاوارث ہو گئے ہیں، آپ کی وراثت سنبھالنے والا آپ کے بعد کوئی نہیں ہو گا، نیل بر آپ کی سلطنت اور اس اسٹیٹ سے بے دخل ہو چکی ہے اور کچھ ایسے کردار بھی تھے جو سالوں پہلے اپنے نام ونشان کے ساتھ آپ کی زندگی سے نکل گئے، تو اب ودھا کے قتل پہ ایک پرسینٹ آپ کی معافی بنتی ہے، آپ نے مجھے اپنا تخت وتاج دان کر دیا، آپ نے اپنی حکمرانی مجھے سونپ دی، نیل بر کی زندگی کے بدلے آپ نے یہ سودا؟ ہاں...... یہ سودا نقصان کا نہیں کیا؟ اسے اپنی فرسودہ اور جان عزیز رسموں کی بھینٹ چڑھنے سے بچالیا، آپ نے جرگے کے ہاتھوں نیل بر کی زندگی کا چراغ گل ہونے سے بچالیا۔“

”اپنی ساری اسٹیٹ میرے حوالے کر کے فقط نیل بر کی زندگی بچا کر آپ نے یہ سودا قطعی طور پہ غلط نہیں کیا، لیکن آپ کتنے بے خبر ہیں پیارے خان بابا! اتنے شاطر دماغ ہوتے ہوئے بھی آپ کیسے تقدیر کے ہاتھوں مات کھا گئے؟ کیا آپ کو ایک لمحے کے لئے بھی سمجھ نہیں آئی؟ آپ نے نیل بر کو موت کے گڑھے میں گرنے سے بچا کر زندگی کی اندھی کھائی میں پھینک دیا ہے، یہاں نیل بر کے لئے آگ تھی تو وہاں دہکتا ہوا برزخ؟ کیونکہ جہاندار کا دوسرا نام خوف اور موت ہے، اب نیل بر اپنے عشق کی سزا بھگتے اور آپ اللہ کا انصاف بھگتیں، جس طرح گلفام چچا نے سالوں پہلے ودھا کو ہمیشہ کے لئے کھو دیا تھا، اسی طرح آج آپ نے اپنی نیل بر کو ہمیشہ کے لئے کھو دیا ہے، آپ کو بہت بہت مبارک ہو، اس کو ادلے کا بدلہ کہتے ہیں، اسے تقدیر کا وار کہتے ہیں، اسے وقت کا عدل کہتے ہیں۔“ وہ زیر لب بڑبڑاتا مسکرا رہا تھا، وہ اس کے بٹو محل کی راجدھانی میں پہلی رات تھی، وہ اونچی مغرور بالکونی میں کھڑا تھا اور دور بہت دور گنہ گار پہاڑ کی تکونوں کو دیکھ رہا تھا، بڑا ہی عجیب رنگ کا پہاڑ تھا، اجاڑ اور کھنڈر سا، جس کے اوپر نیچے دھبے تھے، قریب سے اور دور سے دیکھنے میں جمے ہوئے لہو کے دھبے لگتے اور شاید وہ لہو کے دھبے تھے، ودھا اور فرخزاد کا لہو۔

اس کی آنکھوں میں لہو پھیلنے لگا تھا، وہ لہو جو کئی سالوں سے اس کی آنکھوں میں جما ہوا تھا، آج وہ لہو پگھل رہا تھا، ودھا کے درد اور تکلیف کے خیال سے، اندر سردار بٹو اور باہر صندیر بٹو رو رہا تھا۔

☆☆☆

اور صبح کے سارے منظر چونکا دینے والے تھے۔

رات اپنی تاریکی کے ساتھ سمٹ چکی تھی اور رات گزرتے ہی اس کے جذبات بھی پہلے سے سرد اور برف بن چکے تھے، اس وقت وہ پھر سے پہلے والا صندیر خان تھا، بے حس، سرد، اکھڑ اور بے نیاز۔

جسے کسی کی تکلیف پہ تکلیف نہیں ہوتی تھی، جسے کسی کی اذیت پہ اذیت نہیں ہوتی تھی، وہ تو کسی کی موت پہ بھی دکھ کا اظہار نہیں کرتا تھا، وہ ایسا ہی تھا، پتھر دل، سخت، پربتوں کے جیسا، جو کچھ رات کو ہوا تھا، وہ ماضی کا ایک حصہ بن چکا تھا، صبح تک ہر کوئی نارمل تھا اور روٹین ورک میں مصروف

تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، جیسے رات کو ہونے والے ایک حادثے سے نہ گزرا ہو، یہ ہی دستور تھا، یہی ان پہاڑوں پہ چلتا قانون تھا، یہی رواج تھا، جس طرح ودھا کو دفن کر کے سب بھول چکے تھے، اسی طرح نیل بر کو بھی جیتے جی دفن کر دیا گیا تھا، اب کسی کی مجال تھی جو نیل بر کا نام بھی لیتا، نیل بر کا ذکر بھی اس گھر میں حرام ہو چکا تھا، لیکن وہ دل ایسے بھی تھے جو رات سے افسردہ تھے اور غم سے بوجھل اور نڈھال تھے، ان میں ایک حمت تھی اور دوسری سباخانہ۔

گو کہ سباخانہ اتنی حساس ہرگز نہیں تھی، لیکن پھر بھی رات سے بہت زود ورنج ہو رہی تھی، اسے یہی خوف تھا، اگر ایسے ہی یہ روایات چلتی رہیں تو کسی روز اس کا انجام بھی نیل بر سے مختلف نہ ہوگا، کیا کسی کو چاہنا اتنا بڑا جرم ہوتا ہے؟ اس کا دل دکھ کے احساس سے بھر گیا تھا۔

اس نے اپنا دل رات سے بہت دفعہ ٹٹولا تھا، کیا اس کے دل میں اب بھی جہاندار کے لئے کوئی جذبات تھے؟ ہر دفع جواب نفی میں آتا، اس کے دل میں سوائے خوف کے کچھ بھی نہیں تھا، اگر محبت کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے تو اسے محبت نہیں کرنا تھی اور کبھی نہیں کرنا تھی اور یہی حال حمت کا بھی تھا۔

وہ بھی سباخانہ جیسی کیفیات کا شکار تھی، اسے بھی اپنے روپہلے خوابوں کو نوچنا تھا، اسے بھی اپنے دل کو زمین پہ پھوٹتی کونپلوں کے سروں کو کچلنا تھا، اسے بھی محبت کو خود سے دور کرنا تھا، وہ محبت جس کا انجام خوف تھا اور جس کا انجام موت تھا۔

☆☆☆

وہ ساری رات جاگتی رہی اور تڑپتی رہی، صندیر خان کے توسط سے اتنی تو خبر تھی کہ امام پہ قاتلانہ فائرنگ کروائی گئی ہے، آگے کی کچھ خبر نہیں تھی، جانے وہ بچا تھا یا نہیں؟ اور اس کا روم روم امام کے لئے دعا کر رہا تھا، اس کی لمبی عمر کے لئے، اس کی زندگی کے لئے، وہ کس دیس کا شہزادہ تھا، جو بھٹک کر ان پربتوں میں آن پھنسا، اسے کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی اور حمت کو کیا ضرورت تھی، اسے آگ میں کودنے پہ مجبور کرنے کی، وہ اپنی ساری زندگی تیاگ دیتی، ایک دعا میں گزار دیتی تب بھی امام کا قرض ادا نہیں کر سکتی تھی اور نہ خود کو اس احساس جرم سے نکال سکتی تھی۔

اب عمر بھر حمت کو اسی احساس جرم میں بندھا رہنا تھا، اس کی وجہ سے امام کا قیمتی خون ضائع ہوا، اس کی وجہ سے امام نے زندگی سے ناطہ توڑا، اس کی وجہ سے وہ برزخ میں کودا اور اس نے تو کہا تھا، ”میں جان دوں گا تو جان لوں گا بھی۔“ تو پھر وہ اپنے کہے الفاظ سے کیسے مکر گیا تھا، وہ جان لئے بغیر کیسے چلا گیا تھا؟

بھلا پچھتاوؤں میں گری حمت کو کیسے صبر آ جاتا، وہ رات بھر سے رو رہی تھی اور اگلی کئی راتوں تک تڑپ تڑپ کر روتی رہی، یہ چند راتیں کوئی امتحان تھیں، کوئی آزمائش تھیں، جو اتنی طویل تھیں کہ گزرتی ہی نہ تھیں اور ان چند راتوں میں اس کے سجدے بھی اتنے ہی طویل ہو چکے تھے، وہ گھر بھر سے کٹ چکی تھی، گوشہ نشین ہو چکی تھی، بوقت ضرورت بھی باہر نہ آتی اور اب تو بی جاناں بھی کھٹک گئی تھیں، ان کی تشویش بے جا نہیں تھی۔

”کوئی حمت کی خبر لے، اس نے نیل بر کی جدائی کا بڑا ہی صدمہ لے لیا، اندر باہر دکھائی نہیں

دیتی۔“ بی جاناں اپنے ازلی طمطراق کو دبا کر پری گل سے کہہ رہی تھیں، قریب ہی پژمردہ سی سباخانہ بیٹھی تھی، اداس، ویران اور کھوئی کھوئی، بی جاناں حمت کے خیال سے نکلیں تو سباخانہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں، وہ ایسے سر نہوڑائے بیٹھی تھی، جیسے پورا قافلہ لٹا کر بیٹھی ہو، بی جاناں کے دل کو کچھ ہوا تھا، وہ ان کی بڑی لاڈلی نواسی تھی، اپنی ساری پوتیوں سے بڑھ کر پیاری تھی، ان کا دل کیوں نہ پریشان ہوتا۔

”سباخانہ! تمہیں کیا ہوا؟ اب نیل بر کے صدمے سے نکل آؤ اور اپنے بارے میں سوچو۔“ ان کے چونکانے پہ سباخانہ نے خالی خالی نظروں سے نانی کو دیکھا تھا، بی جاناں کا دل دھک سے رہ گیا، وہ تو اندر تک خالی نظر آ رہی تھی۔

”سباخانہ! سنتی ہو کیا؟“ انہوں نے گھبرا کر اسے ٹہوکا دیا۔

”سنتی ہوں اور اے کاش نہ سنتی ہوتی، نہ دیکھتی ہوتی۔“ اس کا دل بھرا بھرا تھا، بی جاناں ٹھٹک گئیں۔

”خدا نہ کرے بچے! تجھے کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے محبت سے اسے پچکارا تھا۔

”کچھ نہیں بی جاناں! یوں لگتا ہے کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہے۔“ اس نے بھیگی آواز میں بتایا تو بی جاناں کی تجربہ کار نگاہیں اس کے اردگرد بھٹکنے لگیں، انہیں کہیں سے خطرے کی بو سی آئی تھی۔

”کیسی بات کرتی ہو؟ کون سی قیمتی چیز، خواہ مخواہ کا وہم نہ پالو۔“ انہوں نے نرمی سے ڈپٹا تھا، وہ اتنی زود ورنج تھی کہ اپنا سر ان کی گود میں رکھ کر بے آواز سسکنے لگی۔

”بی جاناں! میرا دل بڑا گھبراتا ہے۔“ کچھ دیر بعد اس کی روئی روئی آواز نے بے جاناں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

”کیوں گھبراتا ہے میری جان! بھول جاؤ اس گھر میں کچھ ہوا ہے، ویسے بھی نیل بر کو یہاں سے جانا ہی تھا، یورپ کا گند، فرنگن کی اولاد، جاتے جاتے بھی کیچڑ مل گئی، اچھا ہوا دفعان ہوئی، یوں نہیں تو یوں ہی سہی، کبیر خان کی آنکھیں بھی کھلی ہیں، بیٹی کی محبت میں کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے، وہ پورے علاقے میں دندناتی پھرتی تھی، ان آزادیوں کا یہی انجام ہوتا تھا، اوپر سے پوری جائیداد اس کے نام لگوانے والا تھا جو بھی ہوا بہتر ہوا، تم بھی مٹی ڈالو، بھول جاؤ اسے، اچھا ہوا جان چھوٹی، پرکھوں کی جائیداد ایسے تو نہیں بانٹ دینی تھی، کبیر خان کو تو سمجھ بوجھ نہیں، عمر بھر جذباتی فیصلے کیے، یہ تو صندیر خان نے سارا معاملہ اپنی فراست سے سلجھایا، سانپ بھی مرا اور لاٹھی بھی بچی۔“ انہوں نے ہاتھ جھاڑ کر سباخانہ کو اس گھٹن سے نکالنا چاہا تھا، جو اس کے اندر بھرتی جا رہی تھی۔

”اور نیل بر، اس نے ایسا نہیں چاہا تھا بی جاناں! وہ ایسی نہیں تھی، لاکھ خود سر سہی، پر ایسی نہیں تھی، اسے کسی طرح جہاندار کے ساتھ بھیج دیا؟ آپ نے ذرا بھی احتجاج نہیں کیا، اس کا گناہ کیا تھا؟“ سباخانہ جیسے تڑپ ہی اٹھی تھی۔

”ابھی اس کا کوئی گناہ نہیں تھا، وہ رات کی تاریکی میں خانزادوں کی عزت کو للکار کر نکل گئی، دو ٹکے کے ملازم کی محبت میں ذلیل کر گئی ہمیں۔“ بی جاناں کی نفرت کا کوئی انت نہیں تھا، سباخانہ نے بے ساختہ ان کے لبوں پہ ہاتھ رکھے۔

''وہ کسی کے ساتھ نہیں بھاگی تھی، وہ یہاں کے رسوم و رواج سے بغاوت کرنا چاہتی تھی، وہ صندیر خان کی پابندیوں سے بھاگی تھی، اسے یورپ جانا تھا بی جاناں، وہ کسی کے ساتھ نہیں بھاگی۔'' سباخانہ جیسے ان کے دل سے نیل بر کے خلاف زنگ اتارنا چاہتی تھی، اسے حمت نے سب بتایا تھا، کوئی اور وقت ہوتا تو سباخانہ اپنی اکڑ میں یقین نہ کرتی، لیکن اب صورتحال بالکل الگ تھی، اسے حمت کی باتوں پہ یقین آ گیا تھا۔

''اور جو اس نے بکواس کی تھی، اپنے باپ اور چچازاد بھائیوں کے سامنے؟'' بی جاناں نے غصے میں اسے کچھ یاد دلانا چاہا تھا، تب سباخانہ نے گہری ٹوٹ پڑتی رنجیدگی سے کہا۔

''بی جاناں! محبت کرنا جرم ہے کیا؟'' اس کا سوال اتنا نوکیلا تھا جس نے بی جاناں کو لالوں لال کر دیا تھا۔

''ہاں جرم ہے گناہ ہے، اپنی عزتوں کو چوراہوں میں بیچ آنا گناہ نہیں تو کیا ہے؟'' وہ حقارت سے بولی تھیں۔

''اور تم کیا سمجھتی ہو، ہم محبت سے عاری ہیں، ارے ایسی محبت کرو، جیسی ہم نے کی، اپنے باپ کی عزت سنبھال کر شوہر کی دہلیز پہ آئے اور عمر بھر اپنے شوہر کی پوجا کی، پھر اس کی اولاد کو محبت دی۔'' بی جاناں کا انداز اب کچھ نرم تھا، وہ سباخانہ کے حق میں اتنی ہی نرمی دکھاتی تھیں۔

''تو یہ قانون خان ماما پہ کیوں نہ لاگو ہوا؟ انہوں نے اپنی بیوی اور بچوں کے ہوتے ہوئے ایک اداکارہ سے کیوں محبت کی؟ ان کے سر پہ کیا عشق سوار تھا، جس نے کسی روتی ہوئی آنکھ کو نہ دیکھا، ان وقتوں میں تو وہ یورپ سے آتے ہی نہیں تھے، ایسا کیوں ہوا؟ انہوں نے بیوی کے ہوتے ہوئے ایک اور شادی کی، محبت کی شادی؟ یہ قانون خانزادوں پہ کیوں نہیں لاگو ہوتا جو خانزادیوں کی زندگی جہنم بنا دیتا ہے۔'' وہ بری طرح سے ٹوٹ کر سوال کر رہی تھی اور بی جاناں سے ایسے سوال کرنے کی صرف سباخانہ کو ہی جرأت تھی، چلر کی اوٹ میں کھڑی حمت دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سن رہی تھی۔

''سباخانہ!'' بی جاناں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا، ان کی آنکھوں میں وحشت سی تھی، ان کے لمس میں جارحیت تھی، سباخانہ سہم سی گئی، بی جاناں اسے کھوجتی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں۔

''سچ بتا سباخانہ! تیرے دل میں کون سا بھونچال ہے؟ بتا دے مجھے، یہ محبت محبت کا راگ کیوں الاپ رہی ہے؟ کہیں نیل بر کے قدموں پہ چلنے کا ارادہ تو نہیں۔'' سارے جہان کے خدشات لئے وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سوال کر رہی تھیں، اس حالت میں کہ ان کی رنگت ہلدی کی مانند زرد پڑ رہی تھی، سباخانہ نے شکستہ آنسوؤں کو ایک ایک پور پہ چنتے ہوئے بی جاناں کے ہراساں چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

''بے فکر ہو جائیں بی جاناں! وہ خواب ہی ٹوٹ گیا جسے آنکھوں میں سجایا تھا، وہ جہاندار ہی لوٹ گیا جسے سانسوں میں پایا تھا، اب آپ کو غم کرنے کی ضرورت نہیں، ہمارے قدم اس دہلیز پہ جمے رہیں گے، کبھی نہ اکھڑیں گے، چاہے کتنے زلزلے یا طوفان آئیں، حمت اور سباخانہ آخری سانس تک یہیں ہیں، کیونکہ وہ محبت کا انجام دیکھ چکی ہیں۔'' سباخانہ نے اپنے بکھرے وجود کو سمیٹا

اور چلر کے پیچھے چھپی حمت کی طرف اشارہ کرتی شکستہ قدموں سے راہداری کی طرف مڑ گئی، اس حال میں کہ بی جاناں کے جسم سے جان تک نکال گئی تھی، وہ ایسے ششدر تھیں جیسے کوئی سنگی مجسمہ، بے سانس اور ساکت اور ان کے ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست تھے، جیسے کبھی نہ نکلیں گے، وہ حق دق سی بیٹھی رہ گئیں، سباخانہ کے الفاظ کوئی معمولی الفاظ نہیں تھے۔

ان کے ارد گرد دھماکے ہو رہے تھے، ایک ایک بم پھٹ رہا تھا اور دھواں سا اٹھ رہا تھا، ان کے چاروں جانب ایک ہی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

''وہ خواب ہی ٹوٹ گیا جسے آنکھوں میں سجایا تھا، وہ جہاندار ہی لوٹ گیا جسے سانسوں میں پایا تھا۔'' بی جاناں کو لگا، وہ لمحوں میں فنا ہو گئی تھیں، ان کا دل بجھ کر راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا، یہ سباخانہ نے ان پہ کیسا وار کر دیا تھا۔

''جہاندار؟ ایک ملازم؟ اماں بھی ایک ملازم؟ اس گھر کی بیٹیوں کو اپنے پرکھوں کی عزت اب اس طرح سے پامال کرنی تھی؟'' یہ کیسی ذلت کی دھول تھی جو ان کے آس پاس اڑ رہی تھی اور ان کے تکبر بھرے الفاظ ان کے منہ پر تیزاب کی مانند گر رہے تھے۔

☆☆☆

وہ اوندھے منہ پلنگ پہ لیٹی تھی، تکیے میں منہ گھسا کر۔

جب ہلکی سی دستک دے کر حمت اندر داخل ہوئی، سباخانہ نے اٹھ کر اسے دیکھا نہیں تھا، وہ اسی طرح تکیے میں منہ دیئے بے حس و حرکت لیٹی رہی، حمت نے اندر آ کر کچھ پل کے لئے سوچا اور پھر سباخانہ کے قریب بیٹھ گئی۔

''سباخانہ!'' حمت نے بہت نرمی سے اسے پکارا تھا، اگر وہ پہلی والی مغرور سباخانہ ہوتی تو شاید حمت اس وقت اس کے پیچھے ہرگز نہ آتی، لیکن سباخانہ اب پہلے والی سباخانہ نہیں تھی، اس میں تبدیلی آ گئی تھی اور شاید یہ نیل بر کے جانے کا اثر تھا یا جہاندار کو کھو دینے کا۔

سباخانہ نے تکیے سے سر اٹھا کر حمت کی طرف دیکھا اور حمت اس کی لال بوٹی آنکھوں کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

''سباخانہ! خود کو سنبھالو۔'' وہ محض اتنا ہی کہہ سکی تھی، سباخانہ کی آنکھیں ضبط گریہ سے انگارہ ہو رہی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں حمت۔'' سباخانہ بیزاری سے گویا ہوئی تھی۔

''اور اگر ابھی نہ بھی ہو سکی تو دو چار دن میں ٹھیک ہو جاؤں گی، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار جو نہیں۔'' اس کے لہجے میں ٹوٹ پڑتی رنجیدگی تھی، وہ نیل بر کی وجہ سے شدید ڈسٹرب تھی اور یہ بڑا حیران کن واقعہ تھا۔

''اور جو ہوا ٹھیک ہی ہوا، اپنا انجام جانتے بوجھتے ہم ایسے رستے پہ چل پڑتے ہیں جس کی کوئی منزل ہی نہیں ہوتی۔'' اس نے گلابی آنکھوں کو زور سے رگڑا۔

''میں تمہاری تکلیف کو سمجھتی ہوں۔'' حمت نے کچھ دیر بعد کہنا شروع کیا۔

''لیکن نیل بر کے ساتھ بہت برا ہوتے ہوتے پھر بھی کچھ اچھا ہو گیا۔'' اس کے لہجے میں

گہری سوچ کا عکس تھا، سباخانہ چونک گئی۔
''یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بابا جان کی بیٹی تھی، سوبچ گئی، بچالی گئی، اگر میں یا تم ہوتی تو ہمارا انجام ودھا سے مختلف نہ ہوتا، اب کم از کم وہ محفوظ تو ہے، زندہ تو ہے، جی تو رہی ہے۔''
''تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن ایک بات بتاؤں، جہاندار لاکھ دل کو اچھا لگتا تھا، لیکن اس کے انداز بڑے پراسرار ہوتے تھے اور وہ یہاں کے لوگوں سے بھی مختلف تھا، اپنی باتوں سے لب و لہجے سے کسی بڑے شہر کا پروردہ لگتا تھا، کیا تم نے کبھی نہیں سوچا حمت؟ جہاندار اتنا مختلف کیوں تھا؟ اور وہ یہاں کیا لینے آیا؟'' سباخانہ صدمے کے اثر سے نکلی تو چھوٹی چھوٹی باریکیاں سوالیہ نشان بن کر سامنے آنے لگیں تھیں، حمت نے گہرا سانس بھرا۔
''یہ باتیں بڑوں کو سوچنی چاہیے تھیں، خاص طور پہ خان بابا کو، جہاندار انہی کا چہیتا تھا اور ان کا دست راست بھی، خان بابا صندیر لالا سے بھی زیادہ جہاندار پہ بھروسہ کرتے تھے، تبھی تو نیل بر کو خنک خان اور اس کے عیاش بیٹوں سے بچا کر جہاندار کے حوالے کر دیا، انہیں جہاندار پہ بڑا بھروسہ تھا۔''
''تو کیا جہاندار بابا جان کے اس بھروسے کو قائم رکھے گا؟ کیا تمہیں لگتا ہے جہاندار ان کا بھروسہ نہیں توڑے گا؟'' سباخانہ کا سوال بڑا گہرا تھا، حمت کا خدشات میں کپکپاتا دل اندر ہی اندر نفی کرنے لگا، اسے جہاندار کے پراسرار انداز یاد آئے تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔
''حمت! تمہیں نہیں لگتا؟ ماما جان نیل بر کی دفع بڑا دھوکا کھا گئے؟ اسے ایک کنویں سے نکال کر دوسرے میں پھینک دیا؟'' سباخانہ کے افسردہ لہجے میں کہیں بھی رقابت کا اثر نہیں تھا، وہ حقیقتاً نیل بر کے لئے پریشان تھی۔
''تو بابا جان بھلا کیا کرتے؟ ان کے پاس جہاندار کے علاوہ کوئی آپشن نہیں تھا، شاہوار لالا اور صندیر لالا اس کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے، اس پہ زندگی تنگ ہو رہی تھی۔'' حمت نے گہرا سانس خارج کیا تھا، اسے بابا جان کی بے بسی پہ ترس آیا، ترس آنا تو نہیں چاہیے تھا، کبھی اس کا باپ بھی اتنا ہی بے بس ہوا تھا، لیکن اس وقت وہ بابا جان پہ ترس کھا رہی تھی، وہ واقعی قابل رحم حالات سے گزر رہے تھے۔
''ہم نیل بر کے لئے اب کچھ بھی نہیں کر سکتے، بس دعا کر سکتے ہیں، کہ جہاندار نیل بر کے لئے اچھا ثابت ہو۔'' حمت نے صدق دل سے کہا تھا، جانے کس سوچ میں ڈوبی سباخانہ نے بے ساختہ سر ہلایا، نیل بر کا ایسا مسئلہ اٹھا تھا جس نے حمت اور سباخانہ کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا، ورنہ پہلے سباخانہ بھی کسی کو منہ ہی نہیں لگاتی تھی۔
''جانے نیل بر کہاں ہوگی؟ اس علاقے کی حدود سے نکالی جا چکی ہے؟ جانے اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا، کیسی بدقسمتی ہے، ہم اس سے رابطہ بھی نہیں کر سکتے۔'' سباخانہ نے ٹھنڈی آہ بھری تھی، پھر اچانک اسے خیال گزرا تھا۔
''اس سرودیر کا کیا قصہ ہے حمت! جس کے پیچھے نیل بر نے اتنے عذاب خرید لئے ہیں۔'' سباخانہ کے پوچھنے پر حمت کے سارے زخم پھر سے ادھڑ گئے تھے، نیل بر کا قصہ یاد آیا تو وہ پیاری صورت والا سرودیر بھی آنکھوں میں آنسو بھرتا اپنی مسکراہٹ کے ساتھ دل کی دنیا تہہ و بالا کر گیا تھا۔

حمت کا دل قطرہ قطرہ بہنے لگا، یوں لگ رہا تھا جیسے ضبط کے سارے ٹانکے کھل جائیں گے، سارے زخم ادھڑ جائیں گے۔
آخر اس نے امام کو اتنی بڑی آزمائش میں کیوں ڈال دیا؟ اسے اتنے بڑے امتحان میں کیوں ڈال دیا؟ اس نے امام کو ہی آخر کیوں منتخب کیا؟ حمت عمر بھر اسی غم میں جلتی بھٹی کے اندر سلگتی رہتی تب بھی خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی، جانے امام کہاں تھا؟ زندہ بھی تھا یا نہیں؟ امام کی یاد نے اسے لہولہو کر دیا تھا، زخم زخم کر دیا تھا۔
دل پہ ایسا بوجھ دھرا تھا، جو نا قابل برداشت تھا، اٹھایا نہیں جا رہا تھا، ایسا درد تھا جو ختم نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ بڑھتا جا رہا تھا، ایسی اذیت تھی جس کا کوئی حساب نہیں تھا، کوئی شمار نہیں تھا، اسی درد مسلسل کی کیفیت میں حمت نے سباخانہ کو سب کچھ بتا دیا، نیل بر کو امام کے ساتھ بھیجنے کا پورا قصہ اور سباخانہ حیرت و بے یقینی میں اسے بس دیکھتی رہ گئی تھی۔
''امام! اسے صدر تک چھوڑنے گیا تھا، اور صندیر خان کے آدمیوں کی گولیوں کا شکار ہو گیا، اسے نیکی کا خمیازہ بھگتنا پڑا، او میرے خدا! تم نے کیا کر دیا حمت۔'' سباخانہ اپنے غم بھول کر جیسے ششدر رہ گئی تھی۔
''وہ بے چارہ غلط فہمی میں مارا گیا، صندیر خان تو یہی سمجھا ہوگا نا، نیل بر اسی کے ساتھ بھاگی تھی۔'' سباخانہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔
''صندیر خان کی یہ غلط فہمی کون دور کرے گا حمت۔'' سباخانہ نے بے پناہ حیرت اور سراسیمگی کے عالم میں اس کا کندھا ہلایا تھا، تب حمت نے خالی خالی نظروں سے سباخانہ کا متوحش چہرہ دیکھا اور ایک آہ کے ساتھ گویا ہوئی تھی۔
''صندیر خان کی غلط فہمی دور کرنے کا اب کیا فائدہ، جس کی خاطر یہ کشت اٹھا بھی لیتی، صندیر خان کے سامنے کھڑی بھی ہو جاتی، مگر کیا اب کیا فائدہ، جب امام فریدے ہی نہ رہا۔'' حمت کے منہ سے یہ چند الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، یوں کہ سباخانہ اسے تاسف کے ساتھ دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

کومے کے لئے پلوشہ کی حالت زار نا قابل برداشت تھی۔
پلوشہ کا رویہ کہیں سے بھی نارمل نہیں تھا، یوں لگتا تھا وہ کسی نفسیاتی دباؤ کے زیر اثر تھیں، وہ کسی نفسیاتی الجھن کا شکار تھیں، ان کی بی ہیویئر قطعی ایب نارمل تھا اور ابھی وہ پلوشہ کے ایب نارمل رویے پہ ششدر تھی جب ہمان نے ان پر ایک قیامت توڑ دی تھی، امام فریدے، اس کا بھائی انتہائی نازک حالت میں پنڈی سی ایم ایچ میں زخموں سے چور، آخری سانسیں لیتا ہوا لایا گیا تھا۔
اس پہ قاتلانہ حملہ ہوا تھا، اسے گولیوں کی بوچھاڑ سے زخمی کیا گیا تھا، جانے وہ کون لوگ تھے جنہوں نے اتنی سفاکی اور بے رحمی سے اس پہ گولیاں چلائی تھیں۔
اس کا بھائی تو اتنا نیک اور معصوم تھا، اس نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا تھا، کبھی کسی کو پھول

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کے ساتھ نہیں مارا تھا، اس کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی اور پھر یہ لوگ کون تھے؟ جو اس کے بھائی کو لہولہان کر کے اپنے تئیں موت کے گھاٹ اتار کے چلے گئے تھے، وہ کون ظالم درندے تھے؟ وہ کون شقی القلب لوگ تھے؟

کوے دیواروں سے سر پٹختی حال سے بے حال تھی، شانزے خود صدمے سے چور، امام کے لئے دعائیں کرتی، گھر، کوے اور ہسپتال کے گرد گھن چکر بنی ہوئی تھی، کیونکہ امام پہ ہونے والی فائرنگ کا سن کر پلوشہ کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا، وہ اپنے لاڈلے بھانجے کے ساتھ ہی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھیں، یہ ان کی اپنی بہن کے بچوں سے محبت کی انتہا تھی۔

ہمان مسلسل بھاگ دوڑ کے ساتھ ساتھ پولیس اور قانون سے بھی نمٹ رہا تھا، تھانے سے بہت دفع انوسٹی گیشن آفیسر رپورٹ لینے اور ایف آئی آر درج کروانے کے لئے چکر لگا رہے تھے، لیکن امام کی نازک حالت کے پیش نظر کوئی بھی قانونی کارروائی عمل میں نہیں لائی جا سکتی تھی۔

امام کو ہوش آتا تو وہ بیان دیتا، اس سے پہلے کچھ بھی ممکن نہیں تھا اور ہمان صدمے، دکھ اور پریشانی کے ساتھ ساتھ غصے اور انتظام کی آگ میں جل رہا تھا۔

آخر وہ کون لوگ تھے، جنہوں نے اس کے بھائی پہ اندھا دھند گولیاں چلائی تھیں اور امام فریدے کا اتنا قیمتی خون بہایا، اس خون کے قطرے قطرے کا حساب دینا تھا، وہ ان لوگوں سے ایک ایک بوند کا حساب لینے کے لئے آگ میں جل رہا تھا، اس کے اندر باہر بھانبھڑ جل رہے تھے، آگ بھڑک رہی تھی، اس آگ پہ چھینٹے تب ہی پڑتے جب وہ اپنے بھائی کے لہو کا بدلہ لیتا، وہ تب سے لے کر اب تک اذیت اور صدمے سے لہولہان تھا، اوپر سے پلوشہ کی نازک حالت، کوے کی نڈھال کنڈیشن اور تنہا ہمان۔

آج اسے اندازہ ہوا تھا، وہ اپنے بھائی کے بعد کچھ بھی نہیں، اپنے بھائی کے بغیر بالکل اکیلا ہے، امام اس کا سہارا تھا، اس کا آسرا تھا، اس کا بازو تھا، اس کے بدن میں دوڑنے والا لہو تھا اور ڈاکٹر کہتے تھے امام کا بچ جانا ایک معجزہ ہے، بہت خوش نصیبی کی بات تھی کہ امام کے اندر ٹوٹتی زندگی پھر سے رواں ہو جاتی۔

اس کے جسم میں بارش کے قطروں اور رویوں کی بوچھاڑ کی طرح گولیاں گھسائی گئی تھیں، ڈاکٹر کہتے تھے اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو امام کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ جاتا اور ہمان کو چلتے چلتے ہی کسی نے بتایا تھا، تب وہ صدمے، دکھ اور اس ناگہانی آفت پہ اتنا حواس باختہ تھا کہ سن ہی نہ سکا۔

''امام کو منگورہ سے صدر کے ہسپتال اور پھر ادھر سے پنڈی تک ایک خوش شکل نوجوان لایا تھا، وہ لڑکا اسی علاقے کا لگتا تھا، وہ پنڈی اسے ایڈمٹ کروا کے گھر والوں کو اطلاع دے کر واپس چلا گیا، اس مہربان نے اپنا نام نہیں بتایا تھا، لیکن اس کے حلیے سے یہی معلوم ہوتا تھا، وہ دیامر کا ہی رہنے والا تھا۔'' ایک جان پہچان والی نرس نے ہمان کو اگلے دن بتایا۔

''شکل سے پڑھا لکھا لگتا تھا، ماہر جراحی، وہ مریض کی ابتدائی ٹریٹمنٹ دے کر لایا تھا، اس کی باتوں سے فیل ہوتا تھا، وہ میڈیسن کی فیلڈ کا بندہ ہے۔''

ہمان کو تب خیال نہیں آیا تھا، اس مہربان کا نام پتہ ہی پوچھ لیتا، اس نے اتنی بڑی ان پہ مہربانی کی تھی، اس کے بھائی پہ احسان کیا تھا، اگر وہ امام کو وہاں سے یہاں تک نہ لاتا تو کیا ہوتا؟ ہمان کے اس تصور سے ہی پسینے چھوٹ رہے تھے۔

اور اب جبکہ پلوشہ کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی پھر بھی امام کا آٹھ گھنٹوں سے جاری آپریشن ختم نہیں ہوا تھا، وہ لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے تھے، ایسے بھکاری کی طرح جن کے کشکول ہر خواہش سے خالی پڑے تھے، بس ایک ہی آرزو تھی، بس ایک ہی تمنا تھی کہ خدا امام کو دوسری زندگی عنایت کر دیتا، ادھر پلوشہ نے ہوش میں آتے ہی ''امام امام'' چلانا شروع کر دیا تھا۔

''مجھے معاف کر دینا آپی! میں تمہارے بچوں کی حفاظت نہیں کر سکی، تم نے مجھے اس قابل کیوں سمجھا، میں تو اپنے بچوں اپنی اولاد کی حفاظت نہیں کر سکی تھی تو تمہارے بچوں کی محافظ کیسے بن جاتی، میں اس قابل نہیں تھی، جتنی بڑی ذمہ داری تم نے میرے کندھوں پہ لاد دی، میں اس ذمہ داری کو نہیں نبھا سکی، میں فیل ہو گئی آپی، میں ناکام ہو گئی، میں امام کو دیامر جانے سے روک نہیں پائی اور وہی دیامر، وہی شیر دل شاہ کا دیامر تمہارے بیٹے کا لہو چوس گیا، ہمیں دیامر کبھی راس نہ آیا، ہمیں کبھی دیامر راس نہ آیا۔'' پلوشہ کی آہیں، پلوشہ کی چیخیں ہسپتال کی چھت کو ہلا رہی تھیں، باہر کوے تڑپ رہی تھی، اندر پلوشہ تڑپ رہی تھی۔

ہمان گھبرا کر ڈاکٹر کو بلا لایا تھا، پلوشہ کی نازک حالت کے پیش نظر ان کو نیند کا انجکشن دے کر سلا دیا گیا تھا، اس حال میں کہ وہ سوتے ہوئے بھی ''امام امام'' ودھا، کوے، حمت، چلاتی تھیں اور باہر کھڑے ہمان، کوے اور شانزے پہ عجیب و غریب انکشاف اور ادراک اتر رہے تھے، وہ ایک ایک نام کو دہراتے جیسے ششدر تھے۔

''ودھا اور حمت؟'' شاید پلوشہ کا بے ہوشی اور صدمے کی انتہا میں دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا تھا، ان تینوں نے روتی آنکھوں اور دکھے دل کے ساتھ سوچا تھا، وہ جانتے نہیں تھے، ودھا اور حمت پلوشہ کی آتی جاتی سانسوں کا ناسور تھے، ایک تلوار کی تیز دھار تھے جو رات دن پلوشہ کو زخم کرتی تھی۔

☆☆☆

پو پھٹنے کے بعد ہی اس کی پرسکون نیند ٹوٹ گئی۔

آج بڑے دنوں بعد وہ جی بھر کے سویا تھا، یوں لگتا تھا جیسے اعصاب سے بھاری بوجھ اتر گیا ہے، وہ بستر سے اٹھ کر واش روم میں گیا، اور پون گھنٹہ تازہ پانی سے شاور لیتا رہا، ایسے لگ رہا تھا جیسے اپنا غصہ، اتنے دنوں کی تپش اور اندر کی آگ کو بجھا رہا ہے، پانی سے خود کو ٹھنڈا کر رہا ہے، پون گھنٹہ بعد جب وہ واش روم سے باہر آیا تو پہلے کی نسبت خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا، اس کے اعصاب پرسکون تھے، وہ خود کو آرام دہ حالت میں تصور کر رہا تھا۔

بہت دن سے لدے خود پہ سارے وزن اور بوجھ رات کو ایک ہی جھٹکے میں اتارنے کے بعد اب وہ بہت ہلکا پھلکا اور مطمئن تھا، اس کو کہتے تھے، ایک جامع حکمت عملی، ایک سوچا سمجھا منصوبہ، ایک ٹھوس اور مستحکم پلاننگ، ایک بہترین لائحہ عمل۔

وہ آئینے میں اپنا عالیشان سراپا دیکھ کر دھیمے سے مسکرایا۔

"میری پلاننگ کوئی عام پلاننگ نہیں ہوتی۔" اس نے بالوں کو جھٹکا اور اپنی سونا اگلتی آنکھوں کو اس دیوار کی طرف موڑ لیا جس پہ اس کی خاندانی فوٹو لگی تھی، یہ ایک گروپ فوٹو تھی۔

سردار بٹو، گلفام بٹو، اور اسفند خان بٹو کے ساتھ، جن دنوں وہ تینوں بھائی یورپ میں تھے، وہیں کے کسی تعلیمی ادارے کی فوٹو تھی۔

وہ آنکھیں بھینچ کے اپنے تایا، باپ اور چچا کی تصویر دیکھتا رہا، پھر اس کی نگاہیں سردار کبیر بٹو کی تصویر پہ گویا جم گئی تھیں۔

"سالوں پہلے آپ نے ایک منصوبہ بنایا تھا، جانے آپ کی حکمت عملی کمزور تھی یا آپ کے مشیر ناقص العقل تھے بابا جان! آپ کا منصوبہ تو کامیاب رہا، گلفام خان دنیا سے پردہ کر گیا، اس حال میں کہ اس نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی اور آپ کی اکلوتی بہن بھی ناولد ہی رہی، سوائے ایک بیٹی کے اس نے ورثے میں کچھ نہ چھوڑا اور پھر میں اور شاہوار تھے، اسفند خان کے بیٹے، آپ کی سب سے کمزور ترین رعایا، آپ نے کب سمجھا ہوگا کہ یہ کمزور ترین لوگ بھی ایک دن حکومت کریں گے، جب وقت نے مجھے قبیلے کا سردار بنا دیا، تو آپ کی حالت کیا ہوئی، ایک پچھاڑے ہوئے سپہ سالار جیسی، آپ کی تو خواہش ہوگی، گلفام خان کی طرح میرا باپ بھی اولاد نرینہ سے محروم رہتا، لیکن قدرت کی ستم ظریفی دیکھیں، آپ کی تمنا کو آپ کی ذات سے ہی پورا کروا دیا، آپ ڈھیر ساری بیٹیوں کے باپ ہی رہے، ناولد ہی رہے، بیٹے کی صورت سے محروم، تو اب آپ بہت سکون اور آرام کے ساتھ سوچیے گا۔"

"جس دھن دولت اور حشمت کی خاطر آپ نے سینکڑوں لوگوں کی زندگیوں کو جہنم بنایا، وہ ساری دولت میری جھولی میں آ گری ہے، آپ نے خود اپنے ہاتھوں کے ساتھ ساری سلطنت کی حکمرانی مجھے سونپ دی، تو کبھی فرصت میں سوچیے گا بابا جان، اس جائیداد میں سے رائی کا ایک دانہ بھی آپ کی اولاد کے حصے میں نہیں آیا، تو پھر کس کی خاطر اتنے پاپ کمائے تھے، وہ سبز پہاڑوں اور نیلی جھیلوں والی زمین وہیں کی وہیں کھڑی ہے، وہ جودھا کی زمین تھی اور جودھا کے باغات تھے، جن کو ہتھیانے کی خاطر آپ نے ودھا کے لئے برزخ بڑھایا، آج اسی جہنم میں آپ کی جان عزیز سلگ رہی ہے، کبھی فرصت میں اپنے نام نہاد جاہ و جلال کو ایک طرف رکھ کے سوچیے گا بابا جان، اولاد کی محبت اسی طرح دنیا تیاگ دینے پہ مجبور کر دیتی ہے اور دنیا سے پردہ کر دینے پہ مجبور کر دیتی ہے جیسے گلفام چچا نے دنیا سے پردہ کر لیا۔" وہ نفرت و حقارت کی انتہا پہ کھڑا زہر پھونک رہا تھا، اس کی سنہری آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

اور جانے اس آگ میں وہ کب تک جھلستا رہتا، اچانک اس کا خادم خاص اجازت لے کر اندر آیا تو وہ سوچوں کے اژدھام سے فوراً نکلا، گردن بغیر موڑے اس نے انتہائی تحکم اور رعب سے پوچھا تھا۔

"کیا رپورٹ لائے ہو سعادت خان؟"

"رپورٹ اچھی نہیں ہے سرکار۔" سعادت خان نے ڈرتے ڈرتے اطلاع دی تھی، صندیر

خان چونکا اور پھر ایک جھٹکے سے سعادت خان کی طرف رخ کر کے پلٹا۔

"ایسا کیوں ہوا؟" اس کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا، آنکھوں سے شرارے پھوٹ پڑے تھے۔

"میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ اسے قتل کروا دو، اسے ختم کر آؤ، میں نے صرف اس لئے بھیجا تھا کہ اسے دھمکا کر آؤ، ہوائی فائرنگ کے ساتھ اس کی جیپ کو گولیوں سے اڑاؤ، اسے نہیں، تم لوگ، حرامی کتے ہو، عقل سے سوچتے نہیں، کان سے پوری بات سنتے نہیں۔" وہ پوری شدت کے ساتھ چلا رہا تھا اور سعادت خان تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"سرکار! اس نے جواباً فائرنگ کی تو ہمیں ہتھیار سیدھا کرنا پڑے، وہ بڑا مشاق تھا، ہمارے تین آدمیوں کو زخمی کر دیا، ایک کی ٹانگ گھائل ہوئی اور دوسرے کا تو بچنا ہی محال ہے۔" سعادت خان اسے صورتحال کی سنگینی بتا رہا تھا، کہ کس سچویشن میں انہوں نے جواباً حملہ کیا تھا۔

"اس نے چوڑیاں نہیں پہنی تھیں کہ فائرنگ کے بدلے فائرنگ نہ کرتا، تم سارے کے سارے مر جاتے، لیکن اس پہ سیدھا فائر نہ کھولتے، یہ میرا حکم تھا، جس سے تم لوگوں نے روگردانی کی، میں تم پہ کتے چھوڑ دوں گا۔" وہ مارے طیش کے سعادت خان پہ ٹوٹ پڑا تھا، امام پہ قاتلانہ حملے نے جہاندار کا سارا چین و سکون غارت کر ڈالا تھا۔

"خان! معاف کر دیں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" سعادت خان گھگھیا رہا تھا۔

"اگر وہ زندہ نہ بچا اور اس کی موت کی تصدیق ہوگئی تو پھر دیکھنا میں پوری وادی میں تم لوگوں کو گھسیٹ کر کتوں کے آگے ڈالتا۔" صندیر خان کا لہجہ آگ برساتا تھا، سعادت خان اس کے قدموں میں گر پڑا، تڑپ تڑپ کر رونے لگا۔

"خان! ہم سے گناہ ہوگیا، ہمیں معاف کر دو۔"

"حرامی، اپنی زبان بند کر، میرے سارے منصوبے پہ لات مار آئے ہو، میرا مقصد اسے جان سے مارنا نہیں تھا، دیامر سے بھگانا تھا، تاکہ وہ اپنی ٹرانسفر کروا کے یہاں سے چلا جاتا، ہمارے کاموں اور کاروبار میں روڑے نہ اٹکاتا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سعادت خان کی دورگت بناتا اسے لاتوں اور گھونسوں سے مارتا ٹھڈوں کے ساتھ باہر پھینک آیا تھا اور اب شدید غصے کے عالم میں کوئی نمبر ملاتا بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

معاً دروازے میں کھڑا بت بنا شاہوار خان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا صندیر خان کے قریب آ گیا تھا، اس حال میں کہ شاہوار کے تاثرات بہت برفیلے اور سرد تھے۔

فون پہ مصروف صندیر خان لمحہ بھر کے لئے چونکا اور پھر بے ساختہ پورا گھوم کر شاہوار کے پاس آ گیا۔

"کھڑے کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔" اس نے آنکھ کے اشارے سے کاؤچ کی طرف شاہوار کو متوجہ کیا تھا، لیکن شاہوار خان ایسے ہی کھڑا رہا، بت بنا ہوا، ششدر سا، بے یقین۔

"سنا نہیں تم نے۔" اب کہ اسے غصہ آ گیا تھا، پہلے سے دماغ تپ رہا تھا، اوپر سے شاہوار کا عجیب رویہ۔

’’بہت کچھ سن لیا ہے اور ابھی تک بے یقین ہوں، یقین نہیں آتا جو سنا ہے، وہ حقیقت ہے، یا جس عذاب سے چند راتیں پہلے گزرے ہیں وہ حقیقت تھی، یہ کون سا سوانگ ہے خاناں سیدھی اور کھری بات کو کرنا، بات گھمانا مت، میرا تو پہلے سے ہی دل اسے جھٹکے سے سنبھلنے والا نہیں۔‘‘ شاہوار کچھ دیر بعد بہت ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولا تو صندیر خان پوری جان سے چونک گیا تھا، تو گویا شاہوار خان بہت کچھ سن چکا تھا، صندیر خان نے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے، پھر خود کو پرسکون کرتا سیدھا ہوا۔

’’تمہارا دل کمزور ہے شاہوار، اس معاملے سے الگ ہی رہو تو بہتر ہے۔‘‘ صندیر خان نے اسے گہرا سانس کھینچ کر تنبیہ کی تھی۔

’’میں الگ ہی رہتا، اس معاملے میں کبھی نہ پڑتا، اگر بیچ میں وہ سردئیر نہ آتا، بتاؤ خاناں، اس پردیسی کے ساتھ کتنا برا کر چکے ہو۔‘‘ شاہوار جیسے پھٹ پڑا تھا۔

’’اس نے خانزادوں کی عزت پہ ہاتھ ڈالا تھا، شاہو، اپنے انجام کو یاد رکھتا اور اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتا، اسے ہمارے بٹوحل کی اونچائیوں کا پتا ہیں تھا۔‘‘ صندیر خان نے خود کو ٹھنڈا رکھ کے شاہوار کو بھی ٹھنڈا کرنا چاہا تھا، اسے شاہوار کی چند مہینے پہلے اسے سردئیر سے ذاتی قسم کی جان پہچان کا خیال بالآخر آ ہی گیا تھا۔

’’بس کرو صندیر خان، بس کردو، کیسے جھوٹ بول کر دھوکہ دے رہے ہو، وہ قطعاً بے قصور ہے اور اس کی نیت نیل بر کے حق میں بری نہیں ہو سکتی، میں اس کو ذاتی طور پہ جانتا ہوں، تم نے اپنا بغض اور عداوت نبھائی ہے، تم اسے دیامر سے نکالنا چاہتے تھے، وہ تمہارے کاروبار کی راہ میں رکاوٹ تھا، اس کے لئے تم نے اچھا بہانہ سوچا، بہترین لائحہ عمل تیار کیا، تم نے ایک تیر سے کئی شکار کر لئے، خان بابا کو پچھاڑ ڈالا، ان کی ساری جائیداد اپنے نام کروالی، انہیں بے اختیار کر ڈالا اور نیل بر کی جڑیں بٹوحل سے کاٹ ڈالیں، سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق کر لیا تم نے اچھا کیا یا برا، اس کا حساب مانگنے والا میں کون ہوتا ہوں، پر تم نے اس سردئیر کے ساتھ اچھا نہیں کیا، بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔‘‘ شاہوار کی مارے صدمے سے آواز پھٹ پڑی تھی، صندیر خان بڑے ہی تحمل سے سنتا رہا، وہ شاہوار کی جذباتیت اور نرم دلی سے واقف تھا۔

’’شاہوار! ابھی تم جذباتی ہو رہے ہو، بھول گئے ہو نیل بر کی وہ سرکشی، اس نے از خود امام کا نام لیا، اس سے محبت کا دعویٰ کیا، بلکہ اپنی تباہی کو آواز دی، وہ ایسا نہ کرتی تو کچھ بھی غلط نہ ہوتا، بہرحال تم اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتے، امام اسے اپنے ساتھ نہ سہی، لیکن فرار ضرور کروا رہا تھا، اس نے نیل بر کی مدد کی بھگانے میں، مفرور کروانے میں، یا اپنے ساتھ لے جانے میں، بات کوئی بھی ہو، ہماری عزت پہ بٹہ تو لگا ہے اور اس کی سزا اسے بھگتنی ہی تھی۔‘‘ صندیر خان کے پاس دلائل بہت تھے اور وہ شاہوار کو قائل کر سکتا تھا۔

’’مجھے افسوس ہے، میں کس طرح یقین کر بیٹھا، جانتے ہوئے بھی کہ امام ایسا نہیں، اس کی شرافت اس کی پیشانی پہ لکھی ہے، وہ کسی مدد تو کر سکتا ہے، کسی کی عزت داغ دار نہیں کر سکتا۔‘‘ شاہوار لب بھینچے اذیت سے کہہ رہا تھا۔

’’جمعہ جمعہ چار دن نہیں گزرے اور تم ایک اجنبی سے یارانہ جوڑ بیٹھے ہو، بھول جاؤ شاہوار، امام کو بھول جاؤ، اب ہمارا اس کے ساتھ کوئی لینا دینا، امید ہے وہ بچ جائے گا، اگر بچ گیا تو دیامر نہیں آئے گا۔‘‘ صندیر خان نے لاپرواہی سے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا۔

’’وہ بچے گا تو آئے گا واپس، اسے اتنی بے رحمی سے مارا ہے۔‘‘ شاہوار نے تڑپ کر صندیر خان کو دیکھا تھا۔

’’اسے کچھ نہیں ہوگا، مرنا ہوتا تو منگورہ کے نواحی جنگل میں مرا پڑا ہوتا اور اس کی لاش بھی گل سڑ جاتی، کسی کو کانوں کان پتا نہ چلتا، اسے کے نصیب اچھے تھے، اسے بیال کی ذیلی سڑک سے کسی راہ گیر اٹھا کر ہسپتالوں میں لئے پھرتا رہا، اس وقت وہ پنڈی کے ہسپتال میں ایڈمٹ ہے، اگر اسے مرنا ہوتا تو وہ پنڈی تک نہ پہنچتا، اس کے لئے اتنے وسیلے نہ بنتے، خدا کو اس کی زندگی منظور ہوگی، اب تم اس غم سے نکل آؤ، بھول جاؤ جو ہوا، سمجھو ایک بھیانک خواب تھا، نیل بر ایک آزاد پرور معاشرے کی سرکش اور بے لگام لڑکی تھی، ہمارے خاندان میں جانے کس طرح بد نصیبی سے پیدا ہوئی، اس کی سرکشی اور بے راہ روی نے پورے علاقے میں ہمیں بے عزت کر رکھا تھا، اچھا ہوا خس کم جہاں پاک، نیل بر کا کتابچہ بند ہوا، باقی رہی حمت اور سبا خانہ ان سے کسی سرکشی کی امید نہیں، اب میں ریلیکس ہونا چاہتا ہوں اور اس کے لئے چاہیے ہے کہ شادیانے بجاؤں، تم اپنا ذہن بنا لو شاہو، میں بٹوحل میں گاجوں باجوں کی آوازیں سننا چاہتا ہوں، میں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ وہ اتنے حساس موضوع کے سارے ابواب بند کرتا دھڑ دھڑ اپنے فیصلوں کو صادر کرتا شاہوار کو ہکا بکا کر گیا تھا۔

اس نے تو اپنی شادی کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا، کچھ مہینے پہلے ایک شبیہ سی لہرائی تھی، وہی ایک انجانی سی لڑکی، عشیہ؟ لیکن یہ خیال بس خیال تک محدود تھا، اسے شاہوار نے صندیا محبت نہیں بنایا اور اب صندیر خان ایک الگ بات کر رہا تھا، شاہوار کی شادی؟ وہ نیل بر کا جنازہ (شادی) اور امام کی متوقع موت بھلا کر کیا اپنے جشن کی تیاری کر سکتا تھا؟ کیا شاہوار خان اپنے بھائی کی طرح خود غرض ہو سکتا تھا؟

☆☆☆

یہ گلگت تھا، سبز پوشاکوں سے ڈھکا، چلغوزوں کے درختوں اور خوبانی کے باغات سے سجا۔
اور یہاں پہ بہت پرانی پولو گراؤنڈ تھی، انگریزوں کے زمانے سے، جب اعلیٰ سرکاری عہدیداران یہاں یہ پولو کا میچ دیکھنے آیا کرتے تھے۔

پولو گراؤنڈ کے پچھواڑے میں سفید محرابوں والی عمارت تھی، بے شمار بالکونیوں سے سجی، دور سے بڑی ہی اداس اور پراسرار لگتی اور اس وقت وہ اسی سنسان عمارت کے اندر موجود تھی۔

ایک مہیب خاموشی اور روح کو کاٹ ڈالنے والے سناٹے نے نیل بر کا اس حویلی میں استقبال کیا تھا، یہاں پہ کچھ بھی نہیں تھا، سوائے سناٹے، خاموشی، تنہائی اور وحشت کے۔

جو سب سے زیادہ وافر مقدار میں چیز پائی جاتی تھی، وہ تھا خوف، بے تحاشا خوف، ہڈیوں کے گودے میں اتر جانے والا خوف۔

(جاری ہے)

اک سنہرا چاند سا

نائلہ طارق

گھر سے باہر آ کر اس نے یونہی سنسان گلی میں نظریں دوڑائی تھیں، دوپہر ڈھل چکی تھی مگر سورج کی تمازت ابھی فضا میں باقی تھی، ایک طرف کھڑی بائیک کی طرف اس نے بڑھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ سامنے والے گھر کا گیٹ کھلا تھا، باہر آتے شخص کی دل جلا دینے والی مسکراہٹ نے مزید اس کے تیور بگاڑے تھے۔

''آ گیا اٹلی سے منہ کالا کروا کے مرغی چور۔'' اس کے زہر خند انداز پر اوزان کی ہنسی مزید جلا دینے والی تھی۔

''کھسیانا بلا کھمبا نوچے، بلکہ یہ زیادہ مناسب ہے کہ ہاتھ کو آیا منہ نہ لگا۔''

''تیرا یہی منہ توڑوں گا، جا کر ڈوب مر آستین کے سانپ، دوست ہو کر تم نے میری پشت پر خنجر گھونپا ہے۔'' وہ ہتھے سے اکھڑتا اوزان کے مقابل آیا تھا۔

''یار! سیدھی سی بات ہے، اپنے فیوچر کے لئے میں کسی کے سینے میں بھی خنجر گھونپ سکتا ہوں، ویسے تمہیں مجھ سے جیلس ہونا نہیں چاہیے، مجھ سے پہلے سیمون آپی نے تمہیں اٹلی کی آفر دی تھی، مرد تنہا ہی سہی مگر ہو تو تم ان کے تایا زاد۔''

''ان کی آفر میرے جوتے کی نوک پر، تم جو تھے ان کے اور ان کے شوہر کے تلوے چاٹنے کے لئے۔'' وہ غرایا تھا۔

''حالانکہ تمہاری اس بات پر مجھے آپے سے باہر ہو جانا چاہیے لیکن اس وقت تو مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔''

''ترس خود پر کھاؤ، میری جو ناک تم نے کٹوائی ہے اس کے بعد تمہارا خون مجھے معاف ہے۔'' ناگواری سے بولتا وہ اوزان کے عقب میں دروازے سے جھانکتیں گوہر کی طرف

مکمل ناول

متوجہ ہوا تھا۔

''شروع ہو گئے تم دونوں۔'' گوہر نے خشمگیں نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا۔

''بھابھی! یہ شخص میرے خون کا پیاسا بنا ہوا ہے، اتنے دن بعد پردیس سے آیا ہوں اور یہ میرے گلے لگنے کے بجائے منہ کو آ رہا ہے۔'' اوزان نے مظلومیت کی حد کی تھی۔

''ایلاف! کیوں ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر تم دونوں اپنی دوستی خراب کر رہے ہو۔'' گوہر بولی تھی۔

''بات ذرا سی نہیں ہے بھابھی، بات قول و فعل میں تضاد کی ہے، اس نے مجھے دھوکہ دیا، میرے دشمن کا احسان لے کر ہلکا کر دیا مجھے۔'' گوہر سے مخاطب ہوتا وہ اوزان کو گھورنا نہیں بھولا تھا۔

''تمہاری دشمن سیمون ہو سکتی ہے مگر جہاں زیب کا شمار کب سے تمہارے دشمنوں میں ہونے لگا؟ تمہیں اور اوزان کو کہیں نہ کہیں جاب تو کرنی ہی تھی اب اگر جہاں زیب نے تم دونوں کو اپنی کمپنی میں جاب دینے کی بات کی تو یہ کیا احسان ہے؟''

''بھابھی! ان کی زوجہ محترمہ کی نظروں میں تو یہ احسان عظیم ہی ہے، ان کی نظر میں ہم سے، بلکہ مجھ سے بڑا حقیر فقیر کوئی اور نہیں، ان کے شوہر کی غلامی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئے دن ان کا تضحیک آمیز رویہ برداشت کرو، ایسی ذلت کی روزی سے بہتر کہ میں بے روزگار رہوں، اور یہ......'' ایک پل کو رک کر اس نے چور سے بنے اوزان کو گھورا تھا۔

''تین ماہ پہلے تک اس کے بھی یہی خیالات تھے مگر یہ آ گیا لالچ میں، جہاں زیب بھائی کی جگہ کوئی اور مجھے یہ آفر دیتا تو بھی نہ ٹھکراتا، بجھ میں استمنا نہیں کہ ساری غیرت بھلا کر زندگی بھر ان کی بیوی کے طعنے سنتا رہوں، خون کا رشتہ اور احترام آڑے آ جاتا ہے ورنہ سیمون آپی کے ہر طعنے کا کرارا جواب ہے میرے پاس۔''

''ایلاف! سیمون کی فطرت سے سب ہی واقف ہیں اور تو اور اونچے گھرانے کی بہو ہے، سیاہ سفید کی مالک ہے، خود کو پرفیکٹ سمجھنا اور دوسروں پر تنقید کرنا اس کی عادت بن چکی ہے۔'' گوہر نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

''اونچے گھر میں رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ باقی لوگوں کو نیچا دکھانے کا حق مل گیا۔'' وہ ناگواری سے سر جھٹکتا بولا تھا۔

''میرا فیصلہ کر دے بھائی، دوستی رکھے گا یا فاتحہ پڑھ لوں تجھ پر؟'' اس کی بحث پر زچ ہوتا اوزان بولا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا گاڑی کے تیز ہارن نے توجہ کھینچ لی تھی۔

''بڑی عمر ہے سیمون کی، دل سے یاد کر رہے تھے تم ایلاف، دل سے دل کو راہ ہے۔'' گوہر نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

''یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ شیطان کا ذکر کیا اور شیطان حاضر۔'' وہ بیزاری سے بڑبڑایا تھا۔

''خبردار جو تم نے میرے سامنے سیمون آپی کی شان میں گستاخی کی۔'' اوزان جذباتی ہو کر بولا تھا۔

''ٹھنڈا کر کے کھا، کائیاں آدمی۔'' ایلاف کے خشمگین لہجے میں گھرکنے پر وہ ڈھٹائی سے ہنستا رکتی گاڑی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

نک سک سے تیار اپنی تمام تر نزاکتوں کے ساتھ نخوت زدہ انداز میں سیمون نے سر کے خفیف اشارے سے ان دونوں کے سلام کا جواب دیا تھا۔

''بھابھی! یہ گیٹ پر کھڑے کھڑے کون سے گٹھ جوڑ ہو رہے ہیں۔'' ایک تیکھی نگاہ ایلاف پر ڈالتیں وہ گوہر سے مخاطب تھیں۔

''سیمون آپی! دراصل ہم دونوں جگری دوست اتنی لمبی جدائی کے بعد یہاں باہر ملے، اردگرد کا ہوش ہی کچھ نہیں، ویسے تو آپ کو پتہ ہی ہے کہ ہم کتنے ال مینرڈ ہیں۔'' باچھیں کھلائے بولتے اوزان نے رک کر ایلاف کو دیکھا تھا جو اپنے شانے سے اس کا ہاتھ جھٹک گیا تھا۔

''ہاں، خیر اس میں تو کوئی شک نہیں۔'' سیمون نخوت سے بولتیں گوہر کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''بھابھی! اب طبیعت کیسی ہے پھپھو کی؟''

''اوزان کے آتے ہی بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں، تم آؤ گھر، یاد کر رہی تھیں تمہیں۔'' گوہر جواباً بولی تھیں۔

''ہاں، آؤں گی، ذرا امی سے مل لوں۔'' گوہر سے کہہ کر انہوں نے ایلاف کو دیکھا تھا جو وہاں سے جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔

''ایلاف! تم ذرا گھر آؤ، بات کرنی ہے کچھ۔'' ناگوار نظروں سے اسے دیکھتیں وہ حکم دے کر گھر کے اندر چلی گئی تھیں۔

''اب یہ حضرت سر جھکا کر ہاتھ باندھ کر ان کے پیچھے پیچھے جائیں گے، ساری چوکڑیاں بھول کر۔'' اوزان کے مضحکہ اڑانے پر وہ رکا تھا۔

''یہ جی حضوری تم پر ہی جچتی ہے، میری جب مرضی ہو گی جاؤں گا۔''

''مگر جاؤ گے ضرور۔'' اوزان مزید بولا جبکہ وہ ان سنی کرتا اپنے گھر میں جا چکا تھا۔

☆☆☆

نیند سے بوجھل آنکھیں بمشکل کھولے وہ دوپٹے سے چہرہ تھپتھپاتی جانے بھیگا چہرہ خشک کر رہی تھی یا خفت کی سرخی چھپا رہی تھی۔

''حد ہوتی ہے سستی اور لاپروائی کی، شام سر پر آ چکی ہے اور تم بے خبر پڑی سو رہی ہو، مجھے تو سمجھ نہیں آتا تمہارا بنے گا کیا؟ اگر اس وقت جہاں زیب میرے ساتھ آ جاتے تو کیا سوچتے، یہ طور طریقے ہیں میرے میکے والوں کے، رات گئے تک جاگنا، شام ڈھلے تک سونا، نہ کسی کے آنے کی خبر، نہ جانے کی۔'' سیمون بری طرح بہن پر برس پڑی تھیں جو بالکل خاموش تھی۔

''سیمون! اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے میں نے بھی سونے دیا جگایا نہیں۔'' بڑی بیٹی کے بگڑے تیوروں پر نفیسہ دبے دبے انداز میں بولی تھیں۔

''امی! آپ اس کی غلطیوں پر پردہ نہ ڈالا کریں میرے سامنے، ساری زندگی اس گھر میں نہیں بیٹھے رہنا اسے، سسرال بھی جانا ہے، میں تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں، نہ اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ، نہ کوئی رکھ رکھاؤ، نہ پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ ہے اسے، دیکھیں ذرا دوپٹے کا پلو پھٹا ہے اور اسے کچھ ہوش نہیں، یہی طور طریقے رہے اس کے تو کیسے اچھے گھرانے میں شادی ہو گی اس کی، یہاں تو وہی آ جائیں گے گھوم پھر کر گلی کوچوں کے بے جوڑ رشتے۔'' سیمون کی گھن گرج کو سنتی وہ اپنے دوپٹے کو دیکھتی یہی سوچ رہی تھی کہ پلو میں سوراخ کیسے ہو گیا وہ بھی تقریباً واضح ہو جانے والا۔

''تم وہاں کیوں رکے ہو؟ پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد آنے کا وقت ملا ہے، ایسے کون سے بزنس ٹوورز چل رہے ہیں تمہارے کہ پڑوس میں ہوتے ہوئے بھی یہاں آ کر دو انگلی کا سلام تک کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔'' سیمون اسے دہلیز

پر رکا دیکھ کر تان اسٹاپ شروع ہوگئی تھیں، گہری سانس لے کر ایلاف کمرے میں آگیا تھا، نفیسہ کے قریب ہی تخت پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی نگاہ خاموش بیٹھی اکسون پر ڈالی تھی۔

''معاف کیجئے گا، میں بھول گیا تھا کہ آپ ایک کیلکیولیٹو بزنس مین کی شریک حیات ہیں، میٹنگز، ٹوورزان پر ہی جچتے ہیں، ہم ٹھہرے محنت کش، محنت مزدوری کرنے والے لوگ۔''

''تمہارا مطلب کیا ہے، بغیر محنت کے انسان بزنس مین بن جاتے ہیں۔'' سیمون نے ناگواری سے اس کی بات کاٹی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ بزنس مین بننے سے پہلے انسان بننا ضروری ہے اور یہ زیادہ محنت طلب کام ہے، خیر...... کیا بات کرنی تھی آپ کو؟'' اس کے طنزیہ لہجے پر سیمون کے ماتھے کے بل بڑھے تھے تب ہی کمرے میں اوزان کی آمد ہوگئی تھی۔

''آپ لوگ اپنی باتیں جاری رکھیں، میری فکر نہ کریں، مجھے تو ویسے بھی مداخلت کی بہت عادت ہے۔'' ڈھٹائی سے بولتا وہ صوفے پر اکسون سے کچھ فاصلے پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

''لگتا ہے تمہیں مصالحہ روز اچھی طرح مل گئی ہے، جاؤ شاباش، اب ہم سب کے لئے اچھی سی چائے بنا لاؤ۔'' اوزان کے شرارتی لہجے پر وہ بس ایک تیکھی نگاہ اس پر ڈالتی اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

''بات سنو، اس شہر میں اگر کوئی جاب تمہارے شایان شان نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ٹکے ٹکے کے کام کرکے ہمارا تماشہ بنوا دو، تمہیں کوئی جانتا ہو یا نہ ہو مگر جہانزیب کے حوالے سے آدھا شہر تمہیں جانتا ہے، کچھ اندازہ بھی ہے کہ مجھے ان کے سامنے کس قدر شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔''

''سیمون! ہوا کیا ہے؟ ایسا کیا کر دیا ایلاف نے، مجھے بھی تو پتہ چلے؟'' نفیسہ الجھے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

''کچھ اچھا تو ہو نہیں سکتا اس سے، سڑکوں پر ویگن دوڑاتا پھر رہا ہے، جہانزیب نے خود اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے، یہی کام کرنے تھے تو ضرورت کیا تھی ڈگری حاصل کرنے کی، پہلے بڑے تیر مارے ہیں جواب چلے ہیں ڈرائیونگ لائن میں نئے چاند چڑھانے۔'' سیمون تیز لہجے میں بولتی چلی گئی تھیں۔

''جہانزیب بھائی نے تو اپنے نصیب پھوڑ لئے، ہمارے خاندان کا داماد بن کر۔'' اوزان بہت تاسف سے درمیان میں بولا تھا۔

''ایلاف! تمہیں آپی اور جہانزیب بھائی کی عزت کا ذرا خیال نہ رہا، گر گئے تم میری نظروں سے۔''

''بکواس مت کرو تم۔'' ایلاف نے بگڑ کر اوزان کو دیکھا تھا۔

''چچی جان! میرا ایک دوست کالج وین چلاتا ہے، ایک ہفتے کے لئے اسے شہر سے باہر جانا تھا، اس کی مجبوری کو دیکھ کر میں نے اس کی ذمہ داری سنبھال لی، میرے کسی کے مدد کرنے سے کسی کی شان گھٹتی ہے تو گھٹتی رہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں نفیسہ کو بتا رہا تھا جبکہ سیمون پہلو بدلتیں جھلس کر رہ گئی تھیں۔

''سیمون! کسی کی مدد کرنا بری بات نہیں اور پھر محنت میں کیسی شرم، تمہیں پہل ایلاف سے وجہ تو پوچھنی چاہیے تھی، اللہ نے چاہا تو بہت جلد اسے اچھی نوکری مل جائے گی۔'' نفیسہ نے کچھ ناراضی سے بیٹی کو جتایا تھا۔

''اب کوئی طشتری میں سجا کر تو دے گا نہیں

اسے نوکری، یہ اپنی انا کے قلعے سے نکلنے کو تیار نہیں ورنہ جہانزیب تو اوزان کے ساتھ اسے بھی اٹلی بھیج رہے تھے کورس کرنے کے لئے۔'' ان کے شدید ناگوار لہجے پر ایلاف خاموش رہا تھا۔

''ویسے انسان کے اندر اس حد تک بھی احساس کمتری نہیں ہونی چاہیے کہ کسی کے خلوص کو بھی نہ پہچان سکے، ہم نے تو بھلا ہی چاہا تھا تمہارا۔'' سیمون نخوت سے بولی تھیں۔

''اس موقع پر تابش کانپوری یاد آگئے، فرماتے ہیں۔''

جو میرا فرض تھا میں نے پورا کیا
اب خدا ہی نہ چاہے تو میں کیا کروں

اوزان نے درمیان میں لہک کر شعر پڑھا تھا مگر اگلے ہی پل سب کے تاثرات پر خجالت سے سر کھجا کر رہ گیا تھا۔

''آپی! پہلی بات تو یہ کہ میں جہانزیب بھائی کے خلوص پر ان کا شکریہ ادا کر چکا ہوں، دوسری بات یہ کہ انا اور خود داری میں بہت فرق ہوتا ہے، جسے شاید آپ نہ سمجھیں، بہرحال میرے انکار سے کسی کا نفع نقصان نہیں ہوتا۔'' وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

''خوامخواہ کے لیکچر نہ دو اگر اتنا ہی اپنے زور بازو پہ بھروسہ ہے تو میری کامیابی سے کیوں جلتے ہو؟ اب اگر سیمون آپی مجھے جانزیب بھائی سے زیادہ چاہتی ہیں تو میرا کیا قصور۔'' اوزان نے ٹوکتے ہوئے الجھنے کی کوشش کی تھی۔

''تمہاری بک بک بند نہیں ہوگی؟'' سیمون نے کھا جانے والی نظروں سے اوزان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''اتنی آسانی سے اس کی بک بک بند نہیں ہونے والی، آخر جہانزیب بھائی کا پیسہ لگا ہے اس ککڑی چوبر پر اور پیسہ تو بولتا ہے۔'' طنزیہ لہجے میں بولتا ایلاف جانے کے لئے اٹھ گیا تھا۔

''چلا جا...... اب کیا دفنا کر جائے گا مجھے یہاں۔'' اوزان نے جل کر اسے دیکھا تھا جو زیر لب مسکراتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

برآمدے کے ستون سے شانہ ٹکائے وہ پھٹے دوپٹے کے سوراخ کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر سامنے دیوار پر لہلہاتی سدا بہار کی بیل کو دیکھ رہی تھی، اس کی محویت تب ٹوٹی جب ایلاف نے دوپٹے کے سوراخ کو چٹکیوں سے پکڑ کر مزید کھینچ کر بڑا کر دیا تھا۔

''اب دیکھو، ہر منظر واضح نظر آئے گا۔'' خشمگین نظروں سے اسے دیکھتا وہ آگے بڑھ گیا تھا مگر پھر یکدم رک کر پلٹا تھا جبکہ پھٹے دوپٹے کو ہاتھ میں پکڑے اکسون ہونقوں کی طرح بس اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری خاموشی مجھے پہلے بھی اچھی نہیں لگتی تھی مگر اب تو اور گراں گزرنے لگی ہے، میرے لئے بہتر ہے کہ میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں، جاؤ جہاں چاہو، جیسے چاہو گزارو خود کو۔'' چبھتے لہجے میں بات ختم کرتا وہ گیٹ کی سمت بڑھتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

دھلے کپڑوں سے بھری بالٹی نیچے رکھتے ہوئے اس کی نظر ساتھ والے گھر کی چھت تک گئی تھی، کمرے سے باہر آتا ایلاف اس کی طرف ہی متوجہ تھا، اکسون کو وہ کافی فریش اور صلح جو موڈ میں لگ رہا تھا مگر اسے نظر انداز کرتی وہ کپڑے جھٹک کر رسی پر ڈالتی خود کو انجان ظاہر کرتی رہی تھی، اس کی دوسری پکار پر بالآخر اکسون کو درمیان میں کھنچی باؤنڈری کی طرف جانا پڑا تھا۔

''ایسے منہ بنا کر مت رہا کرو، اپنی بہن کی طرح لگتی ہو، زہر۔'' وہ مسکراہٹ چھپائے بولا

تھا۔

''یہ میں تمہارے لئے لایا ہوں، اب چہرہ ٹھیک کرو۔'' ایک خوبصورت کنٹراسٹ کا نفیس دوپٹہ ایلاف نے اسے تھما دیا تھا، وہ بس ایک پل کو حیران ہوئی تھی مگر پھر دوپٹے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''اب پہلی فرصت میں اسے گردن میں باندھ کر پنکھے سے لٹک جانا۔'' ایلاف کے مشورے پر اس نے تلملا کر اسے ایک ہاتھ جڑنا چاہا تھا مگر وہ سرعت سے دور ہٹ گیا تھا۔

توڑی جو اس نے مجھ سے تو جوڑی نقیب سے
انشاء تو میرے یار کے بس جوڑ توڑ دیکھ

سامنے والی چھت سے ابھرتی اوزان کی بلند آواز پر وہ ناگواری سے اسے دیکھتی واپس بالٹی کی طرف گئی تھی۔

''ایسے کپڑے نچوڑ رہی ہے جیسے میری گردن ہے اس کے ہاتھوں میں۔'' نظر انداز کیے جانے پر اوزان مزید جل کر بولا تھا۔

''میرے منہ مت لگنا، دغا باز، کنجوس آدمی۔'' اکسون کے بھڑکنے پر اوزان نے کینہ توز نظروں سے ایلاف کو گھورا تھا جو ہنستے ہوئے مضحکہ اڑا رہا تھا۔

''تمہارے تو سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہو گی میری انسلٹ پر۔'' جل کر ایلاف سے کہتا وہ پھر اکسون کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ اٹلی سے تحفے کے نام پر ایک رومال ہی لے آتے۔''

''میں آیا ہوں ناں تمہارے لئے۔'' وہ فوراً بولا تھا۔

''جہنم میں جاؤ تم، میرے سامنے خالی ہاتھ آتے ہوئے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی۔'' اکسون نے اسے لتاڑا تھا۔

''مجھ سے شکایت کرنے سے پہلے جا کر اپنے بھنوئی سے پوچھو، کس جنم کا بدلہ لیا ہے مجھ سے، ایسا کورس کرنے بھیجا کہ صبح سے رات تک سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملی، مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہا کہ میں واقعی اٹلی گیا تھا یا چیچوں کی ملیاں۔'' جل بھن کر بولتے اوزان کی زبان یکدم رکی تھی، ایلاف کے عقب میں چائے کے مگ ٹرے میں رکھے مشعل نمودار ہوئی تھی، اوزان کا ذوق بھی اس کی آمد پر جاگ اٹھا تھا۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

''مشعل! اس کے ادبی ذوق کے جال میں نہ پھنسنا۔'' اکسون نے مسکراتے ہوئے خبردار کیا تھا۔

''ہاں، پتہ ہے مجھے، ایک تیر سے دو شکار کرنے والوں کی خصلت۔'' چائے کا مگ ایلاف کو دیتی مشعل ناگواری سے بولی تھی۔

''سب سمجھ آ رہا ہے مجھے، میری رسوائیوں میں تمہارا ہی ہاتھ ہے، تم نے میرے خلاف پہلے میرے گھر والوں کے کان بھرے کہ میں اٹلی میں نت نئے افیئرز چلا رہا ہوں، فون پر میں اپنے بھائیوں کو یقین دلاتا رہا کہ میری کوئی گرل فرینڈ نہیں، اب تم نے اس اپنی نک چڑھی کزن کو بھی میرے خلاف بھڑکا دیا ہے۔'' اوزان نے اسے گھورا تھا جو اطمینان سے اپنا فون چیک کرنے میں مگن تھا۔

''اکسون! چائے لو۔'' مشعل بھی اسے نظر انداز کرتی اکسون کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''مشعل! چائے تم دے چکی ہو، اب فوراً نیچے جاؤ، میں نہیں چاہتا ہر ایرے غیرے کی نگاہ تم پر پڑے، یہاں تم میری ذمہ داری ہو۔'' ایلاف نے بہت سنجیدگی سے مشعل کو مخاطب کیا تھا۔

''اس طرح حکم دے رہے ہو جیسے اس کے ابو ہو، جب تم دیکھ رہے ہو کہ دو حسیناؤں اور ایک مرد مومن کا برمودا ٹرائی اینگل بن رہا ہے تو کیوں اس میں غرق ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔'' اوزان تلملا کر بولا تھا۔

''میرے ہاتھ میں ہو رہی ہے اب خارش، تم تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا مجھے۔'' ایلاف نے دھمکی دی جسے وہ ناک پر سے مکھی کی طرح اڑا گیا تھا۔

''تم بہت انجوائے کر رہی ہو، لگتا ہے تمہیں معلوم نہیں، وہ واپس آ رہا ہے تمہارا پرستار، اس بار تم نہیں بچ سکتیں سیمون آپی کے شکنجے سے، نکاح کے چھوہارے ایلاف کے لئے علیحدہ سے سنبھال رکھنا۔'' اوزان کے مضحکہ خیز لہجے پر اکسون نے گڑبڑا کر ایلاف کو دیکھا تھا جو بری طرح چونکتا اسے ہی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

رات کی گہری خاموشی میں اس کی نگاہیں دور کسی غیر مرئی شے پر ساکت تھیں، ہوا کے تیز جھونکے بھی اس کی گہری سوچ میں مخل نہ ہو سکے تھے، اسے اندازہ نہیں تھا کہ آج سیمون کی آمد کی وجہ زریاب تھا، وہ صاف طور پر نفیسہ کو سمجھا گئی تھیں کہ زریاب آ رہا ہے، سو وہ اب سیمون کے لئے کوئی فیصلہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہیں، رہی اکسون تو اس نے اپنے لئے فیصلہ سال بھر پہلے ہی کر لیا تھا جب زریاب پہلی بار یہاں آیا تھا۔

وہ جہانزیب کا کزن تھا، اس کا قیام بھی ان کے گھر میں رہا تھا، ان ہی دنوں سیمون نے اپنے دونوں بیٹوں کے عقیقے کی تقریب کا اہتمام کر لیا، اب سیمون کے گھر میں تقریب ہو اور اس میں میکے کی طرف سے کوئی ایک شخص بھی غیر حاضر ہو جائے، یہ کسی قیامت کا پیش خیمہ ہی ہو سکتا تھا، یہاں تک کہ ان کے سوال جواب کے عتاب سے بچنے کے لئے ایلاف کو بھی کچھ دیر کے لئے ہی سہی مگر شرکت کرنی پڑتی تھی، اکسون کے لئے ہمیشہ ہی سیمون کے گھر کی تقریبات میں شرکت کرنا کوفت کا باعث ہوتا تھا، مصنوعی چمک دمک والے ماحول میں، مصنوعی مسکراہٹ سجا کر بڑے لوگوں سے ملنا صرف سیمون کے امیج کو اونچا رکھنے کے لئے، یہ سب اسے بیزار کرنے کے لئے کافی تھا، ہر تقریب سے پہلے اسے سیمون سے لیکچر ضرور ملتا تھا، فلاں سے کس طرح ملنا ہے، فلاں کو کس طرح امپریس کرنا ہے، کپڑوں کے رنگ سے لے کر سینڈل تک اس کے لئے سیمون منتخب کرتی تھیں، اکسون کو لگتا تھا کہ وہ سب ایک کٹھ پتلی ہے، اس کی اپنی کوئی پسند، کوئی مرضی، کوئی رائے نہیں تھی، اکسون نے کبھی ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کی، نہ احتجاج کی اس میں ہمت تھی، یہی چیز ایلاف کو اس سے بدگمان کر دیتی تھی کہ اپنی جائز بات بھی وہ سیمون سے کہنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔

اس کے لئے بہت حیرت انگیز اور خطرے کا باعث بھی تھی یہ بات کہ زریاب نے اس کی ذات میں دلچسپی لی ہے جبکہ سیمون کی تو مراد بھر آئی تھی، وہ تو شکر تھا کہ جو بات اکسون میں کہنے کی ہمت نہیں تھی وہ نفیسہ نے بڑی بیٹی کو یاد دلائی کہ اس کے تایا کی زندگی میں ہی اس کی تائی صاف لفظوں میں اکسون کو ایلاف کے لئے مانگ چکی تھیں، ایسا نہیں تھا کہ سیمون کو یہ بات یاد نہیں تھی مگر ان کی نظر میں ایلاف کسی بھی طرح اکسون کے لائق نہیں تھا، اپنے انداز و اطوار سے وہ یہ بات ایلاف کو بھی جتا چکی تھیں، شاید یہ بھی

ایک وجہ تھی جس کی بدولت ایلاف اور سیمون کے درمیان سرد جنگ جاری رہتی تھی۔

کھل کر ایلاف کے لئے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرنے کی ایک وجہ ان کی تائی اور ایلاف کی ماں بھی تھیں، تایا کے گزر جانے کے بعد اب تائی ہی ان کے میکے کی بڑی شخصیت تھیں، کیا نند، کیا دیور، سب اپنے معاملات میں ان سے ہی مشاورت لیتے تھے لہٰذا بس ایک تائی کے سامنے ہی سیمون جھاگ کی طرح بیٹھ جایا کرتی تھیں۔

''آپ اپنی بڑی بھابھی کی تابعداری میں اپنی اولاد کے مستقبل کو تباہ نہ کریں، سالوں پہلے انہوں نے اگر اکسون کو مانگا تو یہ کوئی پتھر کی لکیر نہیں ہو گیا، پہلا فیصلہ ہمارا ہوگا، آپ ماں ہیں، میں بڑی بہن ہوں، جہانزیب بھی اس کے لئے اچھا ہی چاہیں گے، زریاب ہر طرح سے اکسون کے لئے بہترین ہے، زریاب کے ساتھ اس کی زندگی شاندار ہوگی، لندن میں اس نے اپنا بزنس شروع کیا ہے، ایک سال میں وہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گا، بس اب آپ سیمون کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔'' یہ فیصلہ سیمون نے ایک سال پہلے ہی سنا دیا تھا۔

اپنے علاوہ کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی اس نے چونک کر دائیں جانب دیکھا تھا، ایلاف جانے کب سے وہاں موجود اسے سوچوں میں گم دیکھ رہا تھا، گہری سانس لیتی وہ اس کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''اتنی فرصت ہے اگر اس وقت تم میرے بارے میں سوچ رہی ہوتیں تو میرے لئے دنیا کی حسین ترین لڑکی تم ہی ہوتیں۔''

''مطلب! ابھی نہیں، حسین ترین؟'' اکسون نے خفت سے اسے دیکھا تھا۔

''بالکل نہیں۔'' وہ گھر کنے والے انداز میں بولا تھا۔

''یہ زریاب تو گلے کی ہڈی بن گیا ہے، نہ اگلا جا سکتا ہے، نہ نگلا جا سکتا ہے کیونکہ وہ تمہاری محترم بہن کی نظروں میں بس گیا ہے تمہارے لئے، یہ دولت کے کرشمے بھی نت نئے کرشمے دکھاتے ہیں۔'' اس کے تلخ لہجے پر اکسون خاموش رہی تھی۔

''ویسے میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے، اپنی بہن کے ہر جائز، ناجائز فیصلے پر سر جھکانے کی تمہاری پرانی عادت ہے، اب بھی تم ان کی مرضی کے مطابق چل سکتی ہو کیونکہ اس کے علاوہ تم کچھ کر بھی نہیں سکتیں۔''

''ایلاف! میں بے کار کی تکرار نہیں کرنا چاہتی تم سے۔'' وہ کوفت سے بولی تھی۔

''تکرار تو تمہیں اپنی بہن سے کرنی چاہیے، کم از کم اپنے لئے ہی سہی، لیکن میں یہ سب کیوں کہہ رہا ہوں تم سے، تمہاری بہن ایسا کچھ غلط بھی نہیں سوچ رہیں تمہارے لئے، زریاب سے میرا کیا مقابلہ۔''

''ایلاف! اتنا وقت تھا کہ بہت کچھ ہو سکتا تھا۔'' درمیان میں بولتی اکسون مزید ضبط نہیں کر سکی تھی۔

''ہاں، بہت کچھ ہو سکتا تھا، اگر میری کوششیں کامیاب ہو جاتیں مگر ایسا نہیں ہوا، تم جانتی ہو کہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا نہیں رہا ہوں۔'' وہ کچھ غصیلے لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں جہانزیب بھائی کی بات مان لینی چاہیے تھی، وہ تمہارے لئے ایک سنہری موقع تھا۔'' اکسون بولی تھی۔

''ان کا احسان لے کر مجھے ساری زندگی تمہاری بہن کے آگے جھکے رہنا منظور نہیں تھا۔'' وہ اپنے لفظوں پر زور دیتا بولا تھا۔

''جہانزیب بھائی کوئی احسان نہیں کر رہے تھے، تمہاری قابلیت کی بنا پر انہوں نے وہ آفر دی تھی۔''

''یہ بات تم جانتی ہو، میں جانتا ہوں مگر تمہاری بہن کو یہ بات کبھی سمجھ نہیں آ سکتی تھی اور مجھے اپنی خودداری ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔'' وہ ہتھے سے اکھڑا تھا۔

''تمہیں جو ٹھیک لگا تم نے کیا، اب یہ سب مجھے کیوں بتاتے ہو بار بار، مجھے بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں ان حالات میں؟'' وہ زچ ہو کر بولی تھی۔

''جو زبان میرے سامنے چلتی ہے وہ اپنی بہن کے سامنے چلاؤ، جو تم چاہتی ہو کم از کم اس کا اظہار تو تم کر سکتی ہو۔''

''میں کیا چاہتی ہوں، اس کی یہاں پرواہ کسے ہے، کسی کو اپنی انا خودداری عزیز ہے تو کسی کو دولت اور اسٹیٹس۔'' اس کے سرد لہجے پر ایلاف نے بس اسے دیکھا تھا، کہا کچھ نہیں۔

''مجھے لگتا ہے، اب تمہیں کھل کر آپی سے بات کرنی ہوگی۔'' وہ جانے کسی خدشے کے تحت بولی تھی۔

''دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ مجھے تمہارے لئے کھل کر ان کے ہاتھوں ذلیل ہونا پڑے گا۔''

''جیسے تم خاموشی سے ایسا ہونے دو گے۔'' وہ بولی تھی۔

''ظاہر ہے، ناجائز نہ میں کہتا ہوں، نہ سنتا ہوں، ان سے بات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اور اپنے لئے مزید مشکلات بڑھا لی جائیں، تمہاری بہن ایک مادہ پرست عورت ہے، ان کے نزدیک انسان اور عزت نفس سے زیادہ روپے پیسے کی اہمیت ہے۔''

''میرا یہاں سے جانا ہی بہتر ہے۔'' یکدم وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی، ایلاف نے سرعت سے باؤنڈری پر رکھے اس کے ہاتھ کو تھام کر روکا تھا۔

''تم جانتی ہو میں سر توڑ کوشش کر رہا ہوں، ایک دو جگہ سے بہت امید ہے، ضرور کچھ نہ کچھ اچھا ہو جائے گا۔'' اس کے پرامید لہجے پر وہ سر جھکائے بالکل خاموش تھی۔

''تھک گئی ہو؟'' اس کے سوال پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی کوئی چیز حلق میں اٹکنے لگی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم میرے لئے ایک پر آسائش زندگی کو ٹھکرا سکتی ہو، اس لئے میں تمہیں کوئی ایسا مشورہ دے کر تمہارے جذبوں کی توہین نہیں کرنا چاہتا جو تمہیں مجھ سے بدظن کر دے۔'' اس کی پلکوں پر چمکتی نمی کو دیکھتا وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''آپی کہہ گئی ہیں کہ جہانزیب بھائی خود ای سے زریاب کے بارے میں بات کریں گے، مجھے بہت ڈر لگا رہتا ہے۔'' وہ لرزتے لہجے میں بولی تھی۔

''بے وقوف ہو تم، جب تک تم نہیں چاہو گی کوئی تمہارے لئے تمہاری مرضی کے خلاف تمہاری زندگی کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔''

''تم ایک یہی بات بار بار اور کتنی بار دہراتے رہو گے، اب تک میری زندگی کے کون سے فیصلے میری مرضی کے مطابق ہوتے رہے ہیں؟'' وہ نہیں جانتی تھی کہ کیسا غبار اندر اٹھا تھا جو وہ بلند غصیلے لہجے میں بول اٹھی تھی۔

''تو پھر جاؤ، وہی کرو جو تمہاری بہن چاہتی ہے، کیوں میری بکواس سن رہی ہو۔'' بھڑکتے لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل جارحانہ قدموں سے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا، سن کھڑی

وہ دھماکے سے بند ہوتے دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

ماہ رمضان کی شروعات ہو چکی تھی مگر زریاب کی آمد کی تلوار اس کے سر پر لٹکی تھی دوسری جانب ایلاف کی ناراضی نے ہر سال کی طرح اس بار سارے جوش و خروش کو ماند کر رکھا تھا، چھت پر جانا بھی اس نے تقریباً ترک کر رکھا تھا، مگر آج کچھ موسم کی حدت اور مشعل کے اصرار پر اسے چھت پر جانا پڑا تھا۔

ایلاف تو موجود نہ تھا البتہ مشعل کے ساتھ اسے اوزان دکھائی دے رہا تھا، اکسون کو دیکھتے ہی اس کی شرارت کی رگ پھڑکی تھی۔

بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے
سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی مانے کہ نہ مانے

''بالکل بھی کوئی فضول بات مت کرنا مجھ سے۔'' ناگواری سے اکسون نے اسے ٹوکا تھا۔

''خبردار جو تم نے داغ دہلوی کی شان میں کچھ کہا۔'' اوزان کے تمسخر لہجے پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اکسون! زریاب آ گیا ہے کیا؟'' مشعل کے سوال پر اس نے اترے چہرے کے ساتھ اثبات میں بس سر ہلایا تھا۔

''ایک تو یہ جانے کیوں دوبارہ ٹپک پڑا ہے، پچھلی بار بھی اس کی وجہ سے ایلاف اور اکسون کے درمیان ٹینشن پھیل گئی تھی۔'' مشعل کچھ جھلائے انداز میں اوزان سے مخاطب تھی۔

''یہ دونوں بے وقوف ہیں اور تم احمق، پچھلے پندرہ منٹ سے ایلاف اور اکسون کی ناراضی کی بات کرتے رہے ہو، میرے بارے میں کوئی ایک بھی اچھی بات نہیں کی تم نے، یہ موقع بھی گنوا دیا جو ایلاف کے دوست کی آمد کی وجہ سے ہمیں ملا تھا۔'' مشعل نے شکایتی لہجے میں کہا تھا۔

''مجھے الزام دے رہی ہو اور تمہیں جو میرے سامنے آتے ہی دنیا بھر کے درد اور مسائل یاد آ جاتے ہیں وہ......؟'' اوزان کے خشک لہجے پر وہ مزے سے ہنسی تھی۔

''چلو آ گیا ہے تمہارا غیرت مند بھائی۔'' اوزان کے اشارے پر اکسون نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا تھا جبکہ قریب آتے ایلاف نے بس ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو، فوراً نیچے جاؤ۔'' اس نے مشعل کو حکم دیا تھا۔

''کس قسم کے انسان ہو تم، دو چار دن کے لئے یہ آتی ہے، اچھل کود کرنے دو چھتوں پر، ایک بہن ہے تمہاری ہنستی کھیلتی بری لگتی ہے تمہیں۔'' اوزان جل کر بولا تھا۔

''تم جانتی ہو یا نہیں۔'' اوزان کی بات ان سنی کیے وہ پھر مشعل سے بولا تھا۔

''میں کہیں نہیں جا رہی، اکسون سے باتیں کرنے آئی ہوں یہاں۔'' مشعل ڈھٹائی سے بولی تھی۔

''اور یہ تم کیوں بلاوجہ میری پیاری سی، بے چاری سی فرینڈ سے لڑتے رہتے ہو۔''

''فکر مت کرو، اس بے چاری کو چارا ڈالنے والا، اس کی بہن کا منظور نظر آ چکا ہے۔'' ایلاف کے تلخ لہجے پر اکسون نے ناگوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے اس طرح مت دیکھو، سچ کا سامنا کرو اور سچ صرف یہ ہے کہ تم بھی وہی چاہتی ہو جو تمہاری بہن چاہتی ہے، تمہاری بہن کی طرح اب تمہاری نظر میں بھی میری حیثیت دو کوڑی کی ہو چکی ہے، مجھ جیسے انسان کے لئے تم ایک شاندار آپشن کیوں کھونا چاہو گی۔''

''ایلاف! اس طرح بات مت کرو، غصے میں بات بگاڑنے سے کچھ ٹھیک نہیں ہونے والا۔'' اوزان نے دبے انداز میں اسے شانت کرنا چاہا تھا۔

''مجھے اب کچھ ٹھیک کرنا بھی نہیں ہے اوزان، حد ہوتی ہے برداشت کی، سیمون آپی نے کبھی کوئی موقع ضائع نہیں کیا مجھے کمتر ثابت کرنے کا، یہ تم بھی جانتے ہو مگر مجھے ان کے سلوک سے زیادہ اس بے حس لڑکی کی خاموشی تکلیف پہنچاتی ہے، بزدلی کی انتہا ہے یہ سر سے پیر تک۔''

''ایلاف! خاموش ہو جاؤ، غلط بات مت کرو۔'' مشعل نے ہول کر درمیان میں اسے ٹوکا تھا مگر تب تک غصے میں اکسون کا چہرہ تپ اٹھا تھا۔

''ہاں، تمہاری ہر بات، ہر الزام ٹھیک ہے مگر تم بھی سچ کا سامنا کرو، اتنا وقت ملنے کے باوجود تم اپنے لئے بھی کچھ حاصل نہیں کر سکے ہو، اپنی ناکامیوں کا غصہ تم مجھے بے عزت کر کے، مجھ پر الزام لگا کر نکال رہے ہو، الزام تو میں بھی لگا سکتی ہوں کہ تمہیں میری پرواہ ہوتی تو آج کسی مقام پر ہوتے، میری بہن کی شان میں قصیدے پڑھنے کے بجائے وہی محنت تم خود کچھ بنانے میں لگاتے تو آج میری بہن کے سامنے سر اٹھانے کے قابل ہوتے۔'' وہ بھڑکتے لہجے میں بولتی چلی گئی تھی۔

''میں تمہارا منہ توڑ دوں گا اگر یہ زبان دوبارہ میرے سامنے چلائی، جاؤ غرق ہو جاؤ اس زریاب کے ساتھ مجھ پر لعنت بھیج کر، میں خود اب تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔'' ایلاف کے مشتعل انداز پر وہ تیزی سے پلٹتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

''اب تمہیں سکون مل گیا۔'' شدید تاسف سے مشعل نے کہا تھا اور پھر خود بھی وہاں نہیں رکی تھی۔

''ایلاف! مجھے اندازہ ہے کہ تم بہت ڈسٹرب ہو، اکسون کا تمہیں پتہ ہے، سیمون آپی سے اختلاف کرنے کی اس میں بھی جرأت نہیں رہی۔'' اوزان نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''اسے کم از کم میرے خلاف کھلنے والی زبان کی تو مخالفت کرنی چاہیے، اگر اتنا بھی میرا حق نہیں تو وہی کرے جو اس کی بہن چاہتی ہے۔'' ایلاف اسی طیش میں بولا تھا۔

''اس کی بہن چاہتی ہیں کہ اس کی شادی زریاب سے ہو جائے، کیا تم ایسا ہونے دو گے؟''

''نہ میں اسے زریاب کے لئے زندہ چھوڑوں گا نہ اس کی بہن کا یہ خواب پورا ہوگا۔'' وہ بھڑک کر بولا تھا۔

''میرا خیال ہے اس معاملے میں تمہیں جہانزیب بھائی سے بات کرنی چاہیے۔'' اوزان نے مشورہ دیا تھا۔

''وہ میرے لئے ابھی کیا بکواس کر کے گئی ہے، تم نے سنا نہیں؟ اس کے لئے جا کر جہانزیب بھائی کے قدموں میں جھک جاؤں، یہ کام میں کروں بھی کیوں، کیا وہ نہیں جانتے کہ اکسون مجھ سے منسوب ہے۔''

''ہاں، تمہیں اس بارے میں بھی کھل کر بات کرنی چاہیے کہ وہ اور سیمون آپی انجان کیوں بن رہے ہیں، تمہیں حق ہے دو ٹوک بات کرنے کا، مجھے یاد آیا، جہانزیب بھائی تم سے ملنا چاہ رہے ہیں، کل میرے ساتھ ہی چلو، آفس میں ہی مل لینا۔''

''مجھے نہ کہیں جانا ہے، نہ کسی سے ملنا

ہے۔'' اس کا لہجہ ہنوز بگڑا ہوا تھا۔

''کوئی ایک بات تو مان لو، کم از کم سن تو لو وہ تم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔'' اوزان کے اصرار پر وہ بس ناگواری سے سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اس رات سیمون اپنے بچوں کو لے کر ڈرائیور کے ساتھ اچانک پہنچی تھی، اکسون کے خدشات مزید بڑھ گئے تھے، وہ اکسون کے لئے شاپنگ کرتی وہاں آئی تھیں۔

''سیمون آپی! کتنا خوبصورت ڈریس ہے، آپ کا ہے؟'' وہاں موجود مشعل سوال کر رہی تھی۔

''نہیں، یہ تو اکسون کے لئے ہے، کل اسی نے زریاب کو بھی ہمارے ساتھ کھانے پر بلایا ہے، اب اکسون کو کوئی ڈھنگ کا لباس تو پہننا چاہیے، آج ہی ایک بڑے بوتیک سے لیا ہے، اس کی قیمت تو پوچھو ہی نہ، ہوش اڑ جائیں گے۔''

''یہ ڈریس اتنا زبردست ہے آپی کہ قیمت کی طرف دھیان جائے تو پوچھوں۔'' مشعل توصیفی انداز میں بولی تھی۔

''دیکھو اکسون! آپی کی چوائس کتنی زبردست ہے۔'' مشعل کے کہنے پر اس نے بمشکل مسکرا کر ماں کی طرف دیکھا تھا اور نفیسہ تو پہلے ہی اس کے تاثرات بھانپ چکی تھیں۔

''سیمون! چھوٹی سی دعوت کے لئے تمہیں بہن پر اتنا خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی بیٹا۔'' نفیسہ بولی تھیں۔

''امی! لباس بیش قیمت ہو تو شخصیت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے ورنہ اس لڑکی کا تو آپ کو پتہ ہی ہے، پہننے اوڑھنے کا کوئی طریقہ سلیقہ نہیں، زریاب کے سامنے ہماری ناک ہی نہ کٹ جائے، بس کل کا دن اچھا گزر جائے، اکسون کے تو نصیب جاگ اٹھے ہیں، ایک سال میں زریاب نے لندن میں اپنا بزنس خوب بڑھا لیا ہے، باپ بھائی ہیروں کے تاجر ہیں، جواہرات روپے پیسے کے انبار آپ کی بیٹی کے قدموں میں ہوں گے ایک دن۔'' سیمون، زریاب کی تعریفوں میں زمین آسمان کی قلابیں ملا رہی تھیں، نفیسہ بالکل خاموش تھیں، مشعل تشویش سے اکسون کو دیکھ کر رہ گئی تھی جو اپنے سامنے پھیلے قیمتی نفیس لباس پر نظر جمائے بالکل ساکت تھی۔

سیمون کے جانے کے بعد نفیسہ بڑی بھاوج کی طرف چلی گئی تھیں، کل کی دعوت میں یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ ایلاف اور اوزان کی ماؤں کو بھول جاتیں، مشعل کے ساتھ وہ صحن میں بچھے تخت پر آ بیٹھی تھی۔

''سنو، کل زریاب کی یہاں آمد کا سن کر ہی ایلاف کے مزاج بگڑ گئے ہیں، آج کل تو ویسے بھی گھر میں کم دکھائی دیتا ہے، جانے کہاں رہتا ہے باہر۔''

''مشعل! مجھے بتاؤ میں اور کیا کروں؟'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''ایلاف کو لگتا ہے کہ میں اس کے لئے کوئی اسٹینڈ نہیں لیتی، مگر میں نے جب بھی ایسا کرنے کی کوشش کی، آپی کے تلخ جواب کافی رہے میرا منہ بند کرنے کے لئے، ان جوابات کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا، پچھلی بار جب زریاب کے آنے پر سکون درہم برہم ہوا تھا تو اس لئے بھی کہ میں نے اس کے لئے آپی کے سامنے انکار کر دیا تھا۔''

''کیا سیمون آپی کی طرح تمہیں بھی کوئی امید نہیں رہی ایلاف سے؟''

''میری ساری امیدوں کا مرکز وہی ہے، اس کی جگہ کسی اور کو سوچنا بھی میرے لئے گناہ

ہے، مگر اس نے مجھ پر شک کیا ہے، اسے لگتا ہے کہ آپی میرا برین واش کر سکتی ہیں، میں بھی ان کی نظر سے سب کچھ دیکھ رہی ہوں۔''

''وہ پریشان ہے اکسون۔''

''پریشان وہ مجھ سے زیادہ نہیں ہوسکتا، آپی نے زریاب نام کی تلوار میرے سر پر لٹکا رکھی ہے، کہنے کو تو میں بھی یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھ سے جان چھڑانے کے لئے جان بوجھ کر جاب کے معاملے میں سنجیدہ نہیں ہو رہا تا کہ انتظار سے تھک کر میری شادی کہیں اور کروا دی جائے اور اس پر کوئی الزام بھی نہ آئے۔''

''یا خدا! تم دونوں ہی پاگل ہو چکے ہو۔'' مشعل نے اپنا سر پیٹ لیا تھا، تب ہی ایک جھٹکے سے کھلتے گیٹ نے ان دونوں کو چونکا دیا تھا، خطرناک سنجیدہ تاثرات چہرے پر سجائے ایلاف جارحانہ قدموں کے ساتھ تخت تک آیا تھا اور اگلے ہی پل اکسون کا ہاتھ سختی سے پکڑے کھینچتا ہوا گھر کے اندر لے گیا تھا۔

''ایلاف! کیا ہوا ہے، یہ کیا کر رہے ہو؟'' مشعل ہولتی ہوئی پیچھے گئی تھی۔

کمرے میں آ کر ایلاف نے جس طرح اس کا ہاتھ چھوڑا تھا، لڑکھڑا کر سنبھلتی وہ فق ہو چکی تھی۔

''ایک بات میری کان کھول کر سن لو تم، کل اگر تم اس کے سامنے گئیں یا اس نے ایک جھلک بھی تمہاری دیکھ لی تو ساری زندگی کے لئے تم میرا چہرہ دیکھنے کے لئے ترس جاؤ گی اور تم جانتی ہو کہ میرے لئے مشکل نہیں اس ملک کو چھوڑ کر جانا۔'' اس کے بپھرے لہجے اور غضبناک تیوروں نے اکسون کی سانس روک دی تھی۔

''جس طرح تم نے مجھے اس ملک سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی تھی، اسی طرح میں بھی تمہیں اجازت نہیں دوں گا کہ تم سج سنور کر اپنی نمائش کروانے زریاب کے سامنے جاؤ۔'' شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھتا وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

''تم ایک ہی بار گڑھا کھود کر مجھے اس میں دفن کیوں نہیں کر دیتے؟'' اکسون دھندلائی آنکھوں کے ساتھ چیخی تھی۔

''یہ بھی کر دوں گا، گڑھا تمہاری بہن کھود رہی ہے، نوبت آئی تو یہ بھی کر دوں گا۔'' وہ مزید بھڑکا تھا، جبکہ اکسون بمشکل ضبط کرنے کی کوشش میں تھی۔

''اس طرح گھورو مت مجھے، تمہاری بہن کافی ہے مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچا چبا جانے کے لئے۔''

''ایلاف! وہ تمہیں اس لئے گھور رہی ہے کہ تم اس وقت اس کے فیورٹ نیوی بلیو شلوار سوٹ میں مردانہ وجاہت کا شاہکار کم اور فرعون زیادہ لگ رہے ہو۔'' مشعل درمیان میں خشمگین لہجے میں بولی تھی۔

''غصے میں کیا تمہاری قوت بصارت بھی ٹھیک کام نہیں کر رہی، کل دعوت کا انتظام کرنے کے لئے اس گھر میں ملازمین کی فوج نہیں، سب کچھ اکسون نے ہی کرنا ہے۔''

''تم کس مرض کی دوا ہو، سب کچھ کل تمہیں سنبھالنا ہے۔'' وہ ناگواری سے بولا تھا۔

''ہرگز نہیں، اگر اس زریاب کا دل مجھ پر آ گیا تو۔'' مشعل نے ہول کر کہا تھا۔

''تو کیا...... اوزان پر فاتحہ میں پڑھ لوں گا۔''

''اللہ نہ کرے، دشمنوں کے منہ میں خاک۔'' مشعل جل کر بولی تھی، جبکہ ایلاف ایک آخری کڑی نگاہ اکسون پر ڈال کر ان سنی کرتا باہر

نکل گیا تھا۔

☆☆☆

سارا دن اس کا کچن میں گزرا تھا، مشعل اور گوہر مسلسل اس کی مدد کے لئے موجود رہی تھیں، تھکن سے زیادہ ذہنی دباؤ نے اس کی طبیعت پر برا اثر چھوڑا تھا، روزہ افطار بھی وہ ٹھیک سے نہیں کر سکی تھی، کہ افطار سے پہلے ہی سیمون نے فون پر بہت سختی کے ساتھ اسے اہتمام سے تیار ہونے کی ہدایت دی تھی، کمرے میں آتی مشعل اسے دیکھ کر چونک سی گئی تھی جو بیڈ کے کنارے بہت نڈھال سی بیٹھی تھی، لائٹ اورنج لباس میں بلاشبہ وہ بہت دلکش لگ رہی تھی مگر مشعل سے اس کی مضطرب کیفیت چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

''اکسون! تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' تشویش سے مشعل نے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

''اف جل رہی ہو بخار میں، میں نے کہا بھی تھا تھوڑا آرام کرلو، میں تمہارے لئے کوئی ٹیبلیٹ لے کر آتی ہوں۔''

''نہیں مشعل۔'' وہ سرعت سے اسے روک گئی تھی۔

''یہ بخار اس وقت میرے لئے کسی نعمت سے کم نہیں، میں ابھی ٹھیک ہونا بھی نہیں چاہتی، تم اور گوہر بھابھی اس صورتحال کو سنبھال سکتی ہو۔'' التجائی لہجے میں بولتے ہوئے اس نے رک کر کمرے میں آتیں گوہر کو دیکھا تھا۔

''یہ ایلاف تو بالکل پاگل ہو گیا ہے، زبردستی مجھے یہاں بھیج دیا دھمکیاں دے دے کر، کہہ رہا ہے اکسون کو زریاب کے سامنے نہیں جانے دینا، عجیب ضد باندھے بیٹھا ہے۔'' حیران پریشان گوہر بتا رہی تھیں۔

''بھابھی! وہ صرف دھمکیاں نہیں دے رہا اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ ضرور کچھ غلط کر گزرے گا، اس نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا، اس لئے میں بھی سب کے سامنے نہیں جانا چاہتی۔'' وہ نڈھال لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا، تم پریشان مت ہو، کچھ غلط نہیں ہو گا۔'' مشعل نے اسے تسلی دے کر گوہر کو دیکھا تھا۔

''بھابھی! ویسے بھی اسے بہت تیز بخار ہو رہا ہے، نہ یہ کمرے سے نکلے گی نہ کوئی یہاں آئے گا، سیمون آپی کو آپ سنبھال لیجئے گا۔'' مشعل ابھی بول ہی رہی تھی کہ باہر ہارن کی آواز گونجی تھی، اکسون کو ایسی سردی چڑھی کہ سر سے پیر تک کمبل تان کر بھی نہ اتری۔

''اس لڑکی نے تو تہیہ کر رکھا ہے میرے سارے منصوبوں پر پانی پھیرنے کا، آج ہی طبیعت خراب کرنی تھی اسے، اب کتنی شرمندگی ہو گی مجھے زریاب کے سامنے جو اپنی ساری مصروفیات اس کی خاطر چھوڑ کر یہاں تک آیا تھا اور یہ پڑی ہے منہ سر لپیٹے۔'' کمبل کے اندر سن مگر بظاہر سوئی نظر آتی اکسون کو مزید بے نقط سننے کو ملتیں مگر بھلا ہو گوہر کا جو سیمون کو سمجھا بجھا کر کمرے سے باہر لے گئی تھیں۔

☆☆☆

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اکسون کے گھر جانے سے پہلے جہانزیب اس سے ملنے گھر آ جائیں گے، اسے تو اوزان نے آ کر اطلاع دی کہ جہانزیب ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

ان کے سامنے آتے ہی ایلاف کے مزاج ٹھکانے لگ گئے تھے کہ بہر حال سیمون سے اس کے خراب تعلقات اپنی جگہ مگر جہانزیب کے سامنے اس کی فرمانبرداری دیکھنے کے لائق ہوتی

تھی، جہانزیب خود بہت ملنسار اور عزت کرنے والے انسان تھے، ایلاف کو وہ بہت پسند بھی کرتے تھے، ان کی شخصیت اتنی نفیس تھی کہ ایلاف بھی ان کے لئے نہ صرف عمل میں بلکہ دل میں بھی بہت عزت اور احترام رکھتا تھا۔

''بھائی! آپ مجھے بلا لیتے میں تو گھر میں تھا۔'' سلام دعا کے بعد وہ بولا تھا۔

''بتایا تو تھا میں نے تمہیں، اوزان نے بتایا ہوگا؟'' جہانزیب نے یاد دلایا تھا۔

''میں ضرور ایک دو دن میں حاضر ہو جاتا، کوئی ضروری کام تھا؟''

''نہیں، تم بہت مصروف انسان ہو، اس لئے میں نے سوچا خود ہی حاضر ہو جاؤں۔'' جہانزیب کے لہجے میں شکایت تھی۔

''بھائی! شرمندہ نہ کریں، کوئی مصروفیت آپ سے بڑھ کر نہیں۔'' وہ واقعی شرمندگی سے بولا تھا۔

''بھائی کہتے ہو بس، سمجھتے نہیں ہو، میری کتنی خواہش تھی کہ تم اور اوزان میرے ساتھ کام کرو، اوزان نے میرا مان رکھ لیا مگر تم نے تو مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ ایک فون کر کے انکار کی وجہ بتا دیتے۔'' جہانزیب کے مزید شکایت کرنے پر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''دیکھو، میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ تمہاری انکار کی اہم وجہ سیمون ہی ہے ورنہ تم نے میری کوئی بات ماننے سے کبھی انکار نہیں کیا، یہ بھی مجھ سے چھپا نہیں ہے کہ سیمون تم سے غلط باتیں کر جاتی ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ وہ بھی دل سے چاہتی تھی تم اور اوزان کہیں اور جاب کرنے کے بجائے میرے بزنس میں شامل ہو جاؤ، اگر تمہیں کوئی مسئلہ تھا تو تم براہ راست مجھ سے بات کر سکتے تھے پھر اگر کوئی بات ہوتی، وہ میری ذمہ داری ہوتی، بہر حال میں تمہیں مجبور تو نہیں کر سکتا لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تمہاری قابلیت کو زنگ نہیں لگنا چاہیے، میں آج خاص طور پر تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ میرے ایک دوست ہیں، منجھے ہوئے بزنس مین ہیں، ان کا کاروبار ملک سے باہر تک پھیلا ہوا ہے، ان کو ایک اہم پوسٹ کے لئے بہت قابل اور بھروسے مند انسان کی ضرورت ہے جو باہر کے ٹورز میں بھی مشاورت کے لئے ان کے ہمراہ رہے، کوئی سفارش، کوئی احسان والی بات نہیں ہو گی تمہیں باقاعدہ انٹرویو دینا ہو گا، اپنے بل بوتے پر ہی تم سلیکٹ ہو سکتے ہو، تمہاری تسلی کے لئے یہ سب میں نے سیمون کو نہیں بتایا ہے، یہ بات ہم تینوں کے درمیان ہی رہے گی، یہ وزیٹنگ کارڈ ہے، کل ہی تم یہاں جاؤ۔'' کارڈ اسے دیتے ہوئے جہانزیب نے کہا تھا۔

''فکر مت کریں جہانزیب بھائی، یہ ضرور انٹرویو کے لئے جائے گا ورنہ میں سیمون آپی کو بتا دوں گا کہ اس نے پھر آپ کی نافرمانی کی ہے، وہ اسے دن میں تارے دکھا دیں گی۔'' اوزان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''تم لوگ خواہ مخواہ میری بیوی کو بدنام کرتے ہو ورنہ اس کے منہ سے تو پھول جھڑتے ہیں۔'' جہانزیب شرارتی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے بولے تھے۔

''بھائی! وہ جھڑتے پھول ہمیں بھی دکھایئے گا جو خاص طور پر ایلاف کو پتھر بن کر لگتے ہیں۔'' اوزان کے حیران لہجے پر جہانزیب نے مسکراتی نظروں سے ایلاف کے چہرے پر نمودار ہوتی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

اس کے سر سے بھاری بوجھ ہٹ گیا تھا

جب مشعل نے آ کر اطلاع دی کہ سیمون وغیرہ سب گھر سے رخصت ہو چکے ہیں، اس کی جان میں جان آئی تو غصے اور ناراضی نے مزید اس کا سر درد بڑھا دیا، مشعل کے اصرار کے باوجود اس نے کوئی بھی ٹیبلیٹ کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

اس وقت وہ نیم غنودگی میں تھی جب مانوس پرفیوم کی مہک قوت شامہ سے ٹکرائی اسے بیدار کر گئی تھی، بس ایک نگاہ اس نے ایلاف کو دیکھا تھا اور پھر چہرہ دوسری طرف پھیرتی نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ بیٹھی تھی۔

''میری وجہ سے تمہاری طبیعت خراب ہو گئی، بہت برا ہوں میں۔'' ندامت سے بولتا وہ اسے دیکھ رہا تھا، جو بالکل بھی اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی، بخار سے تپتے، بکھرے سے بالوں کے درمیان اس کا چہرہ ایلاف کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا۔

''مشعل نے بتایا سیمون آپی کی بہت کڑوی باتیں سننے کو ملی ہیں تمہیں، مجھے معاف کر دو، پتہ نہیں اچانک مجھ پر کون سا جنون سوار ہو گیا تھا، آئندہ ایسا بالکل نہیں ہو گا، اب تو دیکھو میری طرف۔'' اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیتا وہ التجاء کر رہا تھا۔

''مجھے کہیں نہیں دیکھنا، نہ ہی کوئی بات کرنی ہے۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر اکسون نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر گرفت مضبوط تھی۔

''اکسون! میں اور کیا کرتا، میں نہیں برداشت کر سکتا کہ کوئی تمہیں میری نظر سے دیکھنے کی کوشش کرے، تمہیں سوچے، تمہیں چاہے، تمہاری آواز سنے اور میں جانتا ہوں کہ تم بھی یہی چاہتی تھیں، جو کام تم میں کرنے کی ہمت نہیں تھی وہ میں نے زبردستی کروا لیا، اب معافی بھی تو مانگ رہا ہوں اس تکلیف کے لئے جو تمہیں پہنچی۔''

''ایلاف! ایسا کرنے سے کیا مصیبت ٹل گئی۔'' جلتی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ چپ نہیں رہ سکی تھی، چند لمحوں تک وہ اس کی سرخ آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھتا رہا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''اس مصیبت سے بچنے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے، بس تھوڑا سا ساتھ اور دو میرا، میرا یقین کرو بس کچھ دن اور......'' وہ مدھم اور مستحکم لہجے میں بولا تھا اور پھر اس کا ہاتھ لبوں سے لگایا تھا۔

''کیا کروں، تم سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ مسکرایا تھا۔

''تم ہی میری ہمت ہو اکسون، تم ساتھ ہو تو میں باقی رہ جانے والے کٹھن وقت سے بھی گزر جاؤں گا، پھر کیا دیر ہے، خواہشوں کے پورا ہونے میں، خوابوں کو تعبیر تک پہنچنے میں اور ہمیں ایک ہو جانے میں۔'' اس کے پر یقین لہجے پہ اکسون آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئی تھی۔

''اچھا اب تم ٹیبلیٹ لے کر مشعل کی ناراضگی دور کرو، صرف ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس اسی میں اپنی طبیعت ٹھیک کرو ورنہ تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا ہاسپٹل۔'' اس کی دھمکی پر وہ اثبات میں سر ہلاتی مسکرائی تھی۔

''ویسے بیمار ہو کر بھی قیامت لگ رہی ہو، بہت اچھی طرح نظر لگا چکا ہوں، پتہ چلا تمہیں؟'' اس کی مسکراتی نظروں پر وہ سر ہلاتی سرخ چہرے کے ساتھ ہنسی تھی۔

☆☆☆

انٹرویو اس کا بہت رسمی سا تھا، یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ یہ ایک خوشگوار ملاقات تھی، چند لمحوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سلیکٹ ہو جائے گا، بے شک یہ جہانزیب کے تعلقات کا ہی اثر تھا، جاب کی تلاش میں اتنا وقت ضائع ہو جانے کے بعد اسے بہر حال اس حد تک تو کمپرومائز کرنا ہی تھا، وہ جانتا تھا کہ ایسے مواقع بار بار اسے نہیں ملنے، ابھی جاب ملنے کی بات اس نے چھپا رکھی تھی، جس دن اپائنٹ منٹ لیٹر اسے ملا، یہ خبر دینے وہ سب سے پہلے جہانزیب کے آفس پہنچا تھا، ظاہر ہے وہ بہت خوش ہوئے تھے، لیکن اس خوشی میں جو پروگرام انہوں نے بنایا وہ ایلاف کو کوفت میں مبتلا کر گیا تھا، دو دن کی تعطیلات قریب تھیں اور اسی میں جہانزیب ان سب کو اپنے فارم ہاؤس لے جانا چاہتے تھے جو انہوں نے حال ہی میں خریدا تھا۔

وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوئی تھی جب فون پر اسے ایلاف کا میسج ملا تھا، حیران ہوتی وہ چھت پر پہنچی تھی، ایلاف اسے منتظر ملا تھا، اسے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی، اپائنٹ منٹ لیٹر اس کے ہاتھ پر رکھ کر ایلاف نے اسے سب بتا دیا تھا۔

''یہ کوئی مذاق تو نہیں؟'' دنگ ہوتی اکسون نے مشکوک نظروں سے بھی اسے دیکھا تھا۔

''اب روزے کی حالت میں تم سے ایسا بھیانک مذاق کرنے کا گناہ تو میں نہیں کر سکتا، تمہارے ہاتھ میں میرا اپائنٹ منٹ لیٹر ہی ہے۔''

''اس کے باوجود بھی میرے لئے یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے ایلاف! کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟ تم سے یہ سب سننے کے لئے میرے کان ترس رہے تھے۔'' اکسون کے لہجے میں کھنک اور چہرہ خوشی سے چمک اٹھا تھا، خشک لبوں پہ سچی مسکراہٹ اور آنکھیں دمک اٹھی تھیں، اس کے چہرے پر ایسی طمانیت اور سکون اسے پہلے کبھی نہیں نظر آیا تھا۔

''اب زمانے بھر میں اعلان نہ کر دینا، جس دن میں جوائن کروں گا اسی دن امی کو سرپرائز دوں گا، تم سے اس لئے نہیں چھپا سکا کہ میں تمہارے چہرے پر یہ خوشی دیکھنا چاہتا تھا جو ابھی نظر آ رہی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''تم فکر مت کرو، میں تم سے پہلے کسی سے یہ خوشخبری شیئر نہیں کروں گی، جہانزیب بھائی کتنے اچھے اور مخلص ہیں جو تمہیں تمہارا راستہ دکھا دیا، مجھے پورا یقین ہے کہ تم اپنی محنت اور لگن سے بہت آگے جاؤ گے، اللہ نے میری دعائیں سن لی ہیں، ابھی جا کر شکرانے کے نفل ادا کروں گی، یہ تو بتاؤ تم جوائن کب کرو گے؟''

''پل صراط پر سے گزرنے کے بعد۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ الجھی تھی۔

''ایک تو فارم ہاؤس، دوسرا وہ زریاب، جانے کیا سوجھی جہانزیب بھائی کو کہ رمضان کے دنوں میں سب کو فارم ہاؤس لے جانے پر بضد ہیں؟''

''یہ تم ان سے ہی پوچھتے۔''

''میری مجال۔''

''تو پھر خوشی خوشی چلو، نہ مجھے کسی کی پرواہ ہے نہ اب تمہیں ہونی چاہیے۔'' قطعی انداز میں بولتے ہوئے اکسون کی نگاہ اپنی چھت پر نمودار ہوتے اوزان پر پڑی تھی۔

''مجھے افطار کی تیاری کرنی ہے۔'' وہ عجلت میں بولتی بھاگنے کے لئے تیار تھی۔

''رکو تو، چپلی کباب کے ساتھ وہ اسپیشل چٹنی بھی بھیجنا جو مجھے بہت پسند ہیں۔'' ایلاف نے آواز لگائی تھی۔

"اچھا، تو مجھے آگ لگا کر اس آگ میں تم اس ندیدے کے لئے چپلی کباب بنا رہی ہو۔" اوزان کا انداز لڑنے والا تھا۔

"کیوں، کیا کیا ہے میں نے؟" اکسون نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا تھا۔

"تم نے مشعل سے یہ کیوں کہا کہ دو سال بعد شادی کے لئے ہاں کہنا، اس سے پہلے نہیں۔"

"تو کیا غلط کہا اس نے۔" ایلاف حمایت میں بول اٹھا تھا۔

"ابھی جاب شروع ہوئی ہے تمہاری، پھپھو کو یہ فخر تو ہونے دو کہ ان کا نالائق نکما سپوت، کماؤ پوت ہو گیا ہے، شادی ابھی ہو گئی تو تم تو گئے ان کے ہاتھ سے۔"

"تو آؤں گا تو تمہاری بہن کے ہاتھ میں، عید کے بعد شادی کی تاریخ لے کر رہوں گا میں۔" اوزان ہٹ دھری سے فیصلہ سنا گیا تھا۔

"ایلاف! یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے، ہم سے پہلے اس کی شادی نہیں ہو گی ورنہ یہ تو مجھے جلا جلا کر مار دے گا۔" خشمگیں نظروں سے وہ اوزان کو گھورتی سیڑھیاں اتر گئی تھی۔

"آخر سچ آ گیا زبان پر، میں بھی دیکھتا ہوں کون روکتا ہے میری شادی۔"

"میں ہوں ناں میرے دوست۔" ایلاف بولا تھا۔

"تم جیسا دوست ہو تو کسی دشمن کی ضرورت نہیں۔" اوزان جل کر بولا تھا۔

"سو تو ہے۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا تھا۔

☆☆☆

"اکسون! کن کاموں میں الجھی ہو، چھوڑو سب، جلدی چلنے کی تیاری کرو، میں زیادہ دیر نہیں رک سکتی۔" سیمون کی آواز پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"آپی! فارم ہاؤس کے لئے کل رات تک نکلیں گے، ابھی سے آپ کے گھر جا کر کیا کروں گی، مشعل نے بھی کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ آپ کی طرف جائے گی۔" پلیٹیں خشک کرتی وہ بولی تھی۔

"مشعل کا بہانہ مت بناؤ، کیا میں محسوس نہیں کر سکتی کہ تم صرف زریاب کی وجہ سے میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں۔" سیمون سخت ناگوار لہجے میں بولی تھیں۔

"ایسا نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے، تم سے پہلے میں دنیا میں آئی ہوں، میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش مت کرو، کس کے آسرے پر خود پر کھلتے قسمت کے دروازے کو ٹھوکر مار کر تم بند کر رہی ہو؟ اس کے لئے جو آج تک اپنے لئے کچھ نہیں کر سکا ہے، ہمارے بڑے فرشتے نہیں انسان ہیں، غلطیاں انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں اگر انہوں نے تمہارے لئے ایک غلط انسان کا انتخاب کر لیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم آنکھیں بند کر کے کھائی میں کود جاؤ۔" سیمون غصیلی نظروں سے اسے دیکھتیں بولی تھیں۔

"میری آنکھیں بند نہیں، میں دیکھ سکتی ہوں کہ وہ دن رات کوشش کر رہا ہے، آپ بہت جلد اسے ایک اچھے مقام پر دیکھیں گی۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی تھی۔

"چند ہزار کی نوکری حاصل کر کے وہ ساری زندگی تمہیں وہ سب کچھ نہیں دے سکتا جو زریاب دے سکتا ہے، اپنی آنکھوں سے یہ محبت کی پٹی اتارو اور نکال دو دماغ سے سارا فتور ورنہ پچھتانے کے سوا کچھ نہیں کر سکو گی، اب تم سے ہر بات جہانزیب کریں گے، میں نہیں، بہت اپنی من مانی کر لی تم نے، اب پانچ منٹ میں تیار ہو

کر باہر آؤ، میں انکار نہیں سنوں گی۔" لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ سیمون اسے حکم دیتیں کچن سے نکل گئی تھیں۔

☆☆☆

سوئمنگ پول کا شفاف نیلگوں پانی تیز لائٹس میں دمک رہا تھا، پول کے کنارے دودھیا تخ بستہ سے چکنے فرش پر ننگے پیر چلنا اچھا لگ رہا تھا، سیمون کے گھر میں موجود ہوتے ہوئے بھی اگر وہ سکون اور طمانیت محسوس کر رہی تھی تو صرف ایلاف کو ملنے والی کامیابی کی ہی یہ مرہون منت تھا۔

"محبت میں مول تول نہیں ہوتے، جذبے بنک بیلنس کے اتار چڑھاؤ میں نہیں پنپتے، ایک بار دل کے تخت پر جو براجمان ہو گیا، اسے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرنا بھی خود اپنے بس سے باہر ہوتا ہے۔" سیمون ان نازک باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھیں اور وہ ان کے حکم پر سر جھکانے سے، گہری سانس لیتے ہوئے یکدم اس کے قدم رکے تھے، اپنی طرف آتے زریاب کو دیکھ کر وہ چاہتے ہوئے بھی کہیں غائب نہیں ہو سکتی تھی، بالآخر سامنا تو کرنا ہی تھا۔

"بھابھی سے معلوم ہوا آپ یہاں ہیں، میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" بہت مہذب لب و لہجے میں وہ اکسون سے مخاطب ہوا تھا۔

"جی نہیں، جہانزیب بھائی نے یہاں کچھ فینسی لائٹس کا اضافہ کروایا ہے بس وہی دیکھنے آ گئی تھی۔" وہ لہجے کو پر اعتماد رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"تو پھر کیسا لگا یہاں سب؟"

"کافی اچھا۔" وہ مختصراً بولی تھی۔

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم کچھ دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟" اس کے یکدم سوال نے ایک پل کو اکسون کو حیران کیا تھا مگر اگلے ہی پل اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ٹیبل کے گرد اس کے سامنے بیٹھتے زریاب کی گہری نظروں نے اس کے چہرے کا طواف کیا تھا، ہوا سے بکھرتی لٹوں کو سمیٹتے ہوئے اکسون کو ناگوار گزرا تھا اس کا یوں دیکھنا۔

"آپ کے گھر آنا ہوا مگر آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، اگر ممکن ہوتا تو میں ضرور خیریت دریافت کرنے کے لئے آپ کو فون کرتا مگر بھابھی نے بتایا تھا کہ آپ بہت ریزرو اور کم گو ہیں سو آپ کو ناگوار نہ گزرے بس اس اندیشے کی وجہ سے بھابھی سے ہی آپ کی طبیعت کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔"

"بس، اتفاق ہی تھا کہ اس دن طبیعت کچھ ناساز ہو گئی تھی۔" وہ بس اتنا ہی بول سکی تھی۔

"اکسون! مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ بھابھی نے یقیناً میرے ارادے کے بارے میں آپ کو آگاہ کر دیا ہو گا، کیا آپ انٹرسٹڈ ہیں؟" بغور اس کے تاثرات دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

"جی، بالکل نہیں۔"

"اس کی وجہ؟"

"شاید یہی کہ ایسا کچھ سوچا نہیں۔"

"تو اب سوچ لیں، غور کر لیں میرے بارے میں۔"

"آپ کو یہ یقین کیوں ہے کہ آپ کے کہنے پر میں سوچنے اور غور کرنے بیٹھ جاؤں گی؟" لہجے کی ناگواری چھپائے وہ برجستہ بولی تھی۔

"کیونکہ مجھے پورا یقین ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ کوئی بھی اچھی لڑکی میرے بارے میں سوچے بغیر نہیں رہ سکتی۔" مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ بولا تھا۔

''خود پر اتنے اعتماد کی وجہ؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''اس سب کی وجہ سے جو میرے پاس ہے، میری کامیابیاں، میرا لائف اسٹائل، اسٹیٹس اور میری قابلیت، کیا یہ بہت اہم نہیں کہ میرا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لئے ایک خوشحال، پر آسائش زندگی کی ضمانت ہے۔'' اس کے لہجے میں اکسون کو خود پسندی اور تفاخر سے بھی زیادہ خطرناک کوئی چیز محسوس ہوئی تھی۔

''آپ کو یہ غلط فہمی کیونکہ ہوئی کہ ایک لڑکی اپنے لئے کسی شخص کے بارے میں سوچتے ہوئے اس سب کو پہلے اہمیت دے گی جو آپ کے پاس ہے۔'' اس کے سپاٹ لہجے پر زریاب نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ان سب چیزوں کی باری تو بہت بعد میں آتی ہے، سب سے اہم تو وہ چند خوبیاں ہیں جو ایک لڑکی اپنے شریک حیات میں دیکھنا چاہتی ہے۔''

''کیا آپ ان خوبیوں کے بارے میں مجھے بتا سکتی ہیں؟'' زریاب کے لہجے میں ہلکا سا طنز گھلا ہوا تھا یہ اچھا ہوا کہ بروقت آ پہنچا تھا کہ جہانزیب نے اکسون سے کافی کی فرمائش کی تھی۔

''جہانزیب بھائی کو میرے ہاتھ کی بنی کافی بہت پسند ہے، میں بنا دوں۔'' زریاب سے مخاطب ہوتی وہ فوراً آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

یہ غنیمت رہا کہ دوسرے دن صرف سحری اور افطار کے وقت زریاب سے اس کا سامنا ہوا، رسمی سلام دعا کے بعد وہ اسے نظر انداز ہی کرتی رہی تھی، رات میں اوزان اور ایلاف کے گھر سے سب فارم ہاؤس جانے کے لئے سیمون کے گھر جمع ہوئے تب جا کر وہ پرسکون ہوئی تھی۔

جس وقت یہ قافلہ فارم ہاؤس پہنچا سحری میں کافی ٹائم تھا، فارم ہاؤس کے ملازمین الرٹ تھے، خوبصورت کاٹیج کے تمام کمرے صاف ستھرے اور آرام دہ تھے، سیمون اپنے گھر کے کک ساتھ لے گئی تھیں، سب کے لئے بہت عمدہ سحری کا اہتمام بہت کم وقت میں ہو گیا تھا۔

اس سرسبز جنت نظیر خطے میں سورج کو طلوع ہوتے دیکھنا، سنہری کرنوں کو ہر پھول، پتے پر بکھرتے دیکھنا بہت مبہوت کر دینے والے مناظر تھے، پر بہار پھولوں کے کنج، شبنم میں بھیگی گھاس، لہلہاتے پیڑ پودے، مصنوعی آبشار کی جلترنگ، پرندوں کی چہچہاہٹیں، ہر سمت قدرت کے رنگ بکھرے تھے۔

ظہر کا وقت ختم ہوا تو قریبی جھیل کی طرف جانے کا پروگرام بنا، یہ جھیل فارم ہاؤس کی حد کے بعد ہی تھی، اس بہانے ان سب نے مکمل فارم ہاؤس بھی دیکھ لیا، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ جہانزیب اور سیمون میزبانی کے فرائض بہت عمدگی سے ادا کر رہے تھے۔

حد نگاہ تک پھیلی جھیل نے سب کو خوش کر دیا تھا، بچے تو پاگل ہو گئے تھے، کنارے پر وہ مشعل کے ساتھ پیروں سے ٹکراتی لہروں کو انجوائے کر رہی تھی جب سیمون اس کے سر پر عجیب و غریب حکم نامہ لے کر پہنچ گئی تھی۔

''میں کیوں زریاب کے ساتھ بوٹ میں بیٹھوں؟ ان سے کہیں جہانزیب بھائی کو یا کسی اور کو ساتھ لے جائیں۔''

''میں نے تم سے تمہاری مرضی نہیں پوچھی، میں اسے کہہ چکی ہوں کہ اکسون بوٹ میں بیٹھے گی، اب وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے، مجھے مزید شرمندہ مت کروانا اس کے سامنے، چلو اب۔''

غصے میں بولتیں سیمون اس کی ایک بھی سنے بغیر اسے ساتھ کھینچتی لے گئی تھی، ہکا بکا کھڑی مشعل کی نظروں نے ایلاف کو تلاش کیا تھا جو دوربین آنکھوں سے لگائے جھیل کی طرف رخ کیے کھڑا تھا، لمحے کی دیر کیے بغیر مشعل اس کی جانب بڑھی تھی، اسٹارٹ ہوتی موٹر کے شور کے ساتھ بوٹ تیزی سے کنارے سے دور ہوتی چلی گئی تھی، اس کی جلتی نظریں سیمون پر تھیں جو کنارے پر رکیں اس کی نظروں میں دھندلاتی جا رہی تھیں۔

''شکر ہے، بھابھی کی بدولت کچھ تنہائی کے لمحات آپ کے ساتھ میسر تو آئے۔'' سامنے بیٹھے زریاب کی آواز جیسے اس نے سنی ہی نہ تھی۔

''شاید آپ کو میرے ساتھ بوٹ میں بیٹھنا اچھا نہیں لگا۔'' اس کی خاموشی اور چہرے کے تاثرات سے زریاب نے بھانپ لیا تھا۔

''ظاہر ہے، سب کی موجودگی میں تنہا بوٹ میں اس طرح بیٹھنا مجھے معیوب لگ رہا ہے، برائے مہربانی ذرا جلدی واپس چلیں، مجھے وحشت ہو رہی ہے۔'' اس کے بے حد ناگوار لہجے نے زریاب کو سنجیدہ کر دیا تھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ آپ تنہا نہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں، دوسری بات یہ کہ زیادہ آگے جانے کا ارادہ میرا بھی نہیں سو آپ فکرمند نہ ہوں، ویسے بھی گہرے پانی سے میری بنتی نہیں، اسی لئے میں تیراکی نہیں سیکھ سکا۔'' زریاب کی ان بے مقصد باتوں نے اسے مزید وحشت زدہ کیا تھا۔

''اس رات آپ گفتگو ادھوری چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور میں تب سے ہی تجسس میں ہوں، کیا اب آپ مجھے بتائیں گی کہ ہر لڑکی کی طرح آپ اپنے شریک حیات میں کون سی خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟'' اس کے سوال پر اکسون نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا تھا۔

''سب سے اہم خوبی تو یہ کہ آپ عورت کی زندگی پر حق حاصل کرنے والا اس کا مضبوط سائبان اور محافظ ہو، جو اپنی جان پر کھیل جائے مگر اس پر کوئی آنچ نہ آنے دے، جس کا وجود اس کے لئے تحفظ کی ضمانت ہو، جو قیمتی تحائف نہ دے سکے مگر اس عورت کے لئے عزت اور محبت میں کمی نہ آنے دے، یہ سب خوبیاں ایک مرد میں ہوں تو سب آسائشیں اور دولت بھی اس سے بڑھ کر اہم عورت کے لئے نہیں ہو سکتیں۔'' گہری سنجیدگی سے بولتے ہوئے اکسون کو یکدم چپ ہونا پڑا تھا کہ موٹر کا شور عجیب بے ہنگم گھڑگھڑاہٹ میں بدل گیا تھا، بوٹ ایک جگہ رکی ڈگمگانے لگی تھی، زریاب تیزی سے موٹر کی طرف بڑھا تھا جس میں سے دھوئیں کے مرغولے اٹھنے لگے تھے، کچھ سوچنے سمجھنے کا وقت ہی نہ ملا، پلک جھپکتے ہی پوری کی پوری بوٹ ان دونوں کے بگڑتے توازن کی وجہ سے پلٹ گئی تھی، اکسون کی تمام حسیات جیسے مفلوج ہو گئی تھیں، ہاتھ پیروں کو حرکت دینے کے باوجود سطح پر رہنا مشکل ہو رہا تھا، دفعتاً پانی کی دھندلاہٹوں میں اس کے ہاتھ میں زریاب کا بازو آ گیا تھا، بڑھتی گھٹن اور موت کے بھیانک شکنجے نے اسے سب کچھ بھلا دیا، یاد رہا تو بس یہ کہ وہ مرنا نہیں چاہتی، دوسری جانب زریاب کے اپنے حواس منتشر تھے، لہروں کے اونچے تھپیڑے اسے پانی سے ابھرنے نہیں دے رہے تھے، بازو سے لٹکی اکسون کا اضافی بوجھ اسے پانی کے اندر کھینچے جا رہا تھا اور وہ ڈوبنا نہیں چاہتا تھا، بازو کو جھٹک جھٹک کر اکسون کو پرے دھکیلنے کی کوشش کرتا وہ پلٹی ہوئی اور آدھی ڈوبی ہوئی بوٹ کا سہارا لینا چاہتا تھا مگر اکسون کی وجہ سے وہ ناکام ہو رہا تھا، زریاب کو وہ جونک لگ

رہی تھی، اس کے ہاتھ پیر شل ہو چکے تھے، جان بچانے کے لئے اور اکسون سے جان چھڑانے کے لئے وہ جنونی اشتعال میں آ چکا تھا، جانے ہاتھ اور پیر کی کتنی ضربیں اس نے اکسون کو ماری تھیں، اس دوران وہ پانی میں آدھی ابھری ہوئی بوٹ کا سہارا لے چکا تھا، بوٹ کمزور تھی اور ایک بندے کا بوجھ بھی نہیں سنبھال سکتی تھی۔

بھاری جوتے کی اس آخری ضرب نے اکسون کے وجود کو سن کر دیا تھا، آکسیجن شاید پانی کی سطح پر بھی ختم ہو چکی تھی، ماؤف دماغ میں پھیلتے گمبھیر سناٹے میں اسے یکدم شور سنائی دیا تھا۔

ایک مضبوط گرفت نے پہلے اس کا ہاتھ پانی سے نکالا تھا اور اگلے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو پانی سے باہر محسوس کیا، کچھ مانوس آوازیں اسے سنائی دے رہی تھیں، حواس بیدار ہونے لگے تھے، لب بھینچے وہ چند لمحوں تک اس کے لٹھے کی طرح سفید چہرے پر ابھرے نیلے نشان دیکھتا رہا تھا، اس کی ناک اور ہونٹ لہولہان ہو رہے تھے، ایلاف کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ ضبط نہیں کر سکی تھی، اس کے نیم جاں لرزتے کانپتے وجود کو بازوؤں میں چھپائے وہ خون آشام نظروں سے زریاب کو دیکھ رہا تھا جو دوسری بوٹ میں اوزان کا سہارا لے کر بیٹھ چکا تھا۔

''ایلاف! اکسون ٹھیک ہے؟'' اوزان پوچھ رہا تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے، ایک نام نہاد بزدل مرد نے اپنی جان بچانے کے لئے اسے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر پھر بھی یہ ٹھیک ہے۔'' خونخوار لہجے میں بولا تھا۔

''اور زریاب! آج کے بعد خود کو مرد کہنے سے پہلے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لینا، جو اذیت تم نے اکسون کو دی ہے اس کا حساب تمہیں دینا پڑے گا، سنا تم نے۔'' اس کے شدید اشتعال میں دھاڑنے پر زریاب کا چہرہ اتر گیا تھا، ایلاف کی جانب وہ دوبارہ سر اٹھا کر نہیں دیکھ سکا تھا۔

☆☆☆

فوری طور پر سب واپس فارم ہاؤس پہنچے تھے، کسی سے بھی کچھ کہے سنے بغیر زریاب اپنی گاڑی لے کر وہاں سے نکل گیا تھا، وہ تو اتفاق سے اوزان نے اسے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا، یہ اطلاع لے کر وہ فوراً اندر گیا تھا جہاں سیمون اور ایلاف کے درمیان جنگ چھڑ چکی تھی، ایک طرف اکسون سر جھکائے بیٹھی تھی جبکہ باقی نفوس کو بھی سانپ سونگھا ہوا تھا۔

''جس کے لئے آپ نے مجھے دو ٹکے کا ثابت کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، آج اس نے سب کو دکھا دیا کہ خود اس کی اپنی اوقات دو ٹکے کی بھی نہیں، اکسون کی طرح میں صرف اس لئے خاموش نہیں رہوں گا کہ زریاب آپ کا رشتہ دار ہے، جس کو برا لگ رہا ہے وہ میرے سامنے آ کر بولے، اس اعلیٰ و عرفہ گھٹیا انسان نے اپنی جان بچانے کے لئے کیا حشر کیا ہے آپ کی بہن کا، سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ کہتی ہیں کہ میں مداخلت نہ کروں، میں کیوں مداخلت نہ کروں۔'' جہانزیب کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر وہ شدید اشتعال میں سیمون پر برس پڑا تھا۔

''بات کا بتنگڑ مت بناؤ ایلاف، تمہیں تو موقع چاہیے تھا، وہ تمہیں مل گیا، میں اکسون کا اچھا برا سب سمجھتی ہوں، لاوارث نہیں ہے وہ، ہمارے معاملات میں تمہیں بولنے کی قطعاً ضرورت نہیں سمجھے تم۔'' سیمون بھی بھڑک کر چیخی تھیں۔

''میں ہر اس معاملے میں بولوں گا جس کا تعلق اکسون سے ہے، منگیتر ہے وہ میری، آپ کو شرم آنی چاہیے میری موجودگی میں اسے کسی اور سے منسوب کرنے کا سوچتے ہوئے بھی، اپنی بہن کی پرواہ ہے تو بلائیں زریاب کو، اس کا گریبان پکڑ کر پوچھیں کہ آپ کی بہن کی زندگی کو داؤ پر لگا کر وہ کس منہ سے اپنی جان بچا کر یہاں تک آیا ہے۔''

''مجھے اس سے جو پوچھنا ہے، پوچھوں گی، جہانزیب اس سے بات کریں گے مگر تم اپنی بکواس بند کرو۔'' خونخوار نظروں سے ایلاف کو دیکھنے کے بعد وہ جہانزیب کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''آپ ابھی زریاب کو بلائیں، وہ اکسون سے معافی مانگے گا، اس نے غلط کیا لیکن ہم لحاظ مروت تو نہیں بھلا سکتے۔''

''واہ...... بہت خوب، جوتے لگا کر اس کا منہ لال کرنے کے بجائے آپ تو اسے ایک اور موقع دینا چاہتی ہیں اکسون کی زندگی سے کھیلنے......''

''تم اپنی بکواس بند کرتے ہو یا نہیں۔'' ایلاف کے طنز پر سیمون چیخی تھیں۔

''زریاب یہاں سے جا چکا ہے، میں یہی بتانے آیا تھا۔'' اوزان کی اطلاع نے سیمون کے تاثرات بدل دیئے تھے۔

''ظاہر ہے منہ چھپا کر بھاگنے کے سوا اس کے پاس اور کوئی راستہ جو نہیں تھا، راستہ دینے والے بھی مہمان اور بھاگنے والا بھی مہمان۔''

''اپنی زبان کو لگام دو ایلاف، ہمیں بے عزت کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکو نیچ انسان۔''

''نیچ وہ ہے جس نے نیچ کام کیا ہے، آپ جیسی گھمنڈی عورت سے نیچ ہونا ہی بہتر ہے۔'' وہ دھاڑا تھا۔

''آپ دونوں بند کریں اب میرا مزید تماشا بنانا، دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں آپ دونوں نے میری۔'' یکدم درمیان میں چیختی اکسون نے سب کی آواز بند کر دی تھی۔

''ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے میرا استعمال کرنا بند کریں، اپنی انا، اپنی میں کے لئے جب موقع ملتا ہے مجھے ہی چکی میں پیسا جاتا ہے، مجھے ہی مہرہ بنا کر دل کا زہر نکالا جاتا ہے مگر اب یہ سب نہیں ہوگا، آج کے بعد میرے معاملات میں کوئی دخل نہیں دے گا، میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں، نہیں رکھنا مجھے آپ دونوں سے کوئی تعلق، نہ میں کسی کی بہن ہوں، نہ منگیتر، میں نے آج سب کچھ ختم کر دیا ہے، اپنے فیصلے میں خود کروں گی، کسی کو حق حاصل نہیں مجھ پر۔'' بپھرے چہرے کے ساتھ چیختی وہ اکسون اور ایلاف سے ہی مخاطب ہوئی تھی۔

''اوزان، مجھے ابھی اور اسی وقت یہاں سے لے چلو ورنہ میں تنہا بھی جا سکتی ہوں۔'' قطعی انداز میں اوزان سے کہہ کر وہ سب کو دم بخود چھوڑتی وہاں سے نکل گئی تھی، ہوش میں آتی مشعل اور اوزان اس کے پیچھے ہی گئے تھے۔

''سیمون! تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اکسون اور ایلاف کو اپنے بڑوں کا فیصلہ منظور نہیں تھا، یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، یہی سب کہا تھا تم نے مجھ سے؟'' جہانزیب کے کڑے لہجے پر سیمون کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا، ایک تیز نگاہ ایلاف ان پر ڈالتا مزید وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔

''مجھے جواب چاہیے، جھوٹ کیوں کہا، تم نے مجھ سے؟'' باہر جاتے ایلاف کو جہانزیب کی سخت غصیلی آواز سنائی دی تھی۔

☆☆☆

شاید یہ اس کے ضبط کی حد تھی کہ اسے نہ تو اب سیمون کے غصے کی پرواہ تھی، نہ ہی ایلاف کی ناراضی کا ڈر تھا، اپنی ماں کے سمجھانے کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا، سیمون کئی بار گھر آئیں مگر وہ ان کے آتے ہی منظر سے غائب ہو جاتی، اس کے تیوروں پر خود سیمون کی ہمت نہیں ہوئی کہ آگے بڑھ کر اسے مخاطب کرتیں۔

ایلاف کی کوئی کال اس نے ریسیو نہیں کی، وہ جب جب گھر آیا، اس نے خود کو اپنے کمرے تک ہی محدود رکھا، رشتے جب عزت نفس کو گھائل کرنے کے درپہ ہو جائیں تو ان سے دور ہو جانا چاہیے، کچھ مدت کے لئے ہی سہی، یہ بات اس نے مشتعل سے ایک دن کہہ کر اسے بھی خاموش کروا دیا تھا۔

ایلاف نے آفس جوائن کر لیا تھا اس کی ماں خود نفیسہ کے پاس مٹھائی لے کر آئی تھیں، اکسون نہیں جانتی تھی کہ ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئیں، اس کی تائی نے بھی اس کے لئے دیے انداز کو محسوس نہیں کیا کہ سب کی طرح وہ بھی جانتی تھیں کہ فارم ہاؤس والے حادثے کے بعد سے اس کی طبیعت اور مزاج دونوں ہی ٹھیک نہیں ہیں۔

یونہی لب سیئے وہ رمضان کے دن دلجمعی سے گزار رہی تھی، اب تو رمضان کے اختتامی دن آ پہنچے تھے، تب ہی ایک دن اچانک سیمون کے ہمراہ جہانزیب گھر آ گئے تھے، اکسون اسی دن سے بچنا چاہ رہی تھی۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اتنا کچھ تمہاری مرضی کے خلاف ہو رہا تھا اور تم نے مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ اس بارے میں مجھ سے بات کرتیں یا ای سے کہتیں وہ تمہارے اور ایلاف کے بارے میں مجھ سے بات کرتیں، میں بہت پہلے ہی زریاب کے معاملے کو شروع ہونے سے پہلے ختم کروا دیتا، سیمون نے مجھ سے تمہارے اور ایلاف کے بارے میں غلط بیانی کی کیونکہ اسے تمہارا مستقبل زریاب کے ساتھ سیکیور نظر آ رہا تھا، مگر ضروری نہیں کہ جو دکھائی دے رہا ہے، حقیقت بھی وہی ہو، سیمون نے بہت غلط کیا، ایلاف کے ساتھ بھی، یہ بھی سچ ہے کہ اس نے صرف تمہاری محبت میں خود غرضی کا مظاہرہ کر دیا مگر جو غلط ہے، وہ غلط ہے، میں سیمون اور اپنی طرف سے اس سب کے لئے تم سے معافی مانگتا ہوں اور اس کے لئے بھی جو زریاب نے کیا، اپنی حرکت سے اس نے ثابت کر دیا کہ وہ ہرگز تمہارے لائق نہیں، ایلاف کو جو تکلیف پہنچی اس کے لئے سیمون نے میرا سر بھی اس کے سامنے جھکا دیا ہے، اب مجھ پر بھی الزام ہے کہ میں اس سے معذرت نہ کروں۔'' جہانزیب کے سخت ناگوار لہجے پر اکسون نے ایک نگاہ سیمون کو دیکھا تھا جو سر جھکائے خاموش بیٹھی تھیں۔

''اکسون! بس اب جو ہو گیا اسے ختم کرو، تمہاری بہن نے جو کیا تمہاری فکر اور محبت میں کیا، اتنا بڑا تہوار سر پہ ہے، اس میں ناراضی اور کدورت دل میں نہیں رکھتے، اب اپنی بہن سے گلے مل کر ساری ناراضی ختم کرو۔'' نفیسہ کے کہنے پر اس نے سیمون کو دیکھا تھا جو فوراً اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی اکسون، مگر ابھی ایلاف کے پاس جاؤں گی، اس سے بھی معافی مانگوں گی۔'' اسے گلے لگائے سیمون نم لہجے میں بول رہی تھیں۔

''اب تو تم مجھ سے ناراض نہیں ہو؟'' ان کے سوال پر اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر

ہلایا تھا۔

''جہانزیب! بھابھی چاند رات کو شادی کی تاریخ لینے کے لئے آنے کا کہہ گئی تھیں، اب تم دونوں بتاؤ کیا جواب دوں ان کو؟'' نفیسہ بیٹی داماد سے ایک ساتھ مخاطب تھیں جبکہ اکسون کے لئے یہ خبر بالکل غیر متوقع تھی۔

''یہ تو اچھی بات ہے، اب تو ایلاف برسر روزگار ہے لہٰذا اس کام میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔'' جہانزیب بولے تھے۔

''یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، ہم تائی امی کی طرف ہی جا رہے ہیں، ان کو یہ کہہ دیں گے کہ وہ چاند رات کو ہی شادی کی تاریخ طے کر لیں۔'' سیمون مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

☆☆☆

چاند رات کی رونق دوبالا ہو گئی تھی، سب ہی گھر میں ابھی موجود تھے، تمام معاملات خوش اسلوبی سے طے ہوئے تھے، سیمون بچوں کے ساتھ صبح ہی گھر آ گئی تھیں، کھانے کا سارا اہتمام انہوں نے اپنی نگرانی میں کروایا تھا اور اب ڈرائنگ روم میں میزبانی کے فرائض بخوبی نبھا رہی تھیں، سب سے نظر بچاتی وہ ان خوبصورت لمحوں کو تنہا بس اپنے ساتھ گزارنے کے لئے سب کے درمیان سے اٹھ آئی تھی، کمرے میں داخل ہوتی وہ یکدم رکی تھی، اس سے پہلے کہ وہ الٹے قدموں واپس باہر نکل جاتی ایلاف نے سرعت سے اسے روکتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

''اتنا غصہ، اتنی ناراضی، مگر کیوں اکسون؟ کیا صرف اس لئے کہ میں تمہاری بے عزتی نہیں برداشت کر سکا تھا، کیا اسے لئے کہ تمہاری اذیت پر میں ہوش کھو بیٹھا تھا؟'' شدید تاسف سے بولتا وہ اسے دیکھ رہا تھا جو نگاہ بھی نہیں اٹھانا چاہتی تھی، کاسنی دوپٹے کے ہالے میں اس کے چہرے پر سوگواری ابھرنے لگی تھی۔

''جس چہرے کو نظروں سے چھونے سے پہلے میں ہزار بار سوچتا ہوں، اس چہرے کی بے حرمتی ہوئی میں کس طرح ضبط کرتا؟ کیوں حواس نہ کھوتا، اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ میرے ہاتھ لگنے سے پہلے بھاگ گیا، میں نے دوربین سے سب دیکھا، ایسا لگ رہا تھا کوئی میرے جسم سے روح کھینچ رہا ہے، اس سب کے بارے میں سوچتا بھی ہوں تو دل چاہتا ہے زریاب سمیت ساری دنیا کو تہس نہس کر دوں۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ یکدم چپ ہوا تھا کہ اکسون ضبط نہ کر سکی تھی، اس کے کندھے سے سر ٹکائی سسک اٹھی تھی، دوسری جانب ایلاف نے اسے دل کا غبار نکالنے سے نہیں روکا تھا۔

''بس تمہارے یہی آنسو مجھے آپے سے باہر کر دیتے ہیں۔'' گہری سانس لے کر ایلاف اس سے مخاطب ہوا تھا جو ضبط کیے اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ سیمون آپی اور جہانزیب بھائی کے سامنے میرے جارحانہ انداز نے بھی تمہیں میری طرف سے مایوس کیا مگر تمہارے معاملے میں، میں ایسا ہی رہوں گا، تمہیں تکلیف پہنچی تو تم سے پہلے میں چیخوں گا مگر اپنی ذات، اپنی تکلیف کے لئے میں کبھی ان دونوں کے سامنے بدلحاظی نہیں کروں گا، وہ دونوں بڑے ہو کر مجھ سے معافی مانگ سکتے ہیں تو میں کیوں ان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر اکسون نے نظر اٹھا کر بغور اسے دیکھا تھا۔

''یہ دیکھو، میں کان پکڑ لیتا ہوں، اب تو ناراضی دور کر کے مسکرا دو۔'' اپنے کان پکڑتا وہ

عاجزی سے بولتا اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا، تب ہی وہ دونوں چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہوئے تھے جہاں سے جھانکتے اوزان کے چہرے پر شرارت اور مشعل کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''اکسون! دیکھو آج چاندرات ہے کل عید ہے۔'' اوزان کے انکشاف پر اکسون نے بے تحاشہ حیرت جبراً خود پر طاری کی تھی۔

''کتنی نئی اطلاع دے رہا ہے یہ۔'' اس نے تائید مانگتی نظروں سے ایلاف کو دیکھا تھا۔

''پوری اطلاع تو سن لو، میں نہیں چاہتا کہ یہ چاندرات سوگ والی رات بن جائے۔''

''تمہارے منہ میں منوں خاک، سیدھی طرح مدعے پر آ جا گکڑی چور۔'' ایلاف نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

''میں مشعل کو ساتھ لے جا رہا ہوں باہر، اسے چوڑیاں پہننی ہے اگر تم نے ظالم سماج بننے کی کوشش کی تو میں ابھی شور مچا کر یہیں رنگے ہاتھوں پکڑوا دوں گا۔''

''مجھے بلیک میل کر رہا ہے، رک ذرا۔'' ایلاف کے حرکت میں آتے ہی مشعل سرعت سے اوزان کا کالر کھینچتی ساتھ لے بھاگی تھی جبکہ اکسون نے بھی ایلاف کو دوسرے قدم پر ہی روک لیا تھا۔

''تم نے ان دونوں کو ڈانٹا تو میں تم سے بات نہیں کروں گی۔'' اکسون نے وارن کیا تھا۔

''اچھا بابا نہیں کچھ کہتا، اب اپنا چہرہ ٹھیک کرو، آج چاندرات کی خوشی میں تمہارے لیئے میں نے چار چاند لگا دیئے، اپنی ضد پوری کروائی کہ چاندرات کو ہی شادی کی ڈیٹ فکس ہوتا کہ میں تمہارے چہرے پر خوشی دیکھ سکوں۔''

''ایلاف! تم سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ میں کتنی خوش ہوں، بس اس سوچ میں ہوں کہ خوشی اگر ملنی ہی ہوتی ہے تو اتنا ترس، ترس کر، اتنے انتظار کے بعد ہی کیوں؟ ایک خواہش، ایک امید کے پورا ہونے تک انسان ادھ موا ہو جاتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''ہاں، کچھ مخصوص خواہشیں اور امیدیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پورا ہونے تک بہت صبر کرنا پڑتا ہے، جو چیز بہت انتظار اور کٹھنائیوں کے بعد حاصل ہوتی ہے انسان اس کی قدر اتنی ہی شدت سے کرتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم پہلے سے زیادہ ایک دوسرے کی قدر کریں گے۔'' مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ بولا تھا۔

''تمہاری ناراضی نے چاند دیکھنے کی خوشی غارت کر دی ورنہ ہر سال تم مجھ سے پہلے چھت پر موجود رہتی تھیں۔'' وہ شکایتی انداز میں بولا تھا۔

''چاند تم نے دیکھا، میں نے دیکھا ایک ہی بات ہے۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''اچھا، تو پھر ذرا بتاؤ چاند کیسا دکھائی دیتا تھا؟'' شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ وہ پوچھ رہا تھا۔

''بالکل پاگل، تمہاری طرح۔''

''واقعی؟'' اس کے حیرانی سے پوچھنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتی کھل کر مسکرائی تھی کہ چاند تو بس چاند ہوتا ہے اور ایک چاند جیسے سنگم کی بنیاد بھی، جس کی گواہ یہ چاندرات بھی تھی۔

☆☆☆

میٹھے رشتوں کی میٹھی عید

سونیا چوہدری

شادی کے بعد یہ اس کی پہلی عید تھی اور وہ عید سے چند روز پہلے ہی اپنے میکے چلی آئی تھی۔

اجالا بہن بھائیوں میں پہلے نمبر پہ تھی اور بے حد لاڈلی بھی، اسے شروع ہی سے سب سے زیادہ توجہ ملی تھی، جس وجہ سے وہ بہت حساس بھی تھی، آج آخری روزہ تھا اور ٹی وی پہ چاند نظر آنے کا اعلان بھی ہو چکا تھا، ہر طرف چاند رات کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی، وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی نیوز سن رہی تھی جب اجالا کی چھوٹی بہن خوشی سے جھومتی ہوئی اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''آپی آئیں آپ کو مہندی لگاؤں؟''

''نہیں مجھے مہندی نہیں لگوانی۔'' اجالا نے سنجیدگی سے کہا۔

''ارے کیوں مہندی نہیں لگوانی؟ صبح عید ہے آپ کو مہندی لگوانی پڑے گی۔'' عائشہ نے محبت سے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا نا عائشہ کہ مجھے مہندی نہیں لگوانی تو مطلب نہیں لگوانی، اس لئے ضدمت کرو۔'' اجالا نے جھنجھلاتے ہوئے ریموٹ صوفے پر پھینکتے ہوئے کہا۔

''اجالا بیٹا اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو؟'' اس کی والدہ عذرا بیگم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں امی! بس میرا موڈ نہیں ہے مہندی لگوانے کا۔'' اجالا نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا۔

''امی آپی کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے آپی کو ذرا سج سنور کے رہنا چاہیے لیکن ان کو تو اپنی کوئی پرواہ ہی نہیں۔'' عائشہ نے اجالا کی طرف دیکھتے ہوئے خفگی سے کہا۔

''جب تمہاری شادی ہو گی تو تم سج سنور کے رہا کرنا، مجھے اس بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں اور ویسے بھی سجا سنورا شوہر کے لئے جاتا ہے اور جس کا شوہر ہی لاپرواہ اپنی بیوی سے بے خبر ہو تو اس کا یہ بناؤ سنگھار سب بیکار ہے۔'' اجالا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بیٹا یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ زین تو تمہارا اتنا خیال رکھتا ہے تم سے اتنی محبت و عزت سے پیش آتا ہے اور تم ہو کہ ایسی جلی کٹی باتیں کیے جا رہی ہو۔'' عذرا بیگم نے محبت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کوئی احسان نہیں کرتے اگر عزت سے پیش آتے ہیں تو۔'' اجالا نے بیزاری سے کہا۔

''آپی آپ کو غصہ کس بات پہ ہے آخر؟'' عائشہ نے اس کو یوں بے وجہ چڑتے ہوئے دیکھا تو پوچھ لیا۔

''تمہارے پیارے دلہا بھائی کی حرکتوں پہ۔''

''کیا کر دیا دلہا بھائی نے؟'' عائشہ نے حیرت سے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''وہی جو ہر مرد کرتا ہے، بیوی کو چھوڑ کر ماں بہنوں کو لے کر گھومنا، ان کی سننا، ان کی کہنا، صرف ان ہی کی فکر کرنا۔'' اس کی بات پہ عذرا بیگم حیرت سے اس کو دیکھتی رہ گئیں۔

''کیا مطلب؟ آپ کی ساس نے آپ سے کچھ کہا؟''

''وہ مجھے کیوں کچھ کہیں گی جب ان کا بیٹا ان کے اشاروں پہ ناچتا ہے تو، ابھی بھی انہی کو لے کر گھوم رہا ہے۔''

''میں نے کال کر کے کہا کہ مجھے عید کی شاپنگ کرنی ہے مجھے آ کر لے جائیں، تو جناب کہنے لگے پہلے امی اور سعدیہ کو شاپنگ کروا لوں پھر آ کر تمہیں لے جاؤں گا۔'' اجالا نے ناراضگی سے کہا۔

''تو آپی اس میں اتنا غصہ کرنے والی کیا بات ہے، انہوں نے انکار تو نہیں کیا، بس اتنا ہی کہا کہ بعد میں آپ کو بھی لے جائیں گے، آپ تو خواہ مخواہ اتنا ناراض ہو رہی ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہے عائشہ، تم بے وجہ اتنا غصہ کر رہی ہو، جیسے عائشہ تمہاری بہن اور میں تمہاری ماں ہوں، اسی طرح اب زین کے گھر والے بھی تمہارے اپنے ہیں اس لئے ایسی غیروں والی باتیں مت کیا کرو، اتنے اچھے لوگ ہیں محبت سے رہا کرو، شادی کے بعد بیوی کو شوہر اس کی ماں سے چھیننا نہیں ہوتا بلکہ بانٹنا ہوتا ہے وہ صرف تمہارا شوہر نہیں ہے کسی کا بیٹا اور بھائی بھی ہے، یہ تمہیں خود سمجھنا چاہیے، رشتوں میں توازن رکھنا سیکھو۔'' عذرا بیگم محبت سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''امی آپ تو بس ان کی ہی حمایت کرتی رہا کریں۔'' اس نے زچ ہوتے کہا۔

''بیٹا تمہارے بھلے کے لئے ہی تمہیں سمجھاتی ہیں، سسرال والوں کے ساتھ سلوک سے رہنا سیکھو، ساس کو ماں سمجھو گی تو وہ بھی تمہیں بیٹی مانیں گی، جب تم ہی ان سے یوں بدظن ہو گی تو وہ تو خواہ مخواہ اپنے رویے میں تبدیلی لائیں گی اور تم اپنی دادی اور مجھے ہی دیکھ لو، ان میں اور مجھ میں آج تک کتنی محبت ہے، وہ مجھے ڈانٹتی بھی ہیں اور میں بھی کبھی ان سے غصہ ہو جاتی ہوں لیکن ہم ایک دوسرے کے مشورے کے بغیر کبھی کچھ نہیں کرتیں، تم بھی ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرو، ان کو سمجھو، وہ بہت اچھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔''

عذرا بیگم اس کو سمجھا رہی تھیں اتنے میں زین اپنی والدہ ممتاز بیگم اور اپنی بہن سعدیہ کے ہمراہ لاؤنج میں داخل ہوا، عذرا بیگم انہیں دیکھتے ہی احتراماً ان کے استقبال میں کھڑی ہو گئیں۔

زین اور سعدیہ نے شاپنگ بیگز ٹیبل پہ رکھتے ہوئے سب کو سلام کیا، ممتاز بیگم نے محبت سے اپنی بہو اجالا کو گلے ملتے ہوئے چاند رات کی مبارکباد دی۔

''جاؤ عائشہ سب کے لئے کولڈ ڈرنک لے کر آؤ۔'' عذرا بیگم نے نرم لہجے میں پاس بیٹھی عائشہ سے کہا۔

''اجالا یہاں تھی تو سوچا جاتے ہوئے اس سے بھی مل لیں اور اس کے لئے جو تحائف خریدے ہیں وہ بھی اسے دے دیں۔'' ممتاز بیگم نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے کہا۔

''بھابھی امی نے تو آج تک میرے لئے نہیں اتنی شاپنگ کی جتنی آپ کے لئے کر رہی تھیں، یہ ساری شاپنگ آپ ہی کے لئے کی ہے، امی کی جانب سے آپ کی عیدی ہے۔'' سعدیہ نے شاپنگ بیگز اجالا کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

اجالا نے حیران کن نظروں سے اپنی ساس کو دیکھا اور پھر ان کے لائے گئے تحائف کو۔

''امی ان سب کی کیا ضرورت تھی۔'' اجالا نے سنجیدگی سے اپنی ساس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''لو بھئی کیوں میں اپنی بہو کو اس کی شادی کے بعد پہلی عید پہ کچھ تحائف بھی نہیں دے سکتی۔'' ممتاز بیگم نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''عائشہ بیٹا یہ تمہارے لئے۔'' انہوں نے ایک خوبصورت سا سوٹ نکال کر عائشہ کی جانب بڑھایا۔

''ارے آنٹی نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

"رکھ لو بیٹا میری خوشی کی خاطر۔" ممتاز بیگم نے محبت سے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت اچھی ہیں ممتاز، میں بہت مطمئن ہوں اور اللہ کی بے حد شکر گزار بھی کہ میری بیٹی کو اتنا اچھا سسرال ملا ہے۔" عذرا بیگم نے تشکر بھری نگاہ ممتاز بیگم پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں عذرا، آج میں اپنی بہو کے ساتھ اچھا سلوک کروں گی تو کل کو میری بیٹی بھی اپنے سسرال جا کر خوش رہ پائے گی کہ یہ دنیا مکافات عمل کا نام ہے، لڑکی بہو ہو یا بیٹی بس ان کی قدر کرنی چاہیے کہ یہ اللہ کی رحمتیں ہوتی ہیں، انہی کے دم سے تو گھر میں رونق ہوتی ہے۔" ممتاز بیگم نے محبت سے کہا۔

اجالا کو ان کی باتیں سننے کے بعد اپنی سوچ اور رویے پہ شرمندگی ہو رہی تھی، وہ نظریں جھکائے خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے بیٹیوں کی قدر کرنی چاہیے۔" عذرا بیگم نے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

اجالا نے وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا کہ جب اس کی ساس بہو اور بیٹی میں فرق نہیں کرتیں تو اسے بھی اپنی ماں اور ساس میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیے۔

"زین بیٹا تم جاؤ اجالا کو شاپنگ پہ لے جاؤ، اپنی پسند سے بھی کچھ خریدے گی۔" ممتاز بیگم نے زین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جو اجالا کو ہی بغور دیکھ رہا تھا۔

"جاؤ اجالا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی، اس نے دل ہی دل میں اللہ سے معافی طلب کی اور آئندہ اپنی زندگی کو اپنوں کے ساتھ خوشحال طریقے سے گزارنے کا فیصلہ کیا، کہ اس کی اپنی ساس کے بارے میں سارے منفی خیالات مثبت خیالات میں بدل گئے تھے۔

کہنے والے نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

"جب انگلیوں کے ناخن بڑھ جائیں تو ناخن کاٹے جاتے ہیں انگلیاں نہیں۔"

اسی طرح اگر رشتوں میں غلط فہمیاں پروان چڑھ جائیں تو غلط فہمیاں دور کرنی چاہیے، رشتوں کو نہیں۔

وہ چند منٹ میں ریڈی ہو کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنا ایک تنقیدی جائزہ لے رہی تھی، جب اسے اپنے عقب میں کھڑے زین کی موجودگی کا احساس ہوا۔

وہ چند ثانیے خاموشی سے دیکھنے کے بعد اس سے مخاطب ہوا۔

"تم نے مہندی کیوں نہیں لگوائی؟" زین نے اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ آپ کو مہندی پسند نہیں اس لئے۔" اجالا نے اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں یہ تو سچ ہے کہ مجھے مہندی بالکل بھی پسند نہیں، مگر دوسروں کے ہاتھوں پر، تمہارے ہاتھوں پہ تو بہت پیاری لگتی ہے۔" زین نے اس کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے شوخ انداز میں کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"واپس آ کر لگوا لوں گی۔" اجالا نے نظریں جھکائے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"اب چلیں؟" اجالا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ زین کے ہمراہ باہر نکل گئی کہ میٹھی عید کا مزہ اپنے میٹھے رشتوں کے سنگ ہی آتا ہے۔

☆☆☆

انعام

حمیرا نوشین

لائٹ گرین کلر کا ایمبرائیڈڈ سوٹ اس کی سنہری رنگت پر الگ ہی چھب دکھا رہا تھا نفاست سے کیے گئے میک اپ میں حسن نظروں کو خیرہ کیے دے رہا تھا اور جب اس نے سکارف کو اپنے پورے سر کے گرد لپیٹا تو سچ میں یوں لگا جیسے چودھویں کا چاند اپنے پورے جوبن پر ہو اطراف کا ماحول بھی نکھر سا گیا تھا غلافی آنکھوں میں لگے کاجل نے سب کو اپنی طرف کھینچنے کی قسم کھا لی تھی، پری نے اماں کے برسوں پرانے جہیز کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا تو شیشے پر پڑے دھبوں نے اس کے حسن کو صحیح طور پر دکھانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"ہونہہ ایک بھی ڈھنگ کی چیز نہیں ہے اس گھر میں، ایسی سفید پوشی کہ انسان اپنی خوبصورت شکل بھی دیکھنے سے ترس جائے۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

"یہ لیپا پوتی کر کے کہاں کی تیاری ہے۔"

"بتایا تو تھا دادی آپ کو کہ زرشہ کے کزن نے رمضان شو کے پاس لیے ہیں زرشہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جا رہی ہے۔" وہ وہیں ان کے پاس بیٹھ گئی، جبکہ عاصمہ تسبیح کو ہونٹوں کی گولائی کی شکل دیتے اس پر پڑھ کر پھونکنے لگیں وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

"تم نے تو مجھے بتا دیا تھا مگر میں نے بھی تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا کہ رمضان کے بابرکت مہینے میں یہ سولہ سنگھار کر کے غیر مردوں کے بیچ میں بیٹھنے کی میں تمہیں ہرگز اجازت نہیں دوں گی۔" انہوں نے تسبیح مکمل کر کے آنکھوں سے لگا کر سائیڈ پر رکھی۔

"یہ مواقع روز روز نہیں ملتے بس آپ میرے لئے وظیفہ شروع کر دیں دیکھنا اپنی گاڑی میں تحفوں سے لدی پھندی ہی آج گھر لوٹوں گی

بس اب اپنی قسمت بدلنے والی ہے ہماری تو لاٹری نکل آئے گی، فریج، اے سی ضرورت کا ہر سامان اس خالی گھر میں سج جائے گا۔'' اس نے خوشی سے چہکتے ہوئے ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''سن رہی ہو عاصمہ تم بیٹی کی فضول گوئی۔''

''ارے لعنت ہے ایسی دولت و گاڑی پر، اول تو یہ سب تمہیں ملنے کی نہیں اور اگر مل بھی گئیں تو سوچو کتنے خسارے کا سودا تم آج کرنے جا رہی ہو اتنا قیمتی روزہ بھوک پیاس برداشت کرکے اللہ سے انعام حاصل کرنے کی بجائے اس کا غضب حاصل کرو گی۔''

''اللہ انعام ہی تو دے رہے ہیں اس بابرکت مہینے میں، کتنے ہی گھروں میں ان رمضان شو کی وجہ سے آسودگی آجاتی ہے، لوگوں کے دن بدل جاتے ہیں، بس میں یہ موقع ہرگز ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی، میرے بھی ارمان ہیں، خواہشات ہیں، اس گھر میں سسک سسک کر خواہشیں دفن کرکے آخر کب تک زندگی گزرے گی۔'' وہ تیزی سے بولتی جا رہی تھی عاصمہ نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا مگر وہ ان کی طرف دیکھ ہی کب رہی تھی۔

''اللہ نے یہ انعام گھر میں بیٹھ کر اس کی عبادت کرکے خود دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ عورت نما مردوں سے انعام دلوانے کا وعدہ نہیں لیا۔'' دادی اسے گھورنے لگیں۔

''اگر ان کو لوگوں کا اتنا ہی احساس ہوتا تو چپ چاپ مدد کرنے کے سو طریقے ہیں یوں نمائش کرکے مدد نہیں کی جاتی یہ سب اپنی دکان کو چمکانے کے ڈھنگ ہیں۔''

''آپ کچھ بھی کہیں مجھے جانا ہے۔'' وہ ان کے پاس سے منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خدا کا قہر نازل ہوگا تم پر، ہزاروں کی غیر لوگوں کی نظریں تم پر پڑیں گی، ایسا قیمتی وقت جو اس سے دعائیں مانگ کر اپنی دنیا و آخرت بنانے کا ہوتا ہے وہ تم ان بیہودہ خرافات میں گزارو گی فرشتے دور کھڑے ہوں گے تم سے، ان موئے ڈرامہ باز نوٹنکی مولویوں اور بجی سنوری اپنے ایمان کے ساتھ دوسروں کا بھی ایمان خطرے میں ڈالنے والی عورتوں کا کیا ہے، پتا اس دن چلے گا جس دن رب کے سامنے عدالت لگی ہوگی اور سوائے ندامت و شرمندگی کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا اس دن پچھتاؤوں کی بھٹی میں جلیں گے تاسف سے ہاتھ ملیں گے کہ ہم نے دنیا میں کتنے گھاٹے کا سودا کیا، چند روپوں کے لئے اپنی نسوانیت کا گلا گھونٹا، غیر مردوں کے لئے آنکھیں سینکنے کا سامان بنیں۔'' دادی غصے میں بے تکان بولتی جا رہی تھیں اور وہ انہیں نظر انداز کرتی دروازے کے قریب چلی آئی۔

''تم نے کیوں گونگے کا گڑ کھا رکھا ہے بیٹی کو اتنی آزادی دے دی کہ ہمساؤں کے ساتھ رمضان شو میں اپنی نمائش کرنے جا رہی ہے۔''

''اماں میں نے بہت سمجھایا، پتا تو ہے کتنی ضدی ہے میں نے بھی اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے اجازت دے دی اور زرشہ کی فیملی ہماری دیکھی بھالی ہے اور پھر سب ساتھ میں مل کر جا رہے ہیں تو ڈر کیسا؟'' انہوں نے اپنا کام مکمل کرکے کچن کا رخ کیا۔

''امی میں جا رہی ہوں۔'' زرشہ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اور دادی وہیں ساکت آنکھوں کے ساتھ بیٹھی اس کے سلامتی کے ساتھ گھر آنے کی دعائیں کرتی رہیں، ان کے دل کو وسوسوں اور اندیشوں نے گھیر لیا تھا۔

☆☆☆

موذن نے اذان دی تو سب نے بسم اللہ پڑھ کر کھجور منہ میں رکھی اور پانی کا گلاس لبوں سے لگایا تو ہٹانے کا نام نہ لیا، دادی پانی پی کر نماز کے لئے اٹھ گئیں۔

''اماں کچھ تو کھالیں خالی پانی پی کر اٹھ گئیں۔'' عاصمہ نے فروٹ چاٹ ان کے آگے بڑھائی۔

''جوان جہان لڑکی رات کو گھر سے باہر ہو تو کیا میرے حلق سے نوالہ اترے گا، خدانخواستہ کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو، مرحوم بیٹے کی روح کیسے تڑپے گی، ارے انہی کے دم سے تو اس بڑھیا کے سانس قائم ہیں انہی کے آسرے پر تو جیتی ہوں آج تو اس پری نے مجھے جیتے جی مار ڈالا اور یہ سب تمہاری دی ہوئی آزادی ہے ارے اولاد کی کیا مجال کہ ماں کے حکم کی خلاف ورزی کر جائے۔'' انہوں نے عاصمہ کو لتاڑا تو وہ بھی ندامت اور خدشوں میں گھر گئیں، کہہ تو ٹھیک رہی تھیں بعض اوقات یہ ممتا بہت سے غلط فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، ان کی بھوک بھک سے اڑ گئی وہ بھی دسترخوان سے اٹھ گئیں، جبکہ اویس کھانے کی چیزوں سے ایسے انصاف کر رہا تھا جیسے روزہ دار یہی ہو۔

''امی، دادی جلدی سے کمرے میں آئیں پری باجی شو میں شروع کی سیٹوں پر بیٹھی ہوئی ہیں کیمرہ انہی پر ہے۔'' اویس چلا چلا کر ان دونوں کو آوازیں دے رہا تھا۔

''ارے دس دفعہ لعنت بھیج دے میری طرف سے اس پری باجی اور کیمرہ مین پر۔'' وہ وہیں سے چلائیں، عاصمہ اویس کا دل رکھنے کے لئے اس کے پاس چلی آئیں۔

میزبان کسی مقابلے کے لئے لڑکیوں کو بلا رہا تھا اس کی نظر پری کے حسین چہرے پر پڑی تو اس کو ہاتھ کے اشارے سے سٹیج پر بلوا لیا وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی، کیمرہ مین اسے مکمل فوکس کیے ہوئے تھا معصوم چہرہ ٹی وی کی اسکرین پر انتہائی خوبصورت لگ رہا تھا وہ سب لڑکیوں میں ممتاز و دلکش لگ رہی تھی۔

میزبان ٹائٹ جینز اور ٹی شرٹ پہنے اس کے پاس چلا آیا اپنے کسرتی بازوؤں پہ ناز کرتا آنکھوں میں شرارت اور لبوں پہ دلآویز مسکراہٹ سجائے اس نے مائیک پری کے سامنے کیا۔

''آپ کا نام؟''

''پری۔'' وہ بھی دلکش مسکراہٹ سے بولی تو میزبان جھٹ سے بولا۔

''ارے لوگو ہمارا شو تو وہ شو ہے جس میں پریاں بھی آتی ہیں۔'' اس کی بات پر بے ساختہ تالیاں گونجیں۔

''پری آپ واقعی پری ہیں، معصوم پری، اپسرا، حسن کی دیوی سب نام آج ہم نے آپ کو دے دیئے۔'' پری اپنی اتنی تعریف پر کھلکھلا رہی تھی۔

''آپ کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ ماشاء اللہ ہمارا ملک حسن کی دولت سے مالا مال ہے۔'' وہ مزید توصیفی جملے بولتا آگے کی طرف بڑھ گیا۔

اور پھر خوبصورت ہنسی کا مقابلہ شروع ہوا اور پری کی ہنسی کی جھنکار نے سب پر سحر پھونک دیا اس کی مدھر ہنسی نے میزبان، مہمان، کیمرہ مین سب کو مبہوت کر ڈالا، تالیوں کی گونج نے پری کے حق میں فیصلہ دے دیا مگر پری نے بائیک لینے سے صاف انکار کر دیا۔

''بہزاد بھائی میں آج اپنی دادی سے وعدہ کرکے آئی تھی کہ میں آپ کے شو سے گاڑی لے

کر ہی آؤں گی، مجھے گاڑی چاہیے بہزاد بھائی۔“ وہ اٹھلائی اور بہزاد بھائی تو اس ادا پر فریفتہ ہو گئے۔

”ہائے ایک تو یہ خوبصورت لڑکیاں جب بھائی بولتی ہیں ناں تو بیچ دل کے چار ٹکڑوں کو آٹھ میں بدل دیتی ہیں۔“ میزبان کی اداکاری عروج پر تھی، پری نے کھلکھلا کر پھر مدھر گھنٹیاں بجائیں سب کے کانوں میں رس گھول دیا۔

”چلو آج ہم نے آپ کی خوبصورت ہنسی پر گاڑی قربان کی۔“ اس نے ہاتھ اٹھایا۔

پری کی چیخ نکلی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا، تیز میوزک بجا گاڑی آئی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھا ساتھ ہی پری کا ہاتھ پکڑ کر فرنٹ سیٹ پہ بٹھایا اور گاڑی گھما دی پری کو یوں لگا وہ محو خواب ہے مگر سپنے نے تعبیر پالی تھی، عاصمہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، اویس خوشی سے ناچنے لگا۔

”دادی پری باجی نے گاڑی جیت لی ہے شو میں۔“ وہ خوشی سے دادی سے لپٹ گیا، دادی نے اسے دھکا دیا۔

”نادان لڑکی گاڑی جیت لی اور اپنے رب کی ناراضگی مول لے لی۔“ وہ کڑھتی رہیں۔

☆☆☆

رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے عاصمہ پر گھبراہٹ طاری تھی دادی بستر پر نیم مردہ حالت میں پڑی تھیں، لب مسلسل ورد کر رہے تھے اویس بار بار زرشہ کا نمبر ملا رہا تھا مگر فون مسلسل آف جا رہا تھا۔

”یاالٰہی میری بچی کی جان و عزت کی خیر، اگر میری پری کو کچھ ہو گیا تو تاحیات اپنے آپ کو معاف نہیں کر پاؤں گی، کیوں میرے منہ سے اس کے شو میں جانے کے لئے رضا مندی کے کلمات منہ سے نکلے۔“ وہ اس گھڑی کو کوس رہی تھیں جب انہوں نے اسے جانے کی اجازت دی وہ جلے پیر کی بلی کی طرح دسیوں چکر دروازے تک لگا چکی تھیں گلی میں جھانکتیں اور پھر اندر آ جاتیں، دادی آس بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتیں اور وہ ڈبڈبائی نظروں سے نفی میں سر ہلا دیتیں۔

تقریباً ایک بجے کے قریب گھر کے باہر رکشہ رکا انہوں نے جھٹ دروازہ کھولا پری حواس باختہ، پریشان زرشہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی زرشہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں، ان کا کلیجہ کسی انہونی کے خیال سے دھک سے رہ گیا۔

☆☆☆

چار دن ہو گئے تھے وہ اسی خوف کے زیر اثر تھی آنسو پینے اور بہانے کا اس نے قصد کر رکھا تھا۔

”جو چیز اپنی نہ ہو اس کے کھونے پر غم کیسا، جیسوں کی چیز تھی ویسوں کے پاس چلی گئی اللہ تمہیں ایسے مال سے بچانا چاہتا تھا اس کا کروڑوں بار شکر ادا کرو کہ عزت اور جان بچ گئی سوچو اگر کچھ ہو جاتا تو پچھتاؤں کی بھٹی میں سلگنے کے سوا ہمارے پاس کیا ہوتا تم نے تو کیا کھویا کیا پایا اپنی دوست کو دیکھو کہ لالچ میں اپنے جائز کو بھی گنوا دیا، وہ بھی شکرانے کے نفل پڑھیں کہ گاڑی چھین لی انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچایا ایسا مال ان لیٹروں کو ہی ہضم ہوتا ہے اللہ بچائے ہمیں ایسے مال سے۔“ دادی دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی اسے دلاسہ دینے لگیں نادان تھی غلطی کر بیٹھی یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے آنکھوں میں سپنوں کی بارات اترے تو انہیں حاصل کرنے کی لگن لگ جاتی ہے۔

”دادی مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کا

دل دکھایا آپ کی مرضی کے خلاف گھر سے گئی یہ آپ کی دعائیں تھیں جو ہم سب صحیح سلامت گھر پہنچ گئے۔“

”چلو بس اب یہ آنسو ٹپکانے کا سلسلہ ترک کرو، پہلے ہی گھر خستہ حالت میں ہے تمہارے آنسوؤں کا سیلاب اسے مزید خستہ نہ کر دے۔“ دادی کی بات سن کر وہ مسکرا دی اور اپنے بہتے اشکوں کو ہتھیلیوں سے رگڑا۔

”اٹھو اپنے رب سے معافی مانگ کر اسے راضی کرو۔“ دادی نے اسے گلے لگایا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

بازوؤں تک اس نے مہندی سے ہاتھ سجائے ہوئے تھے، گوری رنگت پر سرخ مہندی مسکرا رہی تھی، وہ اپنے ہاتھوں کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کپڑے پریس کرنے لگی۔

چاند رات تھی وہ صبح عید کی تیاری میں مگن تھی عاصمہ کچن میں پتا نہیں کون کون سے پکوان بنانے میں مصروف تھیں دادی اپنا لان کا نفیس سی کڑھائی والا گلابی سوٹ جو وہ کسی خاص خاص موقع پر نکال کر پہنتی تھیں پہنے عبادت میں مشغول تھیں، وہ گنگناتے ہوئے کپڑے ہینگ کرنے لگی کہ اچانک گھر میں مرد و زن کی ملی جلی آوازیں گونج اٹھیں اس نے کمرے سے جھانکا تو دادی خدیجہ پھپھو اور ان کی فیملی کو لئے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں، وہ اچنبھے سے دیکھنے لگی۔

”ماشاءاللہ چشم بددور میرے فراز کے ٹکر کی ہے، دونوں جہاں سے گزریں گے لوگوں کی نگاہیں پیچھا کیا کریں گی۔“ خدیجہ نے گلے لگا کر اسے پیار کیا، عاصمہ اور دادی مسکرا رہی تھیں اور ساتھ آیا فراز اسے شوخ نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا خدیجہ نے کامدار دوپٹہ اڑھایا فراز نے انگوٹھی پہنائی اور پل میں منگنی کی رسم ادا ہو گئی۔

وہ سب کھا پی خوش گپیاں کر کے گھر کو سدھارے اور وہ دادی کے سر ہو گئی۔

”یہ کیا تھا دادی؟“

”اللہ کی طرف سے انعام، تمہاری عیدی اس بابرکت مہینے میں تمہاری کی گئی عبادتوں کا اجر، خدیجہ نے کب سے مجھ سے بات کر رکھی تھی میں ہی ٹالے جا رہی تھی، آج صبح اس نے صاف کہہ دیا مجھ سے اب اور انتظار نہیں ہوتا میرے فراز کی دلہن پری ہی بنے گی میں نے بھی ہاں کرنے میں دیر نہ لگائی۔“

”پر دادی وہ لوگ تو اتنے امیر ہیں یہ بڑی بڑی گاڑیاں محل جیسا گھر۔“

”میری شہزادی بھی تو محلوں میں رہنے کے لائق ہے، خدیجہ کی ماں تمہارے دادا کی منہ بولی بہن تھیں مگر سگوں سے بڑھ کر پیار تھا اور آج دیکھو اس نے اپنی ماں کی محبت کی وجہ سے ہم سے رشتہ داری قائم کر لی، ارے خاندانی لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، روپے پیسے سے زیادہ خلوص و محبت کو اہمیت دیتے ہیں اسی لئے تو کہتی تھی تمہیں مانگنا ہے تو اپنے اللہ سے مانگو دیکھو تم نے مال کو کس طرح حاصل کرنے کا سوچا اور میرے اللہ نے تمہیں جائز طریقے سے عزت و محبت اور مال سب کچھ دے دیا، لوگوں نے خدا سے توقع و امید کی بجائے ان نوٹنکی بداریوں سے آس لگا لی ہے جو لوگوں کی دنیا و آخرت برباد کرنے کے در پے ہیں۔“ دادی بولتی جا رہی تھیں اور اس کے چہرے پر خوشیوں کے رنگ دمکتے جا رہے تھے اسے اپنے چاروں اور خوشیاں رقص کرتی دکھائی دینے لگیں۔

دادی کے ساتھ وہ بھی شکرانے کے نفل ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور عاصمہ اسے یوں خوش دیکھ کر مطمئن دل کے ساتھ مسکرا دیں۔

☆☆☆

تیسویں قسط کا خلاصہ

ھالار پاکستان واپسی سے پہلے جوزف اور جولین کی ناراضگی ختم کرنے کی کوشش میں کامیاب گیا ہے، فنکار نے امرکلہ کے مجاز اور حقیقت کے درمیان کھڑا سوال حل کیا ہے، واپسی میں تنبیہ کی ہے۔

امرکلہ، علی گوہر کا رشتہ ٹھکرا دیتی ہے، اسے پہلی بار سجدے میں سکون نہیں ملا اور لگا جیسے کوئی روٹھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اس کی عبادت میں یکسوئی نہیں رہی۔

امرت کے لئے فرید، ھالار کا رشتہ لایا ہے، امرت اور ھالار دونوں اپنے احساسات نہیں سمجھ پا رہے اس اچانک رشتہ کے طے ہو جانے پر، امرت نے نکاح کے لئے ایک شرط رکھی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

آخری قسط

اس نے کئی دن گزار دیئے اس بے چینی میں، جب سے گوہر کو انکار کیا تھا تب سے دل روٹھا ہوا تھا، وہ اسے منانے لگی تھی، دل کو منانے، سجدے میں سر رکھ دیا تھا، مگر سجدہ ویسا نہ ہوا، جو دل کا ہوتا تھا، اسے وہ قرار نہ ملا جس قرار نے اس سے سجدہ کروایا تھا۔

دل یک لخت چیخا تھا، وہ بے قرار ہو کر اٹھی تھی، یہ احساس جان نکال دینے کے لیے بہت ہوتا ہے، کہ کسی سے کسی کا محبوب روٹھ جائے، عاشق سے معشوق روٹھے، ساجد سے مسجود، عابد سے معبود، کائنات ساکت تھی، یا پھر اس کا دل، امر کلہ کا دل۔

☆☆☆

انہوں نے اسے ہیڈ کے پاس بھیجا تھا، یہ ایک غیر متوقع سچویشن تھی، وہ ابھی فاصلے پر تھی، کہ اس نے کیمپ کے کھلے دروازے سے اسے دیکھا، وہ علی گوہر تھا، یا پھر اس جیسا دکھتا تھا، وہ آگے بڑھتے ہوئے رک گئی، اسے یقین آگیا یہ یہاں اس کا آخری دن تھا، مگر بات تو کرنی تھی، سامنا تو ہونا تھا اور بازی الٹ جانی تھی سامنا ہوتے ہی، وہ شرمندہ تھی یا اسے شرمندہ کر سکتی تھی، عجیب احساسات سے وہ اندر آئی تھی، اس نے سلام کیا تھا، علی گوہر کی شکل کے آدمی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' لہجہ دھیما تھا۔

اسے سمجھ نہ آئی سلام کے بعد کیا بات کرے اس نے کارکردگی کے ریکارڈ کی فائل اس کے سامنے میز پر رکھ دی تھی۔

اجنبیت کی دیوار کھڑی تھی، دونوں طرف سے ایک تاثر تھا، گوہر، شرمیلا، گھبرانے والا، جھجکنے والا، تھکا ہوا، کمزور سا۔

یہ وہی گوہر تھا، مگر اس سے قدرے مختلف تھا، تھوڑا سا، یا پھر یکسر ہی، وہ علی گوہر کی شکل کا آدمی علی گوہر ہی تھا، امر کلہ کو یقین کرنے میں بہت دیر لگی تھی، اس نے فائل چیک کی، اس پہ کچھ لکھا، خانہ پری کرنے کے بعد سائن کیے اور اگلے ٹارگٹ کی فائل اس کے سامنے کر دی بڑی خاموشی سے اور وہ اسی خاموشی سے فائل دیکھنے کے بعد اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

تو...... ایسے بھی کام ہوتا ہے، بغیر بات کیے خاموشی سے، اجنبیت سے، کاروباری طریقے سے، تو کیا واقعی یہ علی گوہر ہی ہے، اس نے دوبار پیچھے مڑ کر دیکھا تھا، اسے اندازہ تھا کہ اس نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا، اسے دیکھا ہوگا جاتے ہوتے۔

مگر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا، وہ کسی سے بات چیت کرنے میں مصروف تھا وہ جو چوکھٹ پہ بیٹھ جاتا تھا، بیٹھتا تو اٹھ نہیں پاتا، اٹھتا تو رک جاتا اور رکتا تو نگاہیں ایک ہی نکتے پر مرکوز ہوتیں، جہاں وہ کھڑی ہوتی، جہاں سے وہ گزری ہوتی، یا پھر اسے گزرنا ہوتا۔

وہ گزر جاتی، مگر وہ نہ گزرنے پاتا، ٹھہرا تو ٹھہر جاتا، ایک انکار نے اس علی گوہر کو بدل دیا تھا، وہ اسے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ گوہر مر کے پھر زندہ ہوا ہے۔

یہ بھی نہیں کہ پرانا مر گیا ہے، نیا زندہ ہوا ہے یہ بھی نہیں کہ تکلیف کتنی سہہ آیا ہے، یہ تک نہیں کہ اب اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بچا۔

''یہ بھی نہیں کہ ہم اجنبی ہیں، ہم پہلی بار ملے ہیں۔''

''میں آپ کو نہیں جانتا، آپ نے شاید مجھے کہیں دیکھا ہو۔''

''بہرحال میں اس پراجیکٹ میں آپ کا ہیڈ ہوں، آپ کو لیڈ کر رہا ہوں، آپ کی کارکردگی نوٹ کروں گا آپ کو الرٹ رکھوں گا۔''

''آپ نے لمحے لمحے کی رپورٹ مجھے دینی ہوگی، کوئی کوتاہی نہیں چلے گی، کوئی لاپرواہی نہیں، ذرا بھی نہیں، ہر کام وقت پہ ہوگا، مجھے رپورٹ مکمل چاہیے، اچھا کام ہوا تو آپ کو شاباشی ملے گی، سیلری بڑھانے کا چانس ہوگا اور ہو سکتا ہے اس پراجیکٹ کے ختم ہونے کے بعد آپ کی کارکردگی دیکھ کر کمپنی آپ کو پھر سے کسی اور پراجیکٹ کے لیے باہر کر لے، اس لیے آپ جب تک یہاں ہیں مس امر کلہ اپنا کام پورا رکھیں، میں آپ کو آپ کی کارکردگی کے لیے بیسٹ آف لک کہتا ہوں۔'' اس نے ایسا کچھ نہیں کہا، نہ کہنا چاہتا تھا، یہاں تک کہ وہ حیران بھی نہ ہوا۔

یہاں تک کہ اس کے چہرے پہ کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا، جسے وہ بھی جانتا تھا، وہ یہ سب جانتے ہوئے خاموش تھا، اس کے پاس بولنے کے لیے بہت کچھ تھا اور گنجائش ذرا نہ تھی، وہ سپاٹ چہرے والا علی گوہر ایک مشینی دنیا کا آدمی ہو جیسے۔

وہ خود بھی اپنے بارے میں یہی رائے رکھتا تھا اور اسے پتہ تھا وہ بھی، جو اٹھ کر گئی ہے وہ بھی جو کبھی...... وہ آگے سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا، اس نے دل نامی چیز کو اپنے سینے سے نکال دیا تھا، یا پھر بند کر دیا تھا، یا پھر مطلوبہ سسٹم لاک کر دیا تھا، جو ہر وقت الارم بجاتا تھا اسے اب کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، نہ سمجھ آتا۔

وہ فیلنگ لیس آدمی ہو گیا تھا، وہ احساس کسی ردی کی ٹوکری میں پھینک آیا تھا، اس نے خود کو بری طرح ضائع کیا تھا اور اب کیا تھا، کئی خانے خالی تھے، اس خانہ پری کی خواہش نہ تھی، وہ کام سے فری ہو کر گھر آیا تھا، وہ...... علی گوہر وقت پہ پہنچا تھا، ہمیشہ دیر سے گھر آنے والا، اس نے آتے ہی ماں کے ساتھ کھانا کھلایا انہیں دوائی کھلائی، ابا کے پاؤں دبائے وہ سو گئے۔

اماں نے اسے پاس بلا کر پیشانی چومی، ان کی آنکھیں آج بھی گیلی تھیں، آج بھی کوئی شکوہ لبوں پہ آتے آتے رہ گیا، حسرت سے علی گوہر کو تب بھی دیکھا کرتی تھیں اور اب بھی، وہ کہنا چاہتا تھا۔

''آپ نے جیسا چاہا تھا ویسا بن گیا ہوں، کام کرتا ہوں، وقت پہ گھر آتا ہوں، آپ کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں، باتیں کرتا ہوں، جب تک سونے کے لیے لیٹتی نہیں کھڑا رہتا ہوں، پھر وقت پہ جا کر سو جاتا ہوں، صبح وقت پہ اٹھ کر کام پہ جاتا ہوں، مہینے کے مہینے تنخواہ لاتا ہوں، آپ کے ہاتھ پہ رکھتا ہوں، گھر کا خرچہ مناسب چلتا ہے، ابا کی دوائی آجاتی ہے، انہیں اب خود سے کام نہیں کرنا پڑتا، وہ سیٹ رہتے ہیں وقت پہ دوا علاج، آرام، سیر سپاٹا، کچھ آسانی، سب کچھ ٹھیک تو ہے، پھر یہ آنسو کیوں؟ پھر یہ شکوہ کیوں؟ پھر یہ خالی پن کیوں؟ ماں بھی نا کبھی خوش نہیں رہ پاتی۔''

اس کا دل میلا سا ہوا۔

''گوہر! شادی کر لے اب۔''

''کرلوں گا۔'' لہجہ خالی کھوکھا، ماں حیران۔
''لڑکی؟''
''آپ خود پسند کرلیں جو چاہیں۔''
''تم راضی ہو جاؤ گے؟''
وہ کہنا چاہتا تھا شادی اپنے لئے نہیں آپ کی خواہش کے لئے کر رہا ہوں۔
''چلیں یہ بھی پوری ہو، بعد میں نہ احساس رہ جائے کہ ماں کو کسی خواہش کے لئے ترسایا۔''
وہ یہ سن کر مزید فکر مند ہوگئیں۔
''وہ لڑکی کہاں ہے گوہر؟''
''کون؟''
''جس نے انکار کیا تھا؟''
''میں نہیں جانتا۔''
''اسے ڈھونڈو گوہر، میں اس کے پاؤں پڑ جاؤں گی۔''
''اماں!'' ہاتھ تھام لئے ماں کے۔
''آپ کو جو لڑکی ملے، آپ کر دیں، مجھے اب کسی کا انتظار نہیں ہے۔''
''تو خدا سے مایوس ہو گیا گوہر؟''
''خدا سے مایوس نہیں ہوں اماں، اس سے بس مانگنا چھوڑ دیا ہے۔''
''پھر بھی دیکھ وہ دیتا جا رہا ہے۔''
''وہ ایسا کیوں ہے، جب اس سے مانگا جاتا ہے وہ نہیں دیتا، جب مانگا نہیں جاتا، جب چاپ سادھ لی جاتی ہے، وہ دینا شروع کر دیتا ہے، وہ ایسا کیوں ہے؟'' اس کی آنکھیں خشک تھیں، مگر لہجہ گیلا۔
''وہ اپنی ذات میں الگ ہے، اسے یہ نہ کہو وہ ایسا کیوں ہے؟ وہ سب سے اچھا ہے اور وہ اچھا ہے بس یہی سوچ، جو اچھا ہوتا ہے وہ کبھی برا نہیں کرتا۔''
''وہ مجھ سے ناراض ہے، روٹھا ہوا ہے اماں، وہ چاہتا تھا میں اس کے لئے کام کروں، میں نے ایسا نہیں کیا، وہ اب روٹھا ہوا ہے، وہ مجھ سے اب نہیں بات کرتا، وہ مجھے نہیں جگاتا، اسے میری ضرورت نہیں ہے، پر مجھے اس کی بہت ضرورت ہے اماں، اس لئے کہ خدا ہے، میں بندہ ہوں، مجھ سے اس کی بے رخی نہیں برداشت ہوتی، میں اب اسے چاہنا چاہتا ہوں، مگر میرے دل میں کوئی بند تالا ہے، اسے کہو وہ کھول دے۔'' وہ یہ سب نہیں کہہ پایا ماں کو، مگر ماں اس کی خاموشی کو سن رہی تھی، یہاں تک کہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور اس وقت ماں اٹھی، مسلہ بچھایا اور دعا شروع کی، وہ اس سے گوہر مانگ رہی تھی، یعنی کہ اس کا دل اور دل کی خوشی۔

☆☆☆

عدنان اس کی منگنی کا سن کر آیا تھا اور خفا ہونے لگا تھا۔
''اس طرح ہوتی ہیں منگنیاں، بغیر وقت لئے، بغیر سوچے سمجھے، ای کو زیادہ جلدی تھی، زندگی

تمہاری ہے نا کہ ان کی۔''
''میرے پاس کوئی چوائس نہیں ہے۔'' وہ بڑی بے دلی سے جواب دے رہی تھی۔
''تم خوش رہ سکو گی؟''
''اس کا فیصلہ بہت بعد میں ہوتا ہے، کئی لو میرج کپل بعد میں خوش نہیں رہ پاتے اور کئی ارینج میرج کرنے والے کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔''
''تم سمجھتی ہو کہ تم کامیاب زندگی گزار سکتی ہو اس کے ساتھ۔''
''پتہ نہیں عدنان، میں کچھ نہیں جانتی۔''
''زندگی کے ہر اک مسئلے کو سیریس لینے والی لڑکی اپنی زندگی کے سب سے بڑے اور اہم فیصلے میں اس قدر غیر ذمہ دار اور لاپرواہ ہوگی، مجھے اندازہ تک نہ تھا۔''
''کچھ فیصلے رسک ہوتے ہیں عدنان، شادی ہر حالت میں رسک ہوتی ہے، آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلی جا سکتی، اس میں کوئی خرابی نہیں ہے عدنان، وہ ایک اچھا لڑکا ہے، بہت اچھا نہ سہی مگر اچھا ضرور ہے، جانتی ہوں اسے میں اچھی طرح نہ سہی، پر جانتی ضرور ہوں، بظاہر اس میں کوئی ایسا بڑا نقص بھی نہیں ہے۔''
''تم کس قدر مطمئن ہو۔''
''دیکھو خوشی کی حد تک نہیں مگر تھوڑی بہت تو ہوں، اچھا ہے، ٹھیک ہے، مگر مجھے اتنا مضبوط آدمی نہیں لگا وہ، کچھ نہیں ہے اس کے پاس، اس کا ذاتی گھر تک نہیں ہے، عمارتیں بن جاتی ہیں عدنان، دلوں کو جوڑنا اور بنانا مشکل ہوتا ہے۔''
''اگر تمہارا دل سو فیصد مطمئن ہے تو یہ رسک کم مہنگا ہے مگر ایسا نہیں ہے، میں بہت غیر مطمئن ہوں۔''
''تم مل لو اس سے، بات کرلو۔''
''ہاں! ملنا تو پڑے گا ہی، کہا ہے اسے میں نے ابا نے فون کیا ہے اسے آنے کے لئے، ایک بات ہے عدنان، اسے مزید نہ کہنا کہ تم کمزور مرد ہو، یا پھر یہ کہ تمہارے پاس اپنا ایک ذاتی گھر تک نہیں ہے۔'' وہ اس کی تنبیہ پر ہنس پڑا۔
''میری مرضی میں جو بولوں اسے۔'' وہ شرارت سے ہنسا۔
''دیکھو اگر اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو لے کر میں بھی کچھ نہیں جا رہی۔''
''غلط فہمی ہے تمہاری، ہم تمہیں خالی ہاتھ رخصت کر دیں گے کیا؟ پاگل ہو۔''
''تم نے نیا کاروبار شروع کیا ہے عدنان، پہلے ہی مجھے بہت پیسے دے چکے ہو، مزید بالکل بھی کوئی قرض وغیرہ افورڈ نہیں کر سکتے اور نہ ایسا کوئی کام کرو گے۔''
''تم مجھے قائل نہیں کر سکتیں، میں اپنی بہن کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کر سکتا۔''
''تم نے بہت کچھ دیا ہے بہن کو، جو تمہاری بہن کا ہے، مگر اس طرح دے دلا کر تم اس آدمی کی عادتیں بگاڑ دو گے۔''
''کچھ فرق نہیں پڑتا، چمکتے دمکتے فرنیچر، خوبصورت چیزوں سے، چیزیں خود کمانے دو اسے،

اس طرح آدھا بوجھ تو ہم اتار دیں گے اس کے سر سے تو، دیکھو تم نے ٹھیک کہا ہے مگر پھر بھی یہ سب غیر مناسب ہے۔"

"تم دنیا کو ایک سائیڈ پر رکھ دو، صرف ہمارا سوچو ہماری فیملی کا۔"

"تمہارے لئے گھر۔"

"نہ...... نہیں عدنان ہرگز نہیں، اس آدمی کو ہم گھر اور کاروبار خود دے رہے ہیں، باقی کیا بچتا ہے، میں نے کہا یہ سب اس کی ذمہ داری ہے۔"

"تو پھر کیا؟ سونا؟"

"نہیں ہرگز نہیں۔" قطعیت سے سر ہلایا نفی میں۔

"تو پھر کیا؟ گاڑی؟"

"اتنی چمکتی ہوئیں آفرز۔" وہ ہنس پڑی۔

"پتہ ہوتا تو پہلی بار آنے والا رشتہ او کے کر دیتی، مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ، اب تم کہو گی کہ وہ گاڑی میں گھومتا رہے گا سارا سارا دن، گھر نہیں آئے گا۔" وہ ہنسی۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ خریداری کیا کرنی ہے اور کب کرنی ہے؟"

"صرف چار چھ جوڑے، جو میرے پاس موجود ہیں، اب ہر بات میں تمہاری نہیں مانوں گا امرت، کچھ دن میں چلو میرے ساتھ، اسے بھی بلاتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں، بلکہ میں کل جا کر اس کا گھر وغیرہ دیکھ کر آ جاؤں گا، اس کے چہرے پر وہی فکر تھی، جو ایک سگے بھائی کے چہرے پر ہوتی ہے، یہ وہی تھا، جو اس کے کھلونے توڑ دیتا تھا، جو اسے ہر طرح سے ٹیز کرتا تھا، کوئی کسر نہ چھوڑتا اسے دکھ پہنچانے کی، یہ وہی تھا، بھائی نام کا احساس کس قدر طاقت ور ہوتا ہے، عدنان...... لو یو...... میرے بھائی۔"

"لو یو ٹو، امرت میری بہن۔" اس نے اس کے سر پہ چپت رسید کی، امرت کا دل ہلکا پھلکا ہو گیا تھا، ناشتے کے بعد وہ اسے شاپ پر چھوڑنے خود آیا، اسے شاپ بہت پسند آئی تھی۔

"تم بہت محنتی ہو اور بہت ذہین بھی۔"

"محنتی سن کر بہت اچھا لگا تمہارے منہ سے۔"

"تم قابل ہو۔"

"اللہ کرے امرت تمہاری نئی زندگی بہت کامیاب رہے آمین، زندگی تو ایک ہی ہے، موڑ بدلتے رہتے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو، اللہ بہتری کرے گا۔"

"چلتا ہوں، سالار گھر پہنچ جائے گا دوپہر تک، تم ہوتیں گھر پہ تو اچھا تھا۔"

"نہیں...... میری غیر موجودگی زیادہ بہتر ہے فی الحال۔" اس کے جاتے ہی وہ کاؤنٹر کے پاس آ بیٹھی اور لڑکے سے تفصیل لینے لگی۔

☆☆☆

وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ شیرو اس کی زندگی سے نکل جائے اور یہ بھی نہیں کہ وہ شیرو جیسا بن جائے۔

وہ اپنی اہمیت جتلانا بھی نہیں چاہتا تھا، اس کی ضرورت نہ تھی، وہ کسی فرماں بردار بیوی کی طرح اس کا انتظار کرتی تھی اس کے لئے کھانا پکاتی تھی، وقت پر بستر لگا دیتی، صبح سویرے سمیٹ لیتی، سویرے سویرے ناشتہ بناتی، رات کو تازہ روٹی ڈالتی، کپڑے دھو کر استری کر کے رکھتی، عملی طور پر کبھی شکایت کا موقع نہ دیتی، وہ کچھ لاتا تو شکریہ کہہ دیتی، نہ لاتا تو گلہ نہ کرتی، کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتی، وہ بولتا تو سن لیتی، ہاں میں ہاں ملاتی۔

اس کا بھی دل کیا کسی کام سے مرد کی طرح جو بیوی کی چخ چخ سے چڑتا ہو، جس کے آتے ہی بیوی شروع ہو جاتی ہو، وہ اپنی بھابھی کی مثالیں دینے لگا تھا۔

وہ دراصل خود پر اس کا حق چاہتا تھا، جو وہ جتائے احساس دلائے کہ وہ دونوں دلی طور پہ کتنے قریب ہیں، رشتہ کس قدر مضبوط ہے، مگر وہ بھی شکر گزار شوہر تھا، جیسا پکا کر رکھتی کھا لیتا، نمک مرچ تیز یا کم ہو جاتا وہ نہ کہتا، نہ جھڑکتا۔

استری شدہ کپڑوں میں سلوٹیں آ جاتیں، اٹھا کر پہن لیتا، کبھی فرمائش نہ کی کہ میرے لئے آج کچھ خاص بنا دے میرے لئے کچھ خاص ہو۔

آج یہ پکا نا کھانا جلدی کھاؤں گا، ہرگز نہیں، گھر لوٹتا وہ نماز پڑھ رہی ہوتی، چپ کر کے بیٹھ جاتا، اسے بھی نمازوں سے توجہ نہیں ہٹتی، ایک ایک سجدہ لمبا ہوتا، وہ وقت کو انگلیوں کے پوروں پر گنتا، یا پھر آسمان کے ستارے گننے لگتا۔

جب تک وہ فارغ ہو کر آتی، پوری فرماں برداری سے مگر دل کہا تھا، وہ چاہتا اس سے پوچھ لے، نہ جانے کون سی دیوار تھی جو دونوں کے بیچ شروع دن سے کھڑی تھی اور وہ شروع دن سے ایک جیسی زندگی جی رہے تھے، مگر جب اس نے ایک بار شیرو کہہ پکارا تو اس کا دل جیسے کسی نے پکڑ لیا تھا۔

چپ چپ اداس رہنے لگا تھا۔

اسے اب نواز کی چپ کھل رہی تھی، پوچھنا چاہتی تھی۔

"مجھ سے کوئی غلطی......؟" مگر یہ دیوار، جو آہستہ آہستہ پہاڑ بنتی جا رہی تھی۔

"کیا ہر بیوی اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے؟" پوچھنا چاہتا تھا، مگر یہ دیوار۔

البتہ بڑی ہمت کر کے کہہ بیٹھا کسی رات کہ ہر بیوی دنیا کی اچھی بیوی ہوتی ہے اور اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے، اس کا خیال رکھتی ہے، دن بھر اس کے بارے میں سوچتی رہتی ہے اسے کانٹا چبھے پریشان ہو جاتی ہے، اسی رات نواز کو کانٹا چبھا تھا اور وہ پریشان نہ ہوئی تھی، بڑی خاموشی سے پیاز گتھلی بنا کر پیر سے باندھ دی اور کہنے لگی۔

"خود بخود کانٹا نکل آئے گا، درد بھی ختم ہو گا۔" وہ سیدھا لیٹ گیا اور کہنے لگا۔

"تم فکر مت کرو۔" اور وہ شرمندہ ہو گئی یہ سب سن کر۔

کہنا تو بہت کچھ چاہتی تھی، یہ بے بسی اتنی کہ کہہ نہ پائی۔

"دنیا کا ہر شوہر برا ہوتا ہے۔" وہ بولنے لگا، بات کو آگے بڑھانے لگا۔

"بیوی کا خیال نہیں رکھتا، نہ قدر ی کرتا ہے، کولہو کے بیل کی طرح کام لیتا ہے اس سے اور اس نے......" فاطمہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، رو پڑی، وہ حیران رہ گیا۔

"ہر شوہر اچھا ہوتا ہے، تانگہ چلاتا ہے سارا سارا دن، کماتا ہے، گھر لاتا ہے، خیال رکھتا ہے، روٹی کپڑا لاتا ہے، دنیا کا ہر شوہر اچھا ہے۔" آواز میں نمی تھی۔

"مگر دنیا کا ہر شوہر تانگہ نہیں چلاتا۔" وہ مسکرایا، اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھے۔

"ہر کوئی نواز جیسا بد قسمت نہیں ہوتا جو چار پیسے پر بیوی کو خوش رکھنے کی کوشش کرے۔"

ہر کوئی فاطمہ جیسی خوش قسمت نہیں ہوتی، فاطمہ کس لئے خوش قسمت ہوئی بھلا، جب نواز کے ساتھ اس کی قسمت جڑ گئی، اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، اس کے بالوں کو عقیدت سے بوسہ دیا۔

"میرے دل سے ایک پتھر ہٹ گیا، بوجھ چھٹ گیا، پہاڑ سرک گیا، فاطمہ اپنی اپنی سی لگی، میں تجھے خوش رکھوں گا۔"

"میں تیرے ساتھ خوش رہوں گی۔" نمی، بھیگا لہجہ، محبت دل کو ایسے ہی نم کر دیتی ہے۔

نواز ایسا ہے کہ اسے چاہا جائے اور فاطمہ چاہے، فاطمہ ایسی ہے جس کے سارے دکھ سمیٹ لئے جائیں اور وہ نواز حسین سمیٹے۔

اس کا دل جیسے بڑا ہو گیا، کھلا میدان جیسا، جہاں فاطمہ کی محبت نے سکر پھینکا، دلوں کی آمادگی کس قدر خوبصورت ہوتی ہے۔

☆☆☆

وہ عدنان کی چیشی بھگت کر شاپ پر آ گیا تھا، وہ اس وقت امر کلہ سے ہی بات کر رہی تھی، اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا اور کاؤنٹر سے آگے دوسرے پورشن میں چلی گئی تھی، حالار کو کچھ لمحوں کے لئے اپنا آپ بڑا عام سا لگا تھا، جیسے وہ اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہو۔

کتنا ضروری ہو جاتا ہے اس بندے کے لئے اہم ہونا، جس کے ساتھ آپ زندگی گزارنے کے لئے جا رہے ہوتے ہو، وہ پورے بیس منٹ بیٹھا رہا تھا، دل تھوڑا اکڑا ہوا سوچنے لگا کہ اب اٹھ ہی جاؤں اور اٹھا جب وہ برآمد ہوئی۔

"تم جا رہے ہو؟"

"آں...... ہاں...... نہ...... نہیں...... تم مصروف تھیں اس لئے۔"

"سوری تمہیں انتظار کرنا پڑا، کتنا آسان ہوتا ہے یہ کہنا کہ سوری۔"

"اٹس او کے، چھوٹا سا دو لفظوں کا جملہ اتنا پر کھیل کر کہا جاتا ہے۔"

وہ دوبارہ سے بیٹھ گیا، یہ اس شاپ کا دوسرا کاؤنٹر تھا جو قدرے کونے میں بنا ہوا تھا، لڑکا گاہکوں کو ڈیل کر رہا تھا، اس لئے وہ اطمینان سے بیٹھ گئی تھی۔

"عدنان سے ملاقات کیسی رہی؟"

"بہت مشکل۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے اندازہ تھا، تم اس کی باتوں کو دل پر مت لینا۔"

"اس کی باتیں حق پر ہیں، وہ ایک بھائی ہے، جسے کی خدشے ہوتے ہیں۔"

"خیر تم چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ، رہنے کے لئے وہ پرانا کرائے کا گھر کافی ہے یا کوئی اور لے لوں؟"

"اگر وہاں بجلی پانی کا نظام تھوڑا بہتر ہو چکا ہے تو معقول ہے، بس شہر سے ذرا دور ہے۔"

"شہر میں لے لیتے ہیں۔"

"نہیں...... دیکھیں گے، فی الحال ٹھیک ہے، گھر اچھا خاصہ ہوا دار ہے، بس وہ جھاڑیاں کٹوا دینا۔" وہ اس کی بات پر مسکرا دیا تھا۔

"شاپنگ وغیرہ کرنی ہے، تم کب فری ہو گی؟"

"شاپنگ کا کھڑاک پالنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"دیکھو ہم کچھ بھی نیا نہیں بنا رہے حالار، سادگی سے چار دوستوں کی موجودگی میں نکاح ہو گا اور رخصتی بس، اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"بڑا غیر معقول عمل ہے کہ قرضے اٹھا کر جہیز لو اور پھر آدھی عمر ان قرضوں کی نظر ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے، مگر ابا نہیں مانیں گے، ان کی خواہش ہے کہ۔"

"ان کی خواہش کو چھوڑ دو۔"

"کیسے چھوڑ دوں ایک ہی باپ ہے میرا، اس کی بھی خواہش کو چھوڑ دوں۔" اس نے بے ساختہ کہا تھا، وہ چپ ہو گئی تھی۔

"ایک ہی باپ ہے میرا۔" دل میں کھب گیا یہ جملہ۔

"میں بہر حال کسی شاپنگ واپنگ پر نہیں جا رہی، تم اپنے لئے جو کرنا چاہو کر لو، آخر تمہاری پہلی شادی ہے، تم اپنے ارمان نکالو، مجھے تمہیں نہیں روکنا چاہیے۔"

"تمہاری بھی تو پہلی شادی ہے، آئی مین، آئی ہوپ۔" وہ کہتے کہتے رہ گیا کہ آخری بھی۔

"مگر میرے کوئی ارمان نہیں ہیں۔"

"تم اور لڑکیوں سے قدرے مختلف ہو۔"

"تو تم اب بھی سوچ لو۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو، ایسا ہرگز نہیں ہے، تم بہت اچھی ہو، تمہارا مختلف ہونا اچھائی کی علامت ہے۔"

"شکریہ مگر مجھے تعریف سننے کا بھی کوئی زیادہ شوق نہیں ہے، یہ ہے کہ خوشی ہوتی ہے مگر خواہش نہیں، خیر تم مجھے بتاؤ نکاح کی تاریخ تاکہ اس حساب سے میں شاپ کا رہتا ہوا کام دیکھ لوں۔"

"کیا کام رہتا ہے؟"

"کچھ نیا مال آرڈر کرنا ہے، وہ کمپنیوں سے جا کر لینا ہے ایک دو تو خود پہنچا دیتی ہیں، مگر جا کر دیکھنے سے زیادہ تسلی ہوتی ہے، وہ آ کر گودام میں سیو کرنا ہے، یہاں سیٹ کرانا ہے اور کچھ چھوٹی موٹی چیزیں کرنی ہیں۔"

''یہ سب کام میں کر لیتا ہوں، تم فکر نہ کرو۔''
''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے منع کر دیا، ھالار کو ذرا برا لگا تھا، مگر اسے پتہ تھا وہ ایسی ہی ہے، وہ امرت سے شادی کرنے جا رہے ہے اور امرت سیدھی نہیں ہے، مگر سچی بہت ہے سیدھے سے سچا ہونا ذرا زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔
''کہیں جا کر لنچ کر لیں؟''
''شادی کے بعد کر لیں گے، پھر انکار۔''
''گھر چھوڑ دوں تمہیں؟''
''میں چلی جاؤں گی۔''
''آج میں چھوڑ دوں؟''
''ٹھیک ہے، شاپ کا وقت ابھی تھا ویسے...... میں بیٹھ جاتا ہوں انتظار کرنے۔''
''نہیں...... چلتے ہیں۔'' اس نے شاپ کا ایک حصہ بند کر دیا تھا، ایک کھلا تھا، وہ آ کر بیٹھ گئی گاڑی میں۔
''یہ تمہارے لئے لایا تھا میں۔'' اس نے ڈیش بورڈ سے لفافہ اٹھا کر دیا۔
''اب یہ مت کہنا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنے سارے دوستوں کے لئے تحفہ لایا ہوں، یہ خریدتے ہوئے مجھے پتہ ہوتا کہ ہم منگنی کرنے جا رہے ہیں تو اس تحفے کی نوعیت شاید پھر الگ ہوتی۔'' امرت نے خاموشی سے اسے دیکھا۔
''رکھ لوں گی۔'' اس نے آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی روکی۔
آئس کریم آرڈر کی، وہ اسے منع نہیں کر سکی اس بار، مروت بھی کوئی چیز تھی جو کبھی کبھار آڑے آ جاتی تھی۔
''ہم اسی ہفتے نکاح کر لیتے ہیں۔''
''کیا جلدی ہے؟''
''جب کوئی تیاری نہیں نہ کارڈ چھپنے ہیں، نہ بٹنے ہیں، نہ لوگوں کو بلانا ہے، تو پھر دیر کی کیا وجہ بنتی ہے۔''
''ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، عدنان سے اور انکل وقار سے بات کر لو تم۔''
''کر چکا ہوں، ان کی ضد ہے اگلے ہفتے۔''
''تم لوگ آپس میں یہ ڈسکس کر لو۔'' وہ چند منٹ میں آئس کریم ختم کر چکی تھی، ھالار نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی، اس کے دل میں کئی باتیں تھیں، جو وہ کہنا چاہ رہا تھا جو وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔
وہ سوچ رہا تھا کچھ پوچھے، مگر وہ بھی خاموش تھی، یہ کیسی شادی ہونے جا رہی تھی کہ نہ کوئی خدشہ ہے نہ وہم، نہ فکر نہ امیدیں، نہ خوش فہمیاں نہ خوش گمانیاں یہاں تک کہ تیاریاں بھی نہیں، وہ سوچ رہا تھا۔
امرت نے اس کے کملایا ہوا چہرہ دیکھا تھا اور اپنی مسکراہٹ دبالی تھی۔

وہ اسے گھر چھوڑنے دروازے پر رکا، امرت نے جھوٹے منہ ڈنر کی آفر نہ کی، نہ پچھ رکنے کو کہا، اللہ حافظ کہہ کر اندر چلی گئی، یہ تھی امرت، ایک خشک عورت، جس سے وہ شادی کرنے جا رہا تھا، اس نے ہونٹ چبائے بے دلی سے اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔
وہ گھر آئی تھی، عدنان سامنے تھا۔
''ھالار چھوڑ گیا؟''
''ہاں۔''
''چہرے سے تو نہیں لگ رہا تمہارے۔''
''چہرے سے کیا لگنا چاہیے۔'' اسے اس کی بات بے تکی سی لگی تھی۔
''مجھے اس کے ساتھ دلی ہمدردی ہے امرت۔''
''جو کہ کل تمہیں میرے ساتھ تھی۔''
''اصلیت سے ناواقف تھا میں، بڑا معصوم بندہ پھنس گیا۔'' وہ اس کی بات پر مسکرا دی۔
''رشتہ اس نے بھجوایا ہے میں نے نہیں، تھکی ہوئی ہوں۔'' وہ کمرے میں چلی گئی۔
''اس کا کوئی علاج ہے؟'' صنوبر ابھی باہر نکلی تھیں انہیں دیکھ کر وہ بولا تھا۔
''کوئی نہیں۔'' انہوں نے سر جھٹکا تھا۔
''آپ اپنی بلا اس معصوم کے سر تھوپ رہی ہیں، جو سوچ سمجھ کر کئی منٹوں بعد بولتا ہے، ایسا نہ ہو کہ شادی کے بعد وہ ہکلانا شروع کر دے، زبان بندی کا کوئی تعویذ لگتا ہے۔''
''تم کبھی نہیں بدلو گے۔'' وہ ہنستی ہوئیں امرت کے کمرے میں چلی گئیں۔
جو فریش ہونے کے بعد علی گوہر کو کال ملا رہی تھی اور اس کے رشتے ٹھکرانے کا سن کر وہ اپنا رشتہ ہونے کا بتانا ہی بھول گئی تھی، اسے امر کلہ پر بہت غصہ تھا، آج بات ہوئی مگر اس نے مجھے نہیں بتایا۔
علی گوہر بہت ٹوٹا ہوا تھا، بڑا بے دل، مایوس خشک، اسے فکر ہونے لگی تھی، اس نے رات بیچ میں کئی کالز امر کلہ کو کر دیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی ناں کو ہاں میں بدلنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔

☆☆☆

عدنان نے اس کی ایک نہیں سنی اور شاپنگ بیگز کا ڈھیر لگا دیا تھا۔
مختصر سا سامان، کپڑے اور ضرورت کی چیزیں وہ اپنی بیوی کے ساتھ جا کر لے آیا، ایک شاپنگ میں امر کلہ بھی ساتھ تھی، جو امرت کے پاس رہنے آئی تھی، پہلا دن ان کی لڑائی کی وجہ سے دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی، دوسرے دن ناچار امرت نے بات کی دوست تھی، آئی ہوئی تھی اس کے لئے اور ہر چیز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔
وہ کتنا خفا رہ سکتی تھی اس سے، لاھوت اور عمارہ بھی ملنے آئے تھے اور مٹھائی لے کر آئے تھے، عمارہ کے ہاں خوش خبری تھی اور امرت اسے بار بار ٹوک رہی تھی کہ ماں بننے جا رہی ہو اب تو بڑی بن جاؤ، عمارہ کے آنے سے گھر میں رونق ہو گئی تھی، ہر وقت ہلہ گلہ گانا بجانا رہتا تھا، صنوبر بیگم اور

وقار بہت خوش تھے۔

عدنان کی فیملی بھی یہیں تھی، گھر رونق سے سجا ہوا تھا، شادی سے پہلے ہمیشہ دلہن کا گھر سجا ہوا ہوتا ہے اور بعد میں دولہے کا۔

فرید اور نواز، ھالار کو لئے لئے پھر رہے تھے، شاپنگ مال، فرنیچر کی دوکانوں میں، کمرے کو کلر کروایا، پردے بدلوائے، فرنیچر آرڈر کیا۔

فنکار کے اندر جیسے صدیوں بعد زندگی دوڑ گئی تھی اور بڑے عرصے بعد ان کے اندر خواہش نے جنم لیا، جسے زندگی پانا اور بہت سا جینا کہتے ہیں۔

ساتھ وہ خدشے جو زندگی کے ساتھ ہر خوشی اور غمی میں سفر کرتے ہیں، فرشوں کی عمریں بھی بڑھتی ہیں، وہ جوان ہو کر وہم بن جاتے ہیں اور بوڑھے ہونے کے بعد یا یقین بن جاتے ہیں یا پھر مر جاتے ہیں۔

☆☆☆

''وہ بچوں کو قرآن پاک پڑھاتی تھی، اس کا نام مریم تھا وہ بہت عبادت گزار لڑکی تھی۔''

''لوگ کہتے ہیں جس کی زندگی میں کوئی کمی ہوتی ہے وہی عبادت کی طرف راغب اور مائل ہوتا ہے، یا پھر جو ادھورا ہوتا ہے تب ہوتا ہے۔''

''مگر میری خوش نصیبی ہے کہ میرا دل بہت پہلے عبادت کی طرف راغب ہو گیا اور کئی ایسے معاملے ہوئے اس سے پہلے کہ کسی کے ساتھ کوئی چکر چلتا، میں کسی کو دیکھتی، کوئی مجھے دیکھتا، میری شادی ہو گئی۔''

''اب تم یہ مت سوچنا کہ میں اسے برا سمجھتی ہوں۔'' وہ امرکلہ سے مخاطب تھی۔

''دیکھو مجھے شروع سے ڈر لگتا ہے کہ آپ کسی سے محبت کریں اور پھر بچھڑ جائیں اور پھر آدھی عمر روتے رہیں، میں نے اپنی خالہ کو روتے دیکھا، وہ لڑکی ہونے کی بنا پر کہہ نہ پائیں، ضد نہ کر پائیں، یہاں تک کہ اس آدمی کی شادی ہو گئی، ہمارے گھر کا ماحول بڑا سخت تھا، پھر کچھ عرصے بعد ان کے لئے رشتہ آیا، وہ انکار نہ کر پائیں، شادی ہو گی، مگر وہ خوش نہ رہ سکیں، مجھے دیکھ دیکھ کر رحم آتا تھا، میں نے مرد کی محبت سے پناہ مانگی تھی، اگر جائز ہو تو بھی کچھ مناسب، مگر نامحرم مرد کی محبت جان لیوا ہوتی ہے، شکر ہے اللہ نے مجھے بچا لیا اس روگ سے میں اپنے شوہر کے خوش ہوں اور ایک اچھی زندگی گزار رہی ہوں، تمہیں بھی مشورہ دیتی ہوں، اس سے پہلے کہ تمہیں کسی کے ساتھ محبت ہو، تم کسی اچھے مرد کے ساتھ شادی کر لو۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''انسان کو زندگی میں کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، تم بہت اچھی ہو مریم۔''

''تم بھی اچھی ہو، بس تمہارا نام ذرا مشکل ہے، پھر بتاؤ تمہاری اب تک شادی کیوں نہیں ہوئی۔''

''مجھے نہیں پتہ، مجھے شادی دلچسپی نہیں پیدا ہوئی۔''

''شادی دلچسپی نہیں، ضرورت ہوتی ہے۔''

''کہو تو میں رشتہ ڈھونڈوں تمہارے لئے؟''

''نہیں شکریہ۔''

''اچھا..... تمہاری مرضی، اگر ضرورت محسوس ہو تو کہہ دینا۔'' اس کی بات ختم ہو گئی تھی، وہ اٹھ کر چلی گئی۔

کلاس کے بچے اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے، اس نے بچوں کو ڈانٹنا شروع کر دیا تھا یہ ایک این جی او کی طرف سے بنائی گئی کلاس تھی، جو چھوٹے چھوٹے قصبوں میں ایک کیمپ لگا دیتے اور ٹیچر وہیں کی کوئی پڑھی لکھی لڑکی رکھ دیتے تھے۔

سکھی کے گھر کے سامنے ہی یہ کیمپ لگی تھی، انہوں نے مریم اور امرکلہ کو انٹرویو میں پاس کر کے رکھا تھا۔

اب یہ سلسلہ باز اوقات تو لمبا چلتا، وگرنہ قصبے کے لوگوں کے تعاون کے بغیر ٹوٹ جاتا یہاں سے کافی اچھا رزلٹ مل رہا تھا۔

مریم کی کزنز شکیلہ کو شکایت تھی کہ مریم کی جگہ اسے ہونا چاہیے تھا، کیونکہ مریم ضرورت سے زیادہ مذہبی ماحول بنائے رکھتی ہے، بچوں پر سختی کرتی ہے اور زیادہ توجہ اسلامیات کے سبجیکٹ پر رکھتی ہے، اس کے علاوہ اسے یہ بھی شکایت تھی کہ وہ خاصی بیک ورڈ ہے۔

''پسند کی شادی کو برا سمجھتی ہے یہاں تک کہ محبت تو اس کے لئے ایک گناہ کبیرہ ہے، اب بھلا پوچھو کون جان بوجھ کر کرتا ہو گا، آخر یہ خود بخود ہو جاتی ہے تو بندہ کیا کرے اور جس نے بندوں سے محبت نہیں کی، وہ بھلا رب کی محبت کا ذائقہ کیسے چکھے گا۔'' وہ کم علم شکیلہ اتنی گہری بات کر گئی تھی، امرکلہ پہلے دن ہی سبجیکٹ میں اٹک گئی تھی، کسی نے اسلامیات کا کوئی سوال پوچھا تھا۔

دوسرے دن باقاعدگی سے اس نے مریم سے درخواست کی کہ ہم سبجیکٹ بانٹ لیتے ہیں وہ اسلامیات اور دینیات پر بہت کم معلومات رکھتی تھی۔

پھر اگر سوال خدا کے بارے میں آ جاتا تو وہ دنگ رہ جاتی، کیا کہتی کہ میرا تعلق اتنے سفر کے بعد بھی وہیں کھڑا ہے یا پھر اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا، ایک تبدیلی جو اس کی زندگی میں آئی تھی، وہ یہ کہ اس کے احساسات روٹھ گئے تھے، اندر میں نہ بے چینی تھی نہ اطمینان، نہ اضطراب تھا نہ چین۔

عجیب حالت تھی، بے حسوں جیسی زندگی، پھر اسے لگا جیسے جب سے اس نے گوہر کو بے دردی سے انکار کیا تھا، اس کے اندر کی امرکلہ نے اس سے منہ موڑ لیا تھا، نجانے کیوں، حالانکہ وہ شکوہ کناں تھی وہ کہنا چاہتی تھی خدا سے کہ میں نے تو تمہارے لئے رہنا چاہا۔

''میں تو تمہاری تلاش میں نکلی، کسی اور کو منہ نہ لگایا، دیکھا نہیں سوچنا نہیں چاہا اور آج تو ہی مجھ سے اجنبی بن گیا۔''

''وہ سجدے کا سکون کہاں گیا، میں نے تو تمہیں ہر روپ میں مانا ہے گو کہ کلمہ نہیں پڑھا، نہ اقرار کیا، نہ وضو کیا، نہ نام بدلا اور دل بدل گیا۔'' وہ اللہ کو بتا رہی تھی کہ میں نے تیرے لئے گوہر کو چھوڑ دیا اور ادھر گوہر اس بات پہ نادم تھا کہ میں تیری تلاش میں نہ رہا، عجیب سلسلہ تھا، خدا کے تعلق کو سمجھنا کس قدر دشوار تھا کوئی ایسی پہیلی تھی، جو کھل نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

یہ شادی کی پہلی رات تھی، اسے عجیب سا لگ رہا تھا، شاید یہ دولہن کو اپنی شادی کی رات ایسا محسوس ہوتا ہو۔

''تم اتنی نروس کیوں ہو امرت؟'' امرکلہ اس کے زیورات کا باکس لے کر آئی تھی۔

''ظاہری بات ہے، لڑکی ہے نروس تو ہوگی ہی۔'' عمارہ نے اسے چین پہناتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ سب پہننا لازمی ہوتا ہے؟'' امرت نے گھبراہٹ سے دیکھا تھا۔

''بالکل ضروری ہوتا ہے، اس لئے کہ ہر لڑکی پہلی بار دولہن بنتی ہے، تو یہ سب اس کا حق ہوتا ہے۔''

''عمارہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' امرکلہ نے اس کی تائید کی تھی۔

''تم لوگ مجھے پاگل کر دو گے، اتنے زیورات مت پہناؤ میرا دم گھٹتا ہے۔''

''تم پریشان کیوں ہو امرت؟'' امرکلہ کو پتا تھا بات زیورات کی نہیں ہے وہ ویسے ہی گھبرائی ہوئی ہے۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' آواز سہمی سی ہوئی تھی۔

''تم ڈرتی بھی ہو کیا؟'' عمارہ ہنسی۔

''ھالار کو بتاؤں گی۔''

''مذاق مت کرو عمارہ، میں سنجیدہ ہوں۔'' امرت پہ گھبراہٹ تھی۔

''تم ہمیشہ سے سنجیدہ رہی ہو۔'' وہ اسی موڈ میں تھی۔

''اسے زیادہ تنگ نہ کرو عمارہ۔'' وہ اسے سمجھانے لگی، اسی وقت صنوبر اندر آئی تھی۔

''جلدی کرو لڑکیوں، باہر جلدی مچا رہے ہیں بہت۔''

''آپ کی بیٹی شرافت کے ساتھ تیار ہو تو ہم فارغ ہوں۔'' امرکلہ نے مسکرا کر امرت کو دیکھا۔

''یہ ھالار کے ساتھ جا رہی ہے، شرافت کے ساتھ نہیں۔'' عمارہ ہر اک بات کو اپنے طریقے سے لیتی تھی، امرکلہ ہنس دی، مگر امرت ہنس نہ سکی۔

''جلدی تیار کرواسے۔''

''یہ زیور نہیں پہننا چاہ رہی۔'' عمارہ نے شکایت لگائی صنوبر نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے زیور نہیں پہننے امی، یہ کپڑے بھی بہت بھاری ہیں، مجھ سے اٹھائے نہیں جائیں گے۔'' اس کے چہرے پہ جہاں بھر کی مظلومیت تھی۔

''امرت یہ تمہاری شادی کی رات ہے، نوکری کرنے نہیں جا رہی ہو تم، بلکہ نوکری کو بھی سر پہ رکھتی ہو، تو شادی کو شادی کی طرح ہی لو، سوگ نہ بناؤ۔'' ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا، امرکلہ نے بے ساختہ ''خدا نہ کرے'' کہا تھا، انہوں نے ایک نظر ایسے امرکلہ کو دیکھا جیسے سمجھ نہ پائی ہوں کہ ان کی کس بات پر وہ فوراً الرٹ ہوئی ہے، کہنا چاہتی تھی۔

''میں ماں ہوں اس کی، محبت سب پتہ ہے اور وہ کہہ دیتی آپ میری بھی تو ماں ہی لگتی ہیں۔''

''امی...... بات سنیں...... یہ رہنے دیں۔'' وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

''بچی نہ بنو امرت، جلدی تیار ہو جاؤ۔''

''لڑکیوں جلدی کرو بس دس منٹ میں باہر آؤ نکاح کے لئے، مولوی صاحب بیٹھے ہیں انتظار میں۔''

''مولوی صاحب کیوں نکاح کریں گے؟ ھالار بھاگ گیا ہے کیا؟'' صنوبر نے خفگی سے عمارہ کو دیکھا تھا۔

''مولوی صاحب نکاح پڑھوائیں گے۔'' وہ سر جھٹک کر نکل گئیں اور وہ تینوں ہنس دیں، امرت بھی، امرکلہ نے اسے بہت پیار سے دیکھا تھا۔

''تم بہت پیاری لگ رہی ہو امرت، یقین جانو اگر تم سب نہ پہنتی تو بھی تم بہت پیاری ہی لگتیں، مگر یہ سب پہن کر تم اور اچھی لگ رہی ہو۔''

''عمارہ نے بہت اچھی تصویریں کھینچیں ہیں تمہاری میرے پاس انڈرائڈ فون ہوتا تو میں بھی ایسی حرکتیں کرتی۔'' امرت اس کی بات پر ہنس دی۔

''تم میرا اسپیل فون لے لو۔''

''نہیں میں اسے چلا نہیں پاؤں گی، وہ سادہ والا سیٹ بھی تمہارا ہے، تم بس جب اپنے فون کھٹارہ کر دینا تب مجھے دے دیا کرنا۔''

''تم ایسا سمجھتی ہو کہ میں تمہیں بیکار چیز دوں گی۔'' صنوبر نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

''بس اب بہت وقت ضائع ہو گیا ہے۔''

''یہ انہیں کیا جلدی ہے۔''

''میں نے برسوں اس لمحے کا انتظار کیا ہے، مگر امرکلہ میرا دل مٹھی میں جکڑا جا رہا ہے، جیسے جیسے یہ لمحہ قریب آ رہا ہے، دل بے قرار ہوا جا رہا ہے۔''

''تم لوگ جلدی کرو بس، ایسا نہ ہو کہ میں امرت کو روک لوں، میرا دل نہ بند ہو جائے۔'' انہوں نے کونے میں امرکلہ کو یہ کہا تھا جس کے کچھ لفظ امرت نے بھی سنے تھے۔

عمارہ نے اسے دوپٹہ اوڑھایا، پن اپ کیا، اس نے سینڈلز پہنانے کے لئے پاؤں پکڑا تو اس نے چھڑا لیا۔

''پاگل ہو گیا عمارہ میں ہاتھوں سے معذور تھوڑا ہی ہوئی ہوں کہ جوتے تم پہناؤ گی۔'' لے کر پہننے لگی۔

''توبہ ہے، تم اور چپ، کس کھیت کی مولی ہیں۔''

''تم دونوں میرے ساتھ چلو، مجھے بہت فکر ہو رہی ہے، مجھے لاھوت کے ساتھ فجر تک لوٹنا ہے، دراصل اماں کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔''

''امرتم چل رہی ہونا؟'' وہ واقعی دوپٹہ ٹھیک کیا۔

''اپنے آپ کو مرر میں دیکھ لو۔'' امرکلہ نے اسے پیشکش کی۔

''نہیں......دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ بھی عجیب تھی۔

''دیکھو کہیں ہم نے تمہارا حشر نشر نہ کر دیا ہو۔'' اس کی نظر عمارہ کے کہنے پر آئینے کے پاس گئی اور لمحوں میں لوٹ آئی۔

''اچھی لگ رہی ہونا؟'' امرکلہ بہت خوش تھی۔

''عجیب ضرور لگ رہی ہوں، اچھی کا نہیں پتہ مجھے۔'' وہ دونوں اسے باہر لے آئیں۔

رخصتی اگلے دن طے ہوئے تھی مگر ایمر جنسی میں آج ہی رکھی گئی، ہالار کے باپ کی فرمائش تھی، امرت نے سوچا چلو جھنجھٹ سے جان چھوٹی، آج ہی ہو جائے رخصتی بھی، وہ نکاح میں شریک ہوئے تھے، صنوبر بیگم پیچھے کھڑی تھیں، انہیں حیرت سے نکلنے میں کچھ دیر لگی تھی۔

''تو یہ اس کالے پالک بیٹا ہے، تو ہالار کا باپ۔'' وہ کچھ بھی کہہ نہ سکیں۔

''مقدر چپکے کیسے کھیل کھیلتا ہے، آپ کے سامنے آپ کا ماضی لے آتا ہے، آپ کے سامنے آئینہ لے آتا ہے۔''

امرت کی رخصتی ہوگئی، گھر خالی سا ہو گیا، دو گاڑیاں نکلیں، پہلے فنکار اور علی گوہر نکلنے تھے، لاھوت اور عمارہ اپنی گاڑی میں گاؤں کی طرف نکلے تھے دوسری میں ہالار تھا، جو خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، آگے امرت کو بٹھا دیا گیا تھا، پیچھے امرکلہ بیٹھی تھی۔

سکھی فاطمہ اور نواز حسین نے کل آنا تھا، اب وہ ولیمے میں شریک ہونے تھے، اس ایمر جنسی رخصتی کی وجہ سے وہ وقت پر پہنچ نہ پائے اور کئی دوست بھی رہ گئے علی گوہر کی گاڑی دوسرے ٹریک پر مڑ گئی تھی، وہ ایک چھوٹے سے خوبصورت سے گھر کے سامنے رکے تھے، جس گاڑی میں بیٹھ کر آئے تھے، وہ عدنان نے گفٹ کی تھی اور ابھی ابی نے ہالار کو کہا کہ۔

''تمہاری گاڑی ہے، تم خود چلا کر جاؤ۔''

''ہم کہاں ہیں؟'' وہ حیران تھی امرکلہ کے ساتھ اتری۔

''یہ ہمارا نیا گھر ہے، ابا جی نے تحفہ دیا ہے۔''

''اچھا۔'' وہ حیران تھی، وہ تینوں اندر آئے، دروازہ کھولا جو لاک تھا۔

''وہ لوگ کہاں رہ گئے؟''

''وہ اپنے پرانے گھر، ابا وہیں رہنا چاہتے ہیں، مگر میں انہیں لے آؤں گا، آج کے لئے ان کی فرمائش ہے کہ ہم یہاں رہیں۔''

''مجھے نہیں آنا چاہیے تھا، ایسا کرو تم لوگ ٹھہرو، میں ٹیکسی پکڑ لیتی ہوں۔''

''نہیں امرکلہ، ایسا نہیں ہوگا، ہم ابھی اندر جا کر چائے پیتے ہیں کڑک سی، پھر باتیں کریں گے۔''

''اور تم بے شک پھر اپنے کمرے میں چلی جانا، جو ہم نے ابا کے لئے سیٹ کیا ہے۔''

یہ چھوٹا سا خوبصورت سا گھر تھا، چبوترا، چھوٹا سا برآمدہ آگے گرلز لگیں تھیں لکڑی کی اور لاؤنج

کے سٹنگ ایریا میں بھی لکڑی کا کام تھا، ایک بڑی سی وہی پینٹنگ تھی، جو امرت نے تب دیکھی تھی جب وہ پہلی بار فنکار کا انٹرویو کرنے گئی تھی، جس کے گرنے سے مس یاسمین ڈر گئی تھی، اتفاق سے وہ ایسے لگائی گئی تھی جیسے ابھی گرتی ہو۔

''یہ گر جائے گی ہالار۔''

''یہ نہیں گرے گی، ایک دفعہ گری تھی ابا نے اتار کر رکھ دی تھی، اب دوبارہ لگائی ہے، کہنے لگے اب نہیں گرے گی اگر گر گئی تو سمجھنا کہ یہ دیوار پہ لگانے کے لئے نہیں بنائی گئی۔'' وہ لوگ آگے ہی بڑھے تھے کہ چوہے کے رینگ کر ٹکرانے سے ہی وہ گر گئی، امرکلہ نے کانوں پہ ہاتھ رکھے، دھڑام کی آواز سے۔

''دیکھا یہ گر گئی۔'' امرت نے ہالار کو شکایت بھری نظروں سے دیکھا تھا، ہالار نے اسے سیدھا کر کے رکھ دیا۔

''ہائے نئے گھر میں چوہے؟'' امرت کو اعتراض تھا۔

''چوہے کہیں بھی آ سکتے ہیں یار۔''

''چائے کون بنائے گا؟''

''میں بناتی ہوں تم لوگ کمرے میں جاؤ۔'' امرکلہ کچن کی طرف آئی۔

''اور اس کے بعد کوئی نئی باتیں نہیں ہونگی، تم لوگ آرام کرو گے۔'' اس نے تنبیہ کی تھی۔

''چائے آرام خراب کرنے کے لئے بنوا رہے ہیں۔''

''ہم تینوں آج رات باتیں کریں گے، امرکلہ تم بھی۔''

''قطعی نہیں، کوئی باتیں نہیں ہونگی، جا کر سو جاؤ تم لوگ میں نے کوئی چائے نہیں بنانی، میں خود تھک گئی ہوں، جا کر سو جاتی ہوں، تم لوگ اپنے کمرے کی راہ لو۔''

''تم آخر کباب میں ہڈی کیوں نہیں بن جاتیں امر؟'' امرت نے شوخی سے کہا تھا، ہالار ہنس دیا۔

''عمارہ بننے کی کوشش مت کرو۔''

''اسے سمجھاؤ ہالار۔'' امرکلہ نے دونوں کو باری باری گھورا تھا۔

''چلو تم دونوں بیٹھو میں چائے بناتا ہوں۔''

''نہیں پھر میں ہی بناتی ہوں۔'' امرکلہ پھر سے اٹھی۔

''رہنے دو، کوئی چائے نہیں پی رہا۔'' امرت بیٹھ گئی۔

''میں تھک گئی ہوں۔''

''تم آرام کرو، تم نے واقعی اتنے ہیوی کپڑے پہن رکھے ہیں، تھک گئی ہوگی۔'' ہالار کو اس کا احساس ہو رہا تھا۔

''میں جا رہی ہوں اپنے کمرے میں، تم لوگ اب خود ہی ڈسائیڈ کر لو کہ باتیں کرنی ہیں یا چائے پینی ہے۔'' وہ اٹھ کر کمرے تک جانے لگی تا کہ وہ دونوں آرام سے آپس میں بات چیت کریں۔

''رکو امر کلہ ایک کام کرو، یہ زیور وغیرہ اور یہ میک اپ صاف کرنے میں میری مدد کرو پلیز۔''
امر کلہ نے اسے گھور کر دیکھا، پھر ھالار کی طرف جو بے بسی سے کھڑا تھا۔
''میں سوٹ کیس لاتا ہوں گاڑی سے، تم واقعی چینج کرلو۔'' اور امرت اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔
''تم حد کرتی ہو، امرت ابھی رہنے دو، اس نے تمہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔''
''دیکھا ہے، دیکھ لیا ہے، اب اور کیسا دیکھنا۔''
''امرت وہ تمہارا شوہر ہے۔''
''تو میں نے کب انکار کیا۔''
''تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔''
''رکھ لوں گی، فی الحال اسے رکھنے دو۔''
''وہ رکھ رہا ہے، سب سے بڑی بات کہ وہ صبر کر رہا ہے۔''
''اور یہ کم نہیں ہوتا، امرت وہ شروع سے تمہیں چاہتا ہے۔''
''پرانی باتیں مت کرو۔'' اسے بہت کچھ یاد آ جاتا تھا۔
''وہ سب غلطی تھی ہماری، شکلوں سے کچھ نہیں ہوتا۔''
''وہ بیسکلی تم سے مطمئن تھا، تم لوگ خط لکھتے تھے، تم لوگ باتیں کرتے تھے، اسے تمہاری تلاش تھی، میری غلطی بیچ میں آ گئی، ورنہ شروع دن سے سب کچھ ایسا ہی تھا۔'' ھالار دروازے کے بیچ کھڑا مسکرا رہا تھا، اس کی بات سن کر، امر کلہ کی اس طرف پشت تھی، مگر امرت نے دیکھ لیا تھا، اس کی مسکراہٹ دیکھ کر امر کلہ نے مڑنے کے بعد اسے دیکھا تھا، ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔
''کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے؟''
''نہیں سو فیصد درست کہا ہے، مگر اسے یقین بھی تو آئے۔'' اس کا اشارہ امرت کی طرف تھا۔
''تم دلاؤ گے تو آئے گا نا۔'' وہ اٹھی تھی۔
''میں فائنلی چائے بنانے جا رہی ہوں اور اس کے بعد ہم تینوں مل کر باتیں کریں گے، کیا ہوا جو ایک رات میں کباب کی ہڈی کھلاؤں تو، ایسے لوگ دنیا میں بھرے پڑے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ کر چلی گئی کمرے سے۔
ھالار کھلے دروازے کو کھلا چھوڑ کر اس کے پاس آ کر بیٹھا۔
''کیا تمہیں تعریف سننے کا شوق ہے؟''
''نہیں اگر تمہیں کرنے کا شوق نہیں تو مجھے سننے کا نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ ہنس پڑا اس کی بات پر۔
''تم بلاشبہ بہت اچھی ہو اور اچھی لگ رہی ہو۔''
''تم بھی بلاشبہ اچھے ہو اور لگ بھی رہے ہو۔''
''اگر بدلے میں تعریف نہ کی تو مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''ایک مرد بھی تو دل رکھتا ہے، وہ بیچارہ بھی تو تعریف سننا پسند کرتا ہوگا آخر، کیا اسے خواہش نہیں ہوگی کہ اس کی بیوی اس کی تعریف کرے۔'' وہ مسکرایا۔
''تمہیں منہ دکھائی کیسے دوں؟''
''جیسے دیتے ہیں۔'' اس نے کندھے جھٹکے۔
''پہنا دوں؟'' اس نے کیس میں سے کڑے نکالے۔
''یہ بہت خوبصورت ہیں ھالی۔''
''یہ میری اپنی کمائی کے ہیں دیکھو۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے پہنانا شروع کیے۔
''ھالار!''
''ہوں..... بولو؟''
''ابا میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے نا؟'' بڑا غیر متوقع سوال تھا۔
''ہم اسے لے آئیں گے امرت، تم فکر نہ کرو۔''
''وہ مجھ سے بدلا لینا چاہ رہے ہیں۔''
''میں نے سمجھا تھا وہ دروازے پہ کھڑے میرا استقبال کریں گے۔''
''وہ میرے باپ نہ سہی، اگر سر پہ ہاتھ رکھ کر رخصت کرتے وہ تمہارے باپ بن کر ہی کھڑے ہو جاتے، سینے سے لگاتے، تسلی دیتے، پیار اور دعا دیتے، وہ سمجھتے ہیں تم ان سے خفا ہو اور ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتیں۔''
''وہ بچے نہیں ہیں ھالار، میں نے شرط رکھی نکاح میں ان کی موجودگی کی، اس کا صاف مطلب تھا کہ میں ان کی موجودگی چاہتی ہوں۔''
''اس نکاح میں وہ میرے نہیں تمہارے باپ بن کر شامل ہوئے تو ویسے ہی گھر پہ آ جاتے۔''
''امرت کچھ چیزیں ہمارے لیے مشکل ہوتی ہیں کبھی کبھار، وہ بوڑھے ہیں، کمزور ہیں۔''
''مجھے مت بہلاؤ ھالار، میں بچی نہیں ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
''وہ کمزور ہیں، ان کی طبیعت بھی کچھ خراب تھی، میں ان پہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہا تھا، میں چاہ رہا تھا وہ آرام کرلیں، کل ہم انہیں لے آئیں گے۔''
''لڑ کر، یا پھر منا کر، جیسے وہ آنا چاہیں، مگر مجھے آج رات کا دکھ نہیں بھولے گا ھالار، کاش میں اس سوچ کو نکال سکتی کہ میرا بھی اک باپ تھا، اگر تھا تو میں اس کے لیے مر گئی، یا پھر وہ میرے لیے مر گیا۔''
''ایسے نہ کہو۔'' ھالار نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، امر کلہ پیچھے کھڑی تھی چائے لے کر اندر آئی۔
''ان کا خیال تھا کہ تم لوگ اکیلے وقت گزار دو، مگر انہیں کہاں پتہ تھا کہ تم لوگوں کے نصیب میں ایسا نہیں ہے آج کی رات، کم از کم وہ ہوتے تو ہم مل کر تم دونوں کا مذاق ہی اڑا لیتے۔''
''تم اکیلے بھی یہ کام کر سکتی ہو۔'' وہ چائے کا کپ لے کر صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔
''مزہ نہیں آئے گا اکیلے۔'' وہ امرت کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''بسکٹ اور کوکیز تم نے میرے لئے رکھے ہیں۔''
''تمہیں کیسے پتہ یہ مجھے پسند ہیں؟''
''یہ مجھے بھی پسند ہیں اس لئے۔'' وہ دونوں بٹر کوکیز شوق سے کھاتے تھے۔
''امرکلہ اپنے لئے باقر خانی لے آئی تھی، مجھے یہ زیادہ پسند ہے۔'' وہ باتیں کرتے ہوئے تینوں ایک ہی بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے، امرکلہ نے امرت کے زیور باکس میں بھر کر الماری کے لاک اپ میں رکھ دیئے تھے۔
اور اب وہ اس کے لئے کپڑے نکال رہی تھی، سوٹ کیس سے کیونکہ پورا غرارہ بری طرح سمیٹ کر بیٹھی تھی وہ۔
''تم نے جب یہ دوبارہ پہنا تو اس کے موتی تاریں ضرور ادھڑے ہونگے، جیسے تم سمیٹ کر بیٹھی ہوئی ہو۔''
''ھالار یہ ایک ناقدری عورت ہے اور یہ مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے بھلا۔'' اس نے امرت کی طرف آنکھ مار کر کہا۔
''سب کو خوش کرو چالباز انسان۔'' امرت نے اس کے بازو پہ ایک مکا جڑ دیا۔
''شوہر پہ ہاتھ اٹھانا منع ہے۔'' امرکلہ سوٹ کیس بند کر رہی تھی۔
''بیوی پر باتیں کسنا برا ہے۔'' وہ ھالار کو آنکھیں دکھا رہی تھی۔
''بیچارا برا پھنسا۔'' ھالار نے بے بسی سے کہا، وہ اٹھ کر کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی۔
''امرت بہت پیاری لگ رہی ہے، اصولاً تمہیں اس کی زیادہ تعریف کرنی چاہیے تھی۔'' اس کے جانے کے بعد وہ ھالار سے رازداری سے بولی۔
''مجھے لگا اسے ضرورت نہیں ہے۔''
''غلط ہے، تم اس کے ساتھ اسی کی طرح پیش آ رہے ہو، ایک طرح سے اچھا ہے مگر ذرا سیدھا کرو۔''
''تم مجھے جس طرح کے مشورے دے رہی ہو اگر اس نے سن لئے تو برا ہوگا تمہارا بھی میرا بھی۔'' وہ اٹھ کر اپنے لئے شلوار سوٹ نکالنے لگا اور اسی وقت اس کا فون بجا تھا۔
''امر ذرا اٹھانا، میرا کوئی دوست ہوگا اور میرا وقت خراب کرنا چاہ رہا ہوگا، تم دیکھ لو، میں ابا کے کمرے سے چینج کر کے آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر فون دیکھنے لگی، ابا لکھا تھا، اس نے اٹھایا فون مگر آواز گوہر کی تھی، وہ ہیلو کرنے کے بعد بول نہ سکی تھی، وہ بھی پہچان گیا، اسے پتہ تھا وہ ان کے ساتھ گئی ہے۔
''یہ بات صرف ھالار کو پتہ لگے، تم وہاں ہو، امرت کو سنبھالنا، پروفیسر صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے میں اور فرید یہیں ہیں۔''
''کیا ہوا ہے ان کو۔'' اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔
''ھالار کو فون دو پلیز۔''

''وہ دوسرے روم میں چینج کرنے گیا ہے، مجھے بتاؤ۔''
''بس اسے جلدی بھیجو جتنی جلدی ہو سکے۔'' یہ کہہ کر فون رکھ دیا، وہ فون لے کر باہر آئی، ھالار کمرے سے نکل رہا تھا۔
''ھالار فون آیا ہے علی گوہر کا؟''
''خیریت؟''
''پتہ نہیں تم جلدی نکلو، جتنی جلدی ہو سکے میں امرت کے پاس ہونگی۔'' وہ اس سے فون لے کر ڈیل کرتا ہوا کمرے میں آیا دراز سے چابی لے کر پلٹا جب امرت باہر آئی تھی۔
''یہ چابی؟ کہیں جا رہے ہو؟''
''ہاں ایک کام ہے۔'' وہ کمرے سے نکل گیا۔
''کیا کام ہے اس وقت۔'' وہ اس کے پیچھے گئی تھی، اس کے چہرے کے تاثر اسے ٹھیک نہیں لگے تھے۔
''تم رکو امرت ہم یہیں ہیں، وہ آ جائے گا جلدی۔''
''پاگل ہو گیا، ہوا کیا ہے آخر؟''
''ھالار تم مجھے بتائے بغیر نہیں جا سکتے۔'' وہ اس کے پیچھے گئی۔
''ابا کی طبیعت خراب ہے، تم یہیں رکو، میں آ جاؤں گا۔'' وہ گاڑی نکالنے لگا۔
''تم پاگل ہو میں یہیں رکوں، کیوں رکوں۔'' امرکلہ پیچھے آئی۔
''امرت گوہر نے کہا ہے ہم یہیں رہیں۔''
''گوہر کی ایسی کی تیسی ہے۔'' وہ گیٹ سے باہر نکل گئی، گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی اس نے دروازہ کھولا اور بیٹھ گئی۔
''امرکلہ دروازہ لاک کر دو اور آ جاؤ۔'' امرکلہ نے بیرونی دروازے کو کنڈی لگاتی تالا بند کیا اور تیزی سے آ گئی پیچھے بیٹھ گئی۔
''میں نے والٹ لیا کہ نہیں، امرت کوٹ دیکھو۔'' وہ کھنگالنے لگی۔
''موجود ہے۔''
''دیکھو اس میں پیسے ہیں۔'' اس کا چہرہ پسینہ پسینہ تھا۔
''ہاں نظر تو آ رہے ہیں۔''
''اے ٹی ایم ہے؟''
''ہاں وہ بھی ہے، پر ہوا کیا ہے خیریت ہے نا۔''
''دعا کرو خیر ہو۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی، امرت نے نہ سمجھی سے اسے دیکھا۔
''تم نے انہیں اکیلا جانے دیا یہ جان کر بھی کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔''
''امرت چپ کرو وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا ہے۔''
''کمال نہیں کر رہا۔'' اس نے تیزی سے امرکلہ کو ٹوکا، ھالار نے گاڑی کی سپیڈ تیز کی ہوئی تھی اور لگ رہا تھا جیسے دل کی سپیڈ اتنی تیز ہے کہ باہر آ جائے گا۔

''ھالار دھیان سے چلاؤ۔'' امرکلہ کو دونوں کی فکر تھی، امرت نے بے بسی سے دیکھا۔
''آخر ہوا کیا ہے انہیں مجھے بتاتے کیوں نہیں۔''
''فون میں نے ریسو کیا تھا امرت چپ رہو، مزید پریشان مت کرواسے سمجھو تم۔'' امرت کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس نے کھلے ہوئے بالوں کو بینڈ میں جکڑا اور شیشے سے باہر اندھیرے منظروں کو دیکھتے ہوئے اسے لگا کر۔
''سب جگہ اندھیرا ہے۔''
پتہ نہیں کیوں دل کی دھڑکن کی رفتار بے قابو تھی اور ذہن کے خدشے پر زور، وہ جلد از جلد پہنچنا چاہ رہے تھے، گاڑی چرچراتی ہوئی آواز کے ساتھ گیٹ کے اندر رکی سامنے گول برآمدے میں آوازیں تھیں، فرید، علی گوہر، لاھوت، عمارہ سب کھڑے تھے، وہ گاڑی سے اتر کر بھاگتے ہوئے اندر آئے تھے۔

☆☆☆

وہ دوڑ کر اندر آئے تھے، نظارہ جان لیوا تھا، علی گوہران کے سرہانے یسین شریف پڑھ رہا تھا، فرید پیروں کی طرف کھڑا تھا، ڈاکٹر نے نبض تھام رکھی تھی تشویش سے، عمارہ اور لاھوت ہکا بکا کھڑے تھے، وہ سب کو ہٹاتے آگے آئی۔
''یہ سب کیا ہے؟'' عمارہ نے اسے تھامنا چاہا۔
''دعا کرو امرت، آسانی ہو جائے۔''
ھالار جیسے ڈھے گیا تھا۔
''ہاسپٹل چلیں۔'' مری مری سی آواز، یقین نے تو یقین دہانی کرا دی تھی، اسے لگا جیسے دل بند ہو جائے گا۔
''ہٹو پرے، ھالار نکلو چلو ہاسپٹل، سب چپ کیوں کھڑے ہو؟''
ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا۔
''یہ بیٹی ہے؟'' فرید سے پوچھا، اس نے ہاں میں سر ہلایا۔
''شاید اسی کا انتظار تھا، بیٹی دعا کرو، تمہارے باپ کی آسانی ہو۔'' گوہر کی تلاوت میں تیزی آئی تھی، فرید کچھ ہاتھ کی انگلیوں پہ پڑھ رہا تھا، ھالار ان کے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا، پیر بے جان تھے، اس کا دل جیسے بند ہو گیا، ڈاکٹر نے دل کی دھڑکن پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔
''دعا کرو آسانی ہو۔''
''نہیں ہے یہ سب نہیں ہو سکتا، ہٹو لے چلو انہیں ہاسپٹل، فرید تم چلو۔'' وہ بے بسی سے سب کو جھنجھوڑ رہی تھی۔
''ھالار چلو، ھالار ہمارے ابا کو لے چلو۔''
''امرت آسانی کی دعا کرو۔'' امرکلہ نے اسے کہا تھا۔
''دور ہٹو...... ایسا نہیں ہو سکتا، ابا نہیں مر سکتے، میرے ابا نہیں مر سکتے، ابا اٹھیں...... آپ مجھے بیٹھی کہے بغیر نہیں مر سکتے، ابا اٹھیں، قمیض۔'' وہ ان کے کالر جھنجھوڑنے لگی، سینہ جہاں دل بے دم

ہونے کو تھا، چہرہ جہاں سکوت تھا، گہری خاموشی۔
''ابا اٹھیں مجھ سے بات کریں، آپ نے مجھے رخصت نہیں کیا، آپ نے مجھے ویلکم نہیں کیا، آپ نے مجھے بیٹی نہیں کہا، آپ میرے ساتھ رہے بغیر نہیں مر سکتے۔'' وہ چلا رہی تھی، عمارہ نے اسے ہٹانے کی کوشش کی تھی، گوہر نے اسے روک دیا تھا اشارے سے، ڈاکٹر بھی کشمکش میں کھڑا تھا۔
''کچھ محسوس ہوا۔'' وہ دل کی دھڑکن پر جھک گیا، نبض چیک کی۔
''ابا اٹھیں...... ابا اٹھیں...... امرت آئی ہے امرت سے بات کریں، ابا اٹھیں۔'' بازو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا، دوسری طرف پاؤں تھامے بیٹھا ھالار تھا، جیسے جان محسوس ہوئی، امرت کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔
''یا اللہ مجھے میرا باپ دے، یا اللہ مجھے میرا باپ چاہیے، میں ساری عمر ترسی ہوں، مجھے ابا لوٹا دیں۔'' حرارت سی محسوس ہوئی تھی۔
ان کی آنکھیں...... پلکیں...... ڈاکٹر نے پیشانی پہ ہاتھ رکھا سینے پہ امرت نے سر رکھا ہوا تھا، ہچکیاں لے کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔
''اللہ مجھے ابا دو، میں تجھ سے مانگ رہی ہوں۔'' ان کی غیر متوقع جسم میں ہلکی سی حرکت ہوئی تھی، آنکھیں کھلی تھیں، سب چوکنا ہو گئے، ڈاکٹر حیران، ھالار اٹھا، سامنے آ گیا، ابا کہہ کر لپٹنے لگا، امرت نے سر اٹھایا سینے سے۔
''دیکھا ابے کی آنکھیں کھلی ہیں، ان کے ہونٹ ہلے۔'' امرت کے سر پہ انہوں نے بوسہ دیا تھا، زبان کو حرکت نہیں دے پا رہے تھے۔
''ابا...... ابا...... میرے ابا...... میں امرت...... میں...... آپ کی بیٹی...... ابا اٹھیں...... ابا اٹھیں...... ابا بات کریں۔'' ڈاکٹر بے بسی سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا، سچویشن سمجھ سے باہر تھی، زندگی کی امید دھی لاھوت نے ٹھنڈا سانس لیا تھا، عمارہ، امرکلہ سائیڈ میں کھڑی تھیں، امرت روئے جا رہی تھی، ان کو مجبور کر رہی تھی۔
''امر...... ت۔'' ہونٹ ہلے۔
''دھی...... بیٹی...... امر...... رت...... اماں۔'' بیٹی کو فخر سے ماں کہا جاتا تھا، ھالار پہ نظر گئی، پیار بھری، وہ رو پڑا۔
''ابا اٹھ...... بھی جا...... میرے یار...... ایسا نہ کر۔''
''اللہ۔'' سانسوں میں پھر سے ارتعاش پیدا ہوا، گوہر پہ نظر گئی، عمارہ، امرکلہ، لاھوت، ڈاکٹر، ھالار، امرت...... اور امرت پہ رک گئی۔
''اللہ...... دعا۔''
امرت نے پھر سے سینے پہ سر رکھا۔
''ابا اٹھ جائیں، ابا بات کریں...... بولیں...... کوشش کریں۔'' ان کا سانس جیسے اکھڑنے لگا تھا۔

''اللہ۔'' ڈاکٹر سب کو ہٹا کر آگے بڑھا، حالار کو ہٹایا، گوہر نے حالار کو اشارہ کیا، اللہ کا کلام پھر سے پڑھنا شروع ہو گیا۔

''اللہ...... الّا اللہ۔'' وہ زیر لب بول سکے، گوہر اور فرید نے اللہ کا ذکر کرنا شروع کر دیا، ہجوم کو چیرتا ہوا نواز حسین آیا تھا، چہرہ پسینہ پسینہ، جیسے خبر ملی ہو، ذکر کی گونج تھی، امرت اب بھی رو رہی تھی۔

''اللہ۔'' وہ اشارہ کر گئے کہ ذکر کرو اور امرت کے کانوں میں۔

''اللہ کے پاس...... جانے دو۔'' ایک جملہ مکمل جملہ۔

''مجھے اللہ کے پاس جانے دو۔'' امرت نے بے یقینی سے ان کی آنکھوں میں دیکھا جو ترسی ہوئی تھیں، پتھرا گئیں جیسے، ڈاکٹر نے نبض چیک کی، جیسے مطمئن ہوا، ذکر گونج رہا تھا، نواز، فرید، گوہر، ذکر کی ہو تھی، ان کے چہرے پہ سکون تھا، ڈاکٹر نے ان کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا، امرت کی چیخ جان لیوا تھی، امر کلہ اور عمارہ آگے بڑھیں، حالار نے اسے تھام لیا، وہ سنبھل نہیں رہی تھی۔

''امرت...... ادھر آؤ۔'' وہ رو رہا تھا۔

''انہیں جانے دو، اپنے دوستوں کے پاس جانے دو۔'' آخری جملہ اس نے بھی سنا تھا۔

''اللہ کے پاس جانے دو۔'' وہ امرت کو کونے میں لے آیا ساتھ لگا کر اور وہ پھوٹ پھوٹ کر ایسے رو رہی تھی جیسے پہاڑ ڈھے جاتا ہے، جیسے سانس رک جاتا ہے اور دل مر جاتا ہے، شور تھا، بہت شور تھا، حالار نے اسے بھینچ رکھا تھا، وہ تڑپ رہی تھی، عمارہ اور امر کلہ ذکر میں شامل تھیں، ڈاکٹر کو فرید دروازے تک چھوڑ آیا، ان کے چہرے پر سکون تھا، ان کے چہرے پہ قرار تھا اور ذکر ایک لمحہ بھی نہ رکا تھا، کہیں جدائی تھی اور کہیں وصال تھا، کوئی بندہ اپنے رب کے پاس جا رہا تھا۔

کوئی خادم اپنے آقا کے پاس
کوئی عاشق اپنے معشوق کے پاس
کوئی محب اپنے محبوب کے پاس
کوئی طالب تھا مطلوب کے پاس
کوئی ساجد تھا مسجود کے پاس
کوئی ایاز تھا محمود کے پاس

☆☆☆

''میرا باپ مٹی میں ہے حالار، تم اسے مٹی میں چھوڑ آئے۔'' وہ ایسے خالی تھی، لہجہ خالی تھا، دل خالی تھا، جیسے پاس کچھ نہ رہا ہو۔

علی گوہر، فرید، نواز حسین، چند لوگوں کے ساتھ باہر قرآن خوانی کروا رہے تھے، قرآن پاک کے بعد ذکر کا پروگرام تھا، وہ کچھ خواتین کے ساتھ اندر تھی جب حالار نے اسے پیغام بھیجا تھا باہر آنے کے لئے۔

گوہر برآمدے سے گزر کر کونے والے ستون پر، جہاں ویرانی رہتی تھی، جنگل کا سراغ ملتا تھا، تنہائی ملتی تھی، جہاں وہ اور پروفیسر بیٹھا کرتے تھے۔

''مٹی کے اندر بہت بڑی دنیا ہوتی ہے امرت۔'' اس نے امرت کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

''ہر کسی کو اپنی منزل کے لئے لوٹنا ہوتا ہے۔''

''میرے دل میں ان کے ساتھ رہنے کی خواہش تھی۔''

''مجھے پتہ تھا، وہ مجھ سے خفا گئے ہیں، میں انہیں دیکھ کر ان کے پاس نہیں آئی تھی۔'' اسے وہ سارے سین یاد تھے، سارے منظر، سارے وقت، لمحے پل۔

''میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی، میں انہیں بتانا چاہتی تھی کہ میں ان کے فیصلوں سے بہت خوش ہوئی ہوں، میں انہیں بتانا چاہتی تھی۔''

''انہیں سب پتہ تھا، وہ یہ سب جانتے تھے، غلطیاں تو میں نے بھی کی ہیں، مگر شکر ہے کہ میں لوٹ آیا اس سے پہلے کہ ان کے مرنے کی خبر پہ آتا، میں لوٹ آیا، ان کے ساتھ رہا، معافی مانگی، ہم سیر کے لئے گئے، انہوں نے میری شادی کی تیاری کی، انہوں نے تمہاری شادی کی تیاری کی، تمہارے لئے گھر لیا، وہ گھر تمہارے نام ہے امرت، زمین کا بقیہ حصہ بھی وہ میرے لئے اپنا کچھ بچایا ہوا چھوڑ گئے ہیں، وہ سب کو سب کا حق دے گئے ہیں، بہتر ہے کہ ہم بھی انہیں ان کا حق دے دیں۔'' کہتے ہوئے اس نے اسے قریب کر لیا، اسے پتہ تھا وہ رو رہی ہے، خاموش آنسوؤں سے۔

''ان کا یہ حق ہے کہ ہم انہیں معاف کر دیں، اس سب کے لئے جن چیزوں میں ان سے ہماری حق تلفی ہوئی ہے ان کے لئے جتنے شکوے رہتے ہیں، وہ مٹا دیں، ان کو صدق دل سے معاف کر دیں، کیونکہ وہ ہمیں معاف کر گئے ہیں۔''

''امرت دنیا کا ہر انسان اپنے محبوب سے ملنے کا تمنائی ہوتا ہے، انہوں نے شادی سے ایک دن پہلے مجھے کہا تھا کہ میں اپنے محبوب سے ملنا چاہتا ہوں، مجھے معاف کر دینا تاکہ میں اپنے ساتھ کوئی بوجھ نہ لے کر جاؤں، آخری دنوں میں وہ دنیا کی سب سے عظیم ہستی کو یاد کرتے رہے تھے، وہ ہستی جس کے لئے اس کائنات کی تخلیق کی گئی، وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پیار کر بیٹھے تھے، وہ اللہ کے محبوب کو دل دے بیٹھے تھے، دن رات کہتے تھے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا دیوانہ ہوں، ان کے اندر کی طلب اور تڑپ بڑھ رہی تھی، کچھ ظاہر ہونے کو تھا، وہ سوتے تو ہو کی آواز ترنم کے ساتھ گونجتی، وہ کنٹرول نہیں کر پاتے تھے، وہ کہتے تھے میں اب چھپا نہیں سکتا، مجھے چھپا لو، اللہ مجھے چھپا لیں، وہ تھک بھی چکے تھے۔''

امرت کے رونے میں کمی آ گئی تھی، اس کا دل خالی ہو گیا تھا اور آنکھیں بھی اس طرح خالی ہو رہی تھیں۔

''تم ان سب کو ان سب کی چیزیں دے دینا آج شام تک، یہ لوگ چلے جائیں گے۔''

''ابا کے کبپ بعد ڈ، کبٹ میں سب کے لئے خطوط ہیں، ایک گوہر کے لئے، ایک امر کلہ کے لئے، ایک عمارہ اور لاھوت کے لئے، ایک میرے اور ایک تمہارے لئے، نواز حسین سے انہوں نے ملاقات کر لی تھی اسے اس کی چٹ دے دی تھی، اس نے مجھے بتایا تھا، کہ اس چٹ میں وہ تاریخ درج ہے، ان کے جانے کی، دو دن پہلے کی تاریخ، جو بے خیالی میں لکھی گئی شاید۔''

''چلو...... ہم سب کو اپنے ہاتھوں سے کھانا پیش کریں، وہ خوش ہوں گے، امرت وہ زندہ رہیں

گے، ہمارے دلوں میں۔'' وہ اس کے ویران چہرے پہ اک نگاہ ڈال کر بولا تھا، وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی، اسے لگا لفظ بھی خالی ہیں۔

''میں نے آپ کو معاف کیا، آپ بھی مجھے معاف کر دیں۔''

☆☆☆

اس رات صنوبر بیگم جب اس کا سامان سمیٹ رہی تھی، عدنان ملنے آیا تھا، وہ باہر جا رہا تھا، اپنی فیملی کے ساتھ اور اس کا فیصلہ تھا کہ وہ کچھ مہینوں میں اپنے باپ اور صنوبر بیگم کو بھی بلا لے گا۔

ھالار انہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہ رہا تھا، مگر عدنان بضد تھا، وہ لوگ تب تک دونوں کو اپنے نئے گھر میں ساتھ لے آئے تھے، اس نے سب کو اپنے اپنے تحفے دے دیئے تھے اور بڑے دنوں بعد پورے چالیس دن بعد وہ اپنے حصے کی چٹ کو کھولنے کی ہمت کر بیٹھی۔

عمارہ اور لاھوت کو آبائی گھر اور زمینوں کی ہدایت تھی، وہ لاھوت کو بگ دے گئے تھے، اسے وڈیرہ بنا گئے تھے اور وہ سارے رولز جو انہوں نے فالو کیے، انہیں اپنانے کی تاکید تھی، کچھ زمینوں کے کھاتوں کی تفصیلات تھیں، کچھ پرانی چیزیں تھیں جن کا بٹوارہ باقی تھا۔

عمارہ کے لئے بہت پیار دیا تھا، نواز اور فرید کو انہوں نے اسکول سنبھالنے اور چلانے کی تاکید کی تھی، وہ اس کے لئے کچھ رقم چھوڑ گئے تھے، ھالار کو انہوں نے لکھا تھا۔

''میرے یار میں تم سے دور ہو کر بھی تم سے دور نہیں ہو سکتا، ہمارے دلوں کے رشتے قائم رہیں گے اور ایک دن ہم اپنے اپنے مقام میں روحوں کے رشتوں میں ملیں گے، تم یہاں اچھے سے رہنا، امرت کو رونے نہ دینا، اس کا خیال رکھنا اور اپنا بھی۔'' اور کئی باتیں جو ان کی چھوٹی چھوٹی فکروں احساسوں محبتوں کو بیان کر کے ظاہر کر رہی تھیں۔

''میں اس کا شوہر ہوں مگر وہ کچھ باتیں میرے ساتھ نہیں کر پاتی شاید میں نہیں سمجھ پاتا۔''

وہ ھالار سے مل کر اندر آیا تھا، وہ مزار کے سامنے کھڑی تھی، ان ساری بزرگ ہستیوں میں ایک مزار کا اضافہ ہو چکا تھا اور وہ مزار اس کے باپ کا تھا۔

عبدالحادی عرف فنکار، پروفیسر حادی، مٹی کے اندر گہری نیند سویا ہوا تھا، اس کی آنکھیں سفید پانیوں سے بھری ہوئی تھیں، گوہر چوکھٹ سے باہر تھا وہ جب دعا پڑھ کر باہر آئی، اس کی آنکھیں اب بھی نم تھیں، وہ صحن میں کھڑا تھا۔

''تم اندر کیوں نہیں آئے؟''

''اندر اس خاندان کی شہزادی کھڑی تھیں، ان کی اجازت کے بغیر میں کیسے آتا۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''ھالار انتظار کر رہا ہے گاڑی میں مگر مجھے تمہارے کچھ سوالوں کا جواب دینا ہے اور وہ مجھے ابھی چاہیے، ہم مسجد کے صحن کے بیرونی دروازے سے باہر بات کریں گے۔'' وہ اس سے کچھ آگے نکل آیا۔

امرت چادر سے خود کو اچھی طرح ڈھانپے ہوئے دروازے کے باہر آئی تو گاڑی کھڑی تھی، ھالار نہیں تھا، وہ گاڑی میں بیٹھ گئی، علی گوہر سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔

''بولو۔'' اس نے دروازہ کھولا پچھلی سیٹ کا۔

''پچھلے دنوں تمہاری طبیعت خراب ہوئی تھی؟''

''ہاں اور وہ جانتے ہو کہ کس لئے ہوئی۔''

''تم ھالار کو بتا دو کہ تمہیں امانت ملی ہے۔''

''نہیں...... وہ ڈر جاتا ہے، امانت ایک روحانیت ہوتی ہے اسے جذب کرنے میں مجھے وقت لگے گا، جذب کرنے کے بعد نہیں دکھے گی۔''

''گوہر اس دنیا میں کئی ہزار لوگ ایسے ہیں، جن کے اندر کی روحانی کشش بڑھ جاتی ہے، یہ طاقت اصل میں وہ طاقت ہوتی ہے جو اللہ کی محبت سے پیدا ہوتی ہے، ہم سمجھتے ہیں ہم وظیفوں سے چلوں سے، سب جیت لیں گے اور ہم سب جیت بھی لیتے ہیں، کوئی شادی کے لئے، کوئی ملکیت کے لئے، کوئی صحت تو کوئی زندگی کے لئے جیتا ہے اور چاہتا ہے، یہ سب نہ تو ناجائز ہے نہ برا ہے، بس اس کی انتہا بری ہے، مگر ایک وہ طاقت ہوتی ہے جو جینز میں فارورڈ ہوتی ہے وہ سادات یا صوفیاء کے حصے میں ضرور آتی ہے، یہ طاقت صرف اور صرف خدا کی تلاش کی لگن ہے جو امرکلہ میں ہے، جو تم میں ہے، مجھ میں ہے، سب میں ہے، ہم کچھ غیبی چیزوں سے گھبراتے ہیں اور تجسس کھاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، اگر کچھ بھی غیر ارادی طور پہ ہو جاتا ہے تو وہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ قدرت رکھتا ہے اور وہ جو چاہے وہ کر دے، ایک نارمل زندگی میں بھونچال آ جائے، گاڑی سڑک پر رینگتی ہوئی کسی سے ٹکرا دے، زندگیاں جو عرصہ جیتی ہیں، وہ لمحوں میں مسمار ہو جائیں، ساری ان ہیلینڈ، یا پھر حیران کن قوتیں، اللہ کی طاقت کی نشاندہی کرتی ہیں اور ہم نے سمجھنے میں غلطی کر دی ہے، ہم بیچارے صوفیوں کو پیٹتے رہتے ہیں، جبکہ وہ تو خود بے قصور ہوتے ہیں اب اگر ریاضت عبادت یا پھر محبت اسے انسان کے اندر طاقت آگئی تو کیا ہوا آخر۔''

''ھالار سمجھتا ہے میں بدل جاؤں گی، میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر باتیں کرتی ہوں، میں پاگل اور نفسیاتی ہوتی جا رہی ہوں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، میرے اندر کا حزن و ملال مجھے مجبور کرتا ہے، میں طاقتور نہیں، بیچاری ہوں، کیونکہ مجھ پہ اپنی بے بسی کھل گئی ہے اور وہ سمجھتا ہے اب میں کوئی تعویذ لکھنے شروع کر دوں گی اور گدی سنبھال لوں گی اور پیرنی کہلاؤں گی، آج سے پہلے جو میں سوچتی تھی وہ اب وہ سوچتا ہے، اسے سوچنے دو، مجھے عقل آ گئی ہے، اسے بھی آ جائے گی۔''

''وہ تمہارے لئے فکر مند ہے۔''

''مجھے پتہ ہے۔''

''تم چھوڑو، مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے تمہارے اور امرکلہ کے درمیان کوئی بات چیت ہوئی ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے لمبی سانس لی۔

''ہاں...... ہوئی ہے، میں حضرت اویس کرنیؒ کے مزار پر تھا جب وہ آئی تھی، اس نے مجھ سے معافی مانگی، مجھے بہت دکھ ہوا، میں کہاں چاہتا ہوں وہ معافی مانگے، گڑگڑائے۔''

''تمہیں دکھ نہیں تکلیف ہوئی؟''

''ہاں ایک ہی بات ہے۔''

''تم نے اسے معاف کیا؟''

''اسی وقت کر دیا تھا جب اس کا انکار مجھے پہنچا تھا۔''

''تو پھر اس سے بدلا کیوں لے رہے ہو تم؟''

''کس چیز کا بدلا؟''

''تم اس کے ساتھ جو کر رہے ہو، بات نہ کرنا، ملنا نہیں، اجنبیت سے پیش آنا۔''

''وہ سب زیادتی میں خود اپنے ساتھ کرتا ہوں۔''

''اسے بتاؤ اس سے زیادہ مجھے تکلیف ہوتی ہے خود اپنے رویئے کی۔''

''سزا مت دو علی گوہر، سزائیں دینا ہمارا کام نہیں ہے، سزاؤں سے پناہ مانگا کرو، اسے جو معاف کیا ہے تو خود کو بھی معاف ہی کر دو۔'' وہ اس کی طرف بے بسی سے دیکھنے لگا۔

''اس نے مجھے یہ ٹیکسٹ لکھا تھا، حالانکہ امانت میں خیانت بری بات ہے، مگر میرے خیال سے درحقیقت یہ تمہاری امانت ہے۔'' امرت نے فون اس کے سامنے کیا۔

''امرت! میں علی گوہر کو مار دیا ہے، اسے میں نے انکار کر دیا ہے۔''

دوسرا ٹیکسٹ تھا۔

''مجھ پتہ ہے اس کے دل میں خود اس کا مدفن ہے، اسے کہو ایک مدفن اور بنا دے، اس میں امرکلہ کو دفن کرنا ہے۔'' ریپلائی میں امرت نے لکھا تھا۔

''فکر نہ کرو وہ مدفن بھی وہ ہی بنائے گا، تمہارے کہنے سے پہلے ہی اس نے ایسا کر لیا ہوگا اور اگر وہ اس حد تک اجنبیت برت رہا ہے تو سمجھو وہ تمہیں دفن کر چکا ہے ہاں مگر خود اپنے اندر۔''

یہ کچھ عرصہ پہلے کے ٹیکسٹ تھے اور اب کے ٹیکسٹ اس نے کھولے تھے۔

''میں چاہتی ہوں اب کی بار میں رشتہ بھیجوں اور وہ انکار کر دے، بدلہ لے لے، مجھے سکون ہوگا۔''

''اچھا خیال ہے ہمت کرو، رشتہ بھیج دو۔'' امرت نے مشورہ دیا تھا۔

''اگر وہ مجھے کہہ دے کہ میں تم سے بدلہ لینا چاہوں گا وہ کچھ نہیں کہے گا تم سے۔''

''وہ ایسا کیوں ہے؟''

''اس لئے کہ تم ایسی ہو اور وہ ایسا ہے نہیں ہو گیا ہے۔''

''گوہر بدل گیا ہے امرت، اسے میری جستجو نہیں رہی۔''

''پھر تو تمہیں خوش ہونا چاہیے امرکلہ کہ جان چھوٹی۔''

''ہاں...... اب میں کسی کو سنایا کروں گی کہ ایک تھا شہزادہ، جو کسی لڑکی سے محبت کرتا تھا، پھر ایک دن اسے بھلا بیٹھا۔'' علی گوہر سے اس سے آگے پڑھا نہ گیا تھا۔

''اس نے تمہیں اس لئے انکار کیا کہ وہ تمہیں اعلیٰ سمجھتی ہے، نیک سمجھتی ہے، حالانکہ وہ خود نیک ہے پارسا ہے اور اسے بچا لو علی گوہر، وہ رشتہ بھیجے گی، اسے انکار مت کرنا۔''

''جب کوئی چاہنے والا یا چاہے جانے والا برا کرے تو...... تو اس سے بدلہ مت لو، محبت کو بدلے کی بھینٹ مت چڑھاؤ، اسے ابھی تک یہ شک ہے کہ تم نے اسے معاف نہیں کیا، اس کے شک کو یقین میں بدلنے سے پہلے مٹا دو اور یہ مت سوچو کہ تم اسے خوش رکھ سکو گے یا نہیں، یہ تمہارا کام نہیں ہے علی گوہر، خوش اللہ رکھتا ہے دعا کرو اللہ اسے تمہارے ساتھ خوش رکھے، بہت زیادہ نہیں تو مطمئن تو ضرور رکھے، دعاؤں سے ایک دنیا چلتی ہے، دوسری عمل سے۔'' اس کی بات مکمل تھی، اس نے ھالار کو میسج کیا تھا کہ آ جاؤ۔

وہ اس کا شوہر، اس کا دوست، ایک معصوم سا فرشتہ صفت انسان، اسے کب کب نہ اس پر پیار آیا، کبھی معصومیت، کبھی خواہش، کبھی تکرار، کبھی رعایت، کبھی دوستی، کبھی محبت، وہ اس کے اندر کا ھالار دریافت کر چکی تھی جس سے وہ خود بھی کبھی نا آشنا تھا اور اب اجنبیت چھٹ چکی تھی۔

☆☆☆

''امرکلہ خدا جنگلوں اور بیابانوں میں نہیں رہتا، نہ ہی وہ تمہیں کبھی مقبروں اور مزاروں میں ملے گا، وہ تمہیں دلوں میں ملے گا، وہ انسانوں کے دلوں میں رہتا ہے، اگر تمہارا دل زندہ ہو تو وہ تمہیں ہر جگہ مل سکتا ہے۔''

''دیکھو بہت مزاروں کے اندر اللہ والے رہتے ہیں، وہ تمہاری بات سنیں گے، دیکھیں گے، تمہاری مرضی آگے ڈلیں گے پیش کریں گے، آگے اللہ بادشاہ خوب جانے، مگر یہ سن لو کہ خدا ایسا نہیں ہے جیسا تم اسے سمجھتی ہو، تم سمجھتی ہو وہ یہ چاہتا ہے کہ انسانوں سے محبت نہ کرو، ایک بار میں نے تمہیں بتایا تھا کہ انسان کی محبت پہلی سیڑھی ہے اور اس کے بغیر تم آخری تک نہیں جا سکتے۔''

''مگر اس کے بعد بھی امرکلہ یہ سن لو، چاہے تو لکھ لو اپنے دل پر، کہ انسان کی محبت ختم نہیں ہو

جاتی، یہ کنورٹ ہو جاتی ہے، یہ مدغم ہو جاتی ہے، جیسے قطرہ سمندر میں جا کر اپنی شناخت کھو دیتا ہے، مگر وہ مرتا نہیں وہ بس سمندر کا حصہ بن جاتا ہے اور اسی سمندر میں کئی قطرے ایک دوسرے کی پہچان رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر لہر بن جاتے ہیں، طاقت بن جاتے ہیں۔''

''بھٹائی کا فلسفہ تم نے پڑھا ہوگا، انہوں نے صدیوں پہلے بتا دیا کہ جزو ایک دن کل کے اندر سما جاتا ہے اور کل بن جاتا ہے، جزو قطرہ ہے، کل سمندر ہے، جزو ذرہ ہے، کل بحر ہے، جزو بندہ ہے، کل خدا ہے اور اس کے بعد ہماری عقل کے آگے ایک پردہ ہے، وہ ایک چاہ اور تمنا کا پہلا قطرہ ہے، جو کوئی چکھ لے تو اس کی زبان کبھی ذائقہ نہیں بھول سکتی اور وہ ذائقہ، خدا کی محبت کی مٹھاس ہے۔''

اسے یاد تھا کسی نے کہا تھا۔

''انسانوں کی محبت خدا کی محبت کے چھوٹے چھوٹے روپ ہوتی ہے اور وہ سب مل کر ایک بڑی محبت بن جاتی ہے، محبت جس کے بعد بندہ تو مر جاتا ہے، مگر دل کبھی نہیں مرتا۔'' علی گوہر نے امرکلہ کے کان میں یہ پہلی بات کہی تھی اور یہی آخری تھی۔

وہ اس جہاں کی بات کر رہا تھا، جو ان کے اندر تھا، جو تب تک نظر نہیں آتا، جب تک اسے دریافت نہ کیا جائے، اس کے لئے سفر شرط ہے اور یہ سفر محبت کے احساس سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد ابساس بن جاتا ہے۔

چار سال بعد:۔

ہر انسان اپنی ذات کے اندر سفر کرتا ہے، ٹوٹتا ہے، جڑتا ہے، پھر ٹوٹ جاتا ہے اور پھر ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ وہ جڑ جاتا ہے۔

''تم کل عمارہ کے بیٹے کو کیا کہانی سنا رہے تھے کہ وہ پریشان تھا، ماموں نے دکھ بھری کہانی سنائی ہے۔''

''اس نے یہ کہا؟ وہ بہت تیز ہے امرکلہ۔''

''وہ آج کا بچہ ہے علی گوہر۔''

''میں نے اسے کہانی سنائی تھی کہ ایک تھا علی گوہر شہزادہ اور ایک تھی شہزادی امرکلہ۔''

''کوئی اور مناسب کہانی نہیں ملی تمہیں، بچوں کو بگاڑنے کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑنا۔'' وہ خفا ہوگئی۔

''جب میرے اپنے بچے ہوں گے تو......'' وہ کہتے کہتے رہ گیا۔

''وہ بھی تمہاری کہانیوں کے عتاب سے باز نہ آسکیں گے۔'' وہ گھر کا سارا کام سمیٹ چکی تھی اور اب بیڈ روم سے ہو کر ایک چھوٹے سے کمرے میں جا رہی تھی، جہاں وہ مراقبہ کرتی تھی اور یہ اس کے لئے اشارہ تھا کہ تم کام پر جا سکتے ہو، اس نے خط اٹھا کر دیکھا جو ماں نے لکھا تھا، اس کی پوسٹنگ دوسرے شہر میں تھی، وہ ہر ہفتے آٹھ گھنٹے کا سفر کاٹ کر مل آیا کرتا تھا، اس کے باوجود بھی وہ اسے خط لکھا کرتیں، وہ روز فون پہ بات کرتا تھا، سونے سے پہلے، اٹھنے کے بعد، امرکلہ سوچتی تھی کہ خط میں لکھنے کے لئے باقی کیا رہ جاتا ہوگا، مگر اسے نہیں پتہ تھا ان میں ایسی باتیں ہوتی تھیں جو

نہ وہ فون پہ کہہ سکتی تھیں، نہ سامنے، وہ باتیں وہ خط میں کہہ دیا کرتی تھیں۔

''تمہارے بچوں کے لئے یہ، تمہارے بچوں کے لئے وہ، تمہارے بچے ایسے، تمہارے بچے ویسے ہونگے۔'' اسے اندازہ تھا ان کی حسرتوں کا، وہ امرکلہ کے سامنے نہیں کہتی تھی کہ اسے محسوس نہ ہو۔

اسے اندازہ تھا کہ اب ان کا صبر جواب دے رہا ہے، اس نے کئی بار سمجھایا کہ میرے نصیب میں اولاد ہوگی تو مل ہی جائے گی، مگر وہ ماں تھیں، اس کے بعد بوڑھی ہوتی جا رہی تھیں، جیسے جیسے وہ بوڑھی ہو رہی تھیں، ان کی خواہشیں اتنی ہی مضبوط ہوتی جا رہی تھیں، خواہشیں چیخنے لگی تھی۔

اس نے خط اپنی تجوری کے لاک اپ میں رکھ دیا اس سے پہلے کہ وہ امرکلہ کی نظر سے اتفاقیہ گزرتا اور وہ مایوس ہو جاتی، اسے پتہ تھا وہ مراقبہ میں دعا کرے گی، روز کرتی ہے، وہ دفتر کے لئے نکلتے ہوئے آج کا پروگرام ترتیب دے رہا تھا اور آج پھر دیر سے آنے سے امرکلہ نے شکایتوں کے فون کھڑکا دینے تھے، اسے بس یہ فکر ہوتی تھی کہ امرکلہ کھانے پر انتظار نہ کرے، وہ بھوک کی کچی تھی، خصوصاً جب سے اسے السٹرئی کی تکلیف ہوئی تھی۔

نکلتے ہوئے اس نے چٹ پہ لکھ دیا تھا کہ دیر ہو جائے گی تو کھانا کھا لینا اور اسے اندازہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں چوروں کی طرح گیٹ پھلانگ کر آئے گا، اس لئے کل سونے سے پہلے اس نے مصنوعی فکرمندی سے کہا تھا کہ گوہر دیواروں پہ شیشہ لگوا دو، کبھی بھی چور گھر کی دیوار پھلانگ کر آ سکتے ہیں اور جواب اس نے گھورا تھا اور وہ ہنس دی۔

''مجھے نقصان پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہ جانے دینا۔'' وہ گھر کے سامان کی لسٹ اسے تھما کر چلا گیا۔

''صبح تم ہمیشہ کم پیسے دیتے ہو اور سامان خریدتے ہوئے کوئی ایک دو چیز رہ جاتی ہے۔''

اس نے جیب سے اے ٹی ایم کارڈ نکال کر میز پہ رکھا تھا اور اسے پتہ تھا کہ اکاؤنٹ میں پیسے کم ہونگے تبھی سخاوت کر گیا ہے، وہ مسکرا کر چٹ اور اے ٹی ایم اٹھا کر دروازے تک اس کے پیچھے گئی۔

''مسٹر علی گوہر! یہ سنبھالیں چٹ اور یہ کارڈ، یہ زحمت خود کر لیجئے گا۔'' وہ منہ بنا کر چٹ اور کارڈ جیب میں ڈال کر نکل گیا تھا اور آج اسے بھٹائی سائیں کے پاس حاضری دینی تھی، جہاں وہ دردر پھر کر گیا تھا، جہاں جا کر اسے سکون ملتا تھا اور جہاں اسے لگتا ماں اپنی گود میں سمیٹ لیتی ہے، ساری فکریں کھو جاتی ہیں، اثر کھونے لگتی ہیں، چاہے غم روزگار، چاہے طلب اولاد۔

''اللہ سے آپ کو سب چاہیے ہوتا ہے، وہ آپ کو دے بھی دیتا ہے اور بدلے میں آپ سے کیا مانگتا ہے، صرف اپنی چاہ، اپنی محبت، باقی ساری خطائیں اس محبت کے بل بوتے پر بخشی جاتی ہیں۔''

وہی جو آخری بار گوہر نے اس کے کان میں کہا تھا، وہی جو پہلی اور آخری بات تھی، وہی پیغام جو نسلوں نے نسلوں تک منتقل کرنا تھا، وہ سفر جو احساس سے شروع ہو کر اساس پر ٹھہر جاتا تھا، جو ان کے اندر کا جہاں تھا۔

☆☆☆

محبت وفا نہیں ادھوری

تمثیلہ زاہد

اس سفر میں

''اک جہاں اور ہے'' اور ان سب قارئین کے نام جو اکتیس ماہ میرے ساتھ رہے، میری اس تحریر کو سراہا پسند کیا، ان اکتیس ماہ کے دوران مجھے جہاں قارئین سے اس ناول کے لئے بے پناہ پسندیدگی اور محبت اور چاہت ملی وہیں تنقید بھی ملی، جس نے میری تحریر کو مزید نکھارا اس تحریر کے متعلق بہت سے سوال قارئین کے ذہنوں میں مچلتے رہے اور وہ مجھ سے پوچھتے بھی رہے ہیں ان سب کے سوالوں کا جواب میری ان چند سطروں میں ہے۔

یہ کہانی تھی امر کلہ کی، جو گھر سے غربت اور بیماری سے بیزار آ کر خودکشی کرنے نکلتی ہے اور اسے قسمت کے لکھے سے ''ایک تھا'' علی گوہر آ ٹکراتا ہے اور اس کے بعد اس کہانی کا ہر کردار شروع سے لے کر آخر تک سفر کرتا ہے۔

اس کہانی کا ہر کردار فنکار سے لے کر امرت تک، امرت سے لے کر امر کلہ تک اور امر کلہ سے لے کر علی گوہر تک میں ہوں، آپ ہیں، ہم سب ہیں۔

اپنے اپنے سفر پہ نکلے ہیں، ان سب کی منزل ایک ہے وہی جو ہم سب کی ہے، یعنی ایک خدا کی شناس اور خودی کی شناسی، یعنی خدا کی موجودگی کا وہ احساس جو اس کی دی گئی محبت سے شروع ہوتا ہے اور تب تک چلتا ہے، جب تک ہم اس سفر کے لئے چلنا نہیں شروع کر دیتے، اس سفر میں، میں کہاں تک پہنچی اور آپ کہاں تک چلے اس کا فیصلہ نہ میں کر سکتی ہوں نہ آپ البتہ ہم اسے محسوس کر سکتے ہیں، اس ایک لگن کو جو بندے کی محبت سے شروع ہوتی ہے اور محبت کی معراج کا رستہ دکھاتی ہے، اس سے آگے کیا ہے، اس کے پیچھے کیا تھا۔

یہ سب سمجھنے کا کھیل ہے، مجھ سے جو میرے دل نے لکھوایا میرے اندر کے سوالوں نے مجھے بے چین کیا اور جب سوال اٹھا، تو پھر جواب کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا یہ سفر اکتیس مہینوں پر مشتمل تھا اور اس سفر میں شروع دن سے مجھے جو پیار جو احساس جو اپنائیت اور توجہ حنا اور حنا والوں سے ملی ہے یقین جانیے اس سب کا شکریہ ادا کرنا لفظوں میں ناممکن ہے۔

میری ان سب کے لئے دعا ہے، ساری بہنوں کے لئے وہ سب سوال جو آپ کے اندر سے اٹھتے ہیں اور آپ کو اس جہاں کی سیر کراتے ہیں جو آپ کے اندر سے بیدار ہوتا ہے اور آپ کے باہر سے تعلق رکھتا ہے، آپ دونوں جہانوں میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں کر سکتے یہ آپ کی غلطی ہوگی۔

آپ کے دونوں جہاں زندہ رہتے ہیں، اس کے ساتھ جب آپ ظاہر میں سفر کرتے ہیں، اس کے بعد بھی جب آپ ظاہر سے مٹ جاتے ہیں، ہر دور کی مگر اپنی ذمہ داریاں ہیں، آپ بندوں کی محبت اور احساس سے بیگانہ ہو کر گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائیں تو بھی فرائض ادھورے رہتے ہیں۔

آپ ظاہر کی طلب میں روح کی کشمکش کو بھلا دیں تو بھی یہ آپ کو چین سے جینے نہیں دیتی، مگر ان سب کا پل، سب کا رستہ، سب کا ظاہر باطن ایک ہے اور وہ احساس ہے جو خدا نے ہمیں تحفہ دیا ہے وہ ہے اس کا دیا گیا پیار، جو ہمیں اور آپ کو نصیب ہوا اور اس کی قدر ہمارا مقدر بن جائے تو کیا ہی بات ہے مجھے اور ان سب کو اپنی دعاؤں میں نہ بھولیے گا، کیونکہ یہ سب میں ہوں، کیونکہ یہ سب آپ ہیں۔

والسلام آپ کی
سدرۃ المنتہیٰ

رات سیاہ اور گہری ہو چکی تھی، وہ بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی، نگاہیں گہرے نیلے آسمان کو دیکھنے لگیں، آسمان صاف اور ستارے روشن چمکدار نظر آ رہے تھے، آہستہ آہستہ چلتے قدموں نے مانوس درخت کا سایہ پا کر اپنے قدم روک لئے، وہ دم بخود ناریل کے اس اونچے درخت کو دیکھنے لگی، آس پاس جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں، ان سوکھی جھاڑیوں میں کانٹے دار پودے بھی شامل تھے، جو بے ترتیبی سے جا بجا پھیلے ہوئے تھے، رات کی سیاہی کا وجود ان جھاڑیوں پر بھی پڑا تھا، نظروں کو کچھ سوجھا ہی نہیں کہ یہ جھاڑیاں ہری ہیں یا سوکھی، اس نے اپنے ہاتھوں کو بڑھا کر ان جھاڑیوں کو چھو کر محسوس کرنے کی کوشش کی، اس کوشش میں چند کانٹے ہاتھوں کی پوروں کو زخمی کر گئے۔

”آہ...... سی......“ سسک کر اس نے اپنے ہاتھ پرے کیے تھے، انگلی کی پوریں سرخ لہو کے چند قطروں سے بھر گئے، ہاتھوں کو اپنے گود میں رکھے وہ سسکتی وہیں بیٹھ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی، روتے روتے اسے احساس ہوا کہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے وہ گردن موڑ کر اپنی پچھلی جانب دیکھنے لگی۔

”میاں جی...... آپ۔“ آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کرتی وہ شرمندگی سے اٹھتے ہوئے ادب سے بولی، وہ سر سے ڈھلکا دوپٹہ پھر سے اپنے سر پر جما چکی تھی۔

”سوکھی چٹختی زمین پر بارش کی بوچھاڑ زمین کو ہی فائدہ دیتی ہے، دیکھنا اس بوچھاڑ سے یہ زمین پھر سے مہک جائے گی، ہری ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے اچھا پھل بھی دینے لگے، ہو جانے دو یہ بارش بیٹا، اب ہو جانے دو۔“ وہی مٹھاس بھرا لہجہ اور ناصحانہ انداز تھا۔

وہ سر جھکائے میاں جی کے نرم ہاتھوں کا لمس اپنے سر پر سائباں کی طرح محسوس کر رہی تھی، نہ جانے وہ اسے کیا سمجھانا چاہ رہے تھے، بھیگی بھیگی آنکھوں نے سفید لباس میں ملبوس میاں جی کو پلٹتے دیکھا تھا۔

وہ کیا کہتی کہ پچھلے آٹھ سالوں سے اس کے اعصاب مستقل کھنچے تھے، ان کانٹوں سے انگلیوں کا زخمی ہونا تو ایک بہانہ تھا، اس کے تنے ہوئے اعصاب شاید اس ایک بہانے کی تلاش میں تھے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

”وہ کیا کہے گی میاں جی سے۔“ خاموش لب سے دماغ نے سوال کیا۔

☆☆☆

”کبھی آنسو طاقت ور ہتھیار کا کام کرتے ہیں تو کبھی اپنی بے بسی کا اظہار، اگر یہ آنسو اپنی بے بسی کا اظہار کر دیں گے نہ بیٹا، تو بارش برسانے والی آنکھ کو خود شرمندہ کر دیتے ہیں، بہنے والی آنکھیں کبھی کبھار بے اختیار ہو جاتی ہیں، بلاوجہ جی بہنے لگتی ہیں، لیکن کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ آنسو بہہ جائیں تو ساری ذہنی اور اعصابی تھکن اور کلفتوں کو دھو دھلا کر پھر سے مضبوط بنا دیتی ہیں، آنسوؤں سے شرمندہ بھی نہیں ہونا چاہیے، خاموشی سے یہ سیلاب بہہ جائے اچھا ہے، دل کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے، دماغ کو سکون ملتا ہے، زندگی کی تگ و دو میں نئے سرے سے خود کو تیار کرنے کا حوصلہ آ جاتا ہے۔“

وہ صبح صبح لان کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر افسردہ سی آسمان کو دیکھ رہی تھی کہ میاں جی اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گئے اور اپنے دھیمے اور مخصوص مسکان سے بہت کچھ سمجھا چکے تھے، وہ سر ہلاتی ان کا میٹھا لہجہ سن رہی تھی اور خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، وہ اپنی شفیق مسکراہٹ کے

ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے اپنی حسب معمول صبح کی واک پر روانہ ہو گئے، وہ بہت غور سے میاں جی کی پشت دیکھ رہی تھی، اسی کی دہائی پار کرنے کے باوجود میاں جی تندرست اور اپنا ہر کام خود کرنے کے عادی تھے، وہ بچپن سے ہی انہیں جس روٹین میں بندھا دیکھ رہی تھی وہ آج بھی اسی روٹین پر کاربند تھے، خود اس کی اپنی زندگی میں شامل ڈسپلن میاں جی کی مرہون منت تھا۔

وہ پانچ سال کی تھی جب پاپا اور ممی ہوائی حادثے میں جاں بحق ہو کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئے تھے، دادا، دادی کینیڈین شہریت رکھتے تھے اور پاپا ان کی اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود وہ پاکستان آ نہیں سکے، فون پر کبھی کبھار وہ اس کی خیریت دریافت کرنے کی زحمت کر لیتے تھے، اسے ان سے قلبی لگاؤ تھا بھی نہیں، اسے ان کا پیار محض ایک دکھاوا اور فارمیلٹی ہی لگا، جسے وہ سال میں دو سے چار بار پورا کر لیا کرتے، میاں جی اس کے نانا تھے، وہ تنہا ہوتے ہوئے بھی میاں جی کے ہمراہ کبھی تنہا نہیں رہی، ماموں اور مامی بھی میاں جی کے ساتھ ہی رہتے تھے ماموں کی ایک ہی بیٹی تھی زرین، زرین شروع سے ہی امریکہ اپنی خالہ کے پاس تھی، مامی اس کی ایجوکیشن پاکستان میں نہیں کرنا چاہتی تھی، چار برس کی عمر سے ہی وہ اسے امریکہ بھیج چکی تھیں، وہ اپنی خالہ کے بیٹے سے بچپن سے منسوب بھی تھی، امریکہ کے آزاد ماحول میں پلی بڑھی زرین اب پاکستان آنا بھی نہیں چاہتی تھی، خود مامی، ماموں کا امریکہ آنا جانا لگا رہتا تھا، مامی چونکہ امریکہ ہی میں پیدا ہوئیں پلی بڑھیں ان کا میکہ وہیں تھا آنے جانے کا کوئی مسئلہ نہ تھا، ماموں مامی کی محبت اسے کبھی میسر نہ ہوئی، وہ خود پسند خاتون تھیں، پرائی اولاد پر اپنی محبت نچھاور کرنا ان کی فطرت کا حصہ نہ تھا، ترس اور ہمدردی کے جذبات سے عاری ماموں اور مامی کے سرد رویے وہ بچپن سے ہی دیکھتی آ رہی تھی، اس تلخ حقیقت کو زیادہ میاں جی نے محسوس ہونے ہی نہ دیا، وہ اس کی پرورش ایک شفیق باپ کی طرح کر رہے تھے، ماموں، مامی سے اس کا سامنا کم ہی رہتا، خود میاں جی اس بات کا خاص خیال رکھتے، اس کا دن بھر کا ٹائم ٹیبل بندھا تھا، وہ اسکول وین سے جب گھر پہنچتی تو میاں جی اور وہ ساتھ لنچ کر کے سو جاتے شام کو وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر ہوم ورک کرتی، کچھ دیر آؤٹنگ پر چلے جاتے اور رات کو آٹھ بجے کھانا کھا کر سو جاتے اور دن کا آغاز پھر فجر کی نماز کے بعد پھر سے شروع ہو جاتا، اس کی محبت صرف اور صرف میاں جی تھے اور اس کی پالتو بلی ”ایلس“ اور اب۔

☆☆☆

”واہ...... بریانی...... بہت مزے دار خوشبو آ رہی ہے۔“ وہ بوا کو پھرتی سے کام کرتے دیکھ کر ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

”بے بی آج کالج نہیں جانا؟“ ٹماٹر کے قتلے کاٹتے ہوئے بوا نے پوچھا۔

”اف بوا پلیز آپ مجھے اب بے بی نہ کہا کریں میں کوئی بچی تھوڑی ہوں اب بڑی ہو گئی ہوں اور اب کالج نہیں یونیورسٹی جاتی ہوں آج کلاس لیٹ ہو گی۔“ وہ فرنچ ٹوسٹ کا سلائس منہ میں رکھ کر ناگواری سے بولی۔

”اتنی سی تھی جب ہمارے ہاتھوں میں میاں جی نے تم کو دیا تھا ہمارے لئے تم اب بھی بے بی ہے، بھلے کتنا پڑھ لکھ جاؤ۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”میں شام پانچ بجے آؤں گی یونیورسٹی میں

آپ کو معلوم ہے میں لنچ نہیں کرتی، اس مزے دار بریانی کے ساتھ زردہ کھاؤں گی۔'' وہ جوس کا آخری گھونٹ غٹ غٹ پی کر بولی، ایلس اس کے پیروں کے گرد گھوم رہی تھی۔

''بے بی آج زردہ نہیں کھیر بنے گی اور ابھی لنچ پر میاں جی نے چند اور چیزوں کا اہتمام کرنے کی بھی ہدایت کی ہے۔'' وہ چمچہ تیز تیز چلاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں کھیر نہیں زردہ بنے گا بس۔'' وہ ضد پر آ گئی۔

''بے بی میاں جی نے کھیر.....'' بوا منمنائی۔

''کیوں زردہ کیوں نہیں بنے گا میاں جی کبھی میری بات نہیں ٹالتے۔'' وہ بوا کی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے بولی۔

''عمیر صاحب آ رہے ہیں۔'' بوا کی بات سنتے ہی وہ ساکت ہو گئی دل دھڑکا۔

''السلام علیکم!'' لاؤنج کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا، اسے اپنے عقب سے آواز آئی جسے سن کر وہ چونکی تھی وہیں مانوس آواز۔

''جیتے رہو..... خوش رہو۔'' میاں جی کی مخصوص آواز ابھری۔

کچن سے نکل کر اس نے باہر کی جانب جھانکا تو عمیر اپنے ایک سوٹ کیس کے ہمراہ میاں جی سے سلام دعا میں مصروف تھا، اس نے ہونق نظروں سے دونوں کی جانب دیکھا، لاابالی سالڑ کا میچورٹی کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔

''میاں جی نے رات کھانے پر کیوں نہ بتایا کہ یہ موصوف.....'' وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی اور آگے بڑھنے کے بجائے پلٹ کر کچن میں آ گئی، دونوں ہتھیلیوں کو وہ مستقل مسل رہی تھی جو پسینے سے تر تھیں۔

''رات دل خوب رویا تھا، وہ اپنے حوصلے پست نہیں کرنا چاہتی تھی، اسے صرف میاں جی کی فکر تھی، وہ صاحب فراست انسان تھے، ان کے سامنے وہ کل کی بات سے عجیب شرمندگی محسوس کر رہی تھی نہ جانے وہ کیا سوچتے ہوں گے، میں رات بلاوجہ کیوں روتی رہی ہوں۔''

''میاں جی سے کہیے گا میں شام تک آؤں گی آج ایک یونیورسٹی میں ایکسٹرا کلاس بھی ہے۔'' وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر بوا سے بولی۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ میاں جی کو خدا حافظ کہے بغیر یونیورسٹی جا رہی تھی نہ جانے وہ کس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی، میاں جی کا یا پھر..... عمیر کا۔

☆☆☆

مجھے یاد ہے بچپن کے وہ دن
جب ہمارے گالوں پر پھول کی سرخی تھی
ہم تو برف پر کھیلا کرتے تھے
اور سردی ایک بوڑھی عورت کی طرح اپنے ہاتھوں سے
ہمیں پیار کرتی اور پھر آتش دان کے پاس لے آتی
شام کے اندھیرے میں تمہاری آنکھیں چمکتی تھیں
آتش دان کی چنگاری تمہاری صورت دیکھا کرتی تھی
اور بوڑھی ماما کہانیاں سنایا کرتی تھی
لیکن برف بادل کا زمانہ مسکراتے ہوئے گزر گیا
گرمیاں بھی گزر گئیں اور اب خزاں کے طوفان کا شور سنا کر
ایک اور موسم آ رہا ہے
ہماری ماما اپنی لحد میں سو رہی ہے
کیا تم بن رہی ہو میرا دل کیا کہتا ہے
میرا دل تمہیں کہانیاں سنا رہا ہے
ایک ایسے موسم کی جو گزر گیا

اپنی گود میں ایلس کو لیے وہ پولونسکی کی نظم دہرا رہی تھی، وہ انگریزی لیٹریچر کی اسٹوڈنٹ تھی، یہ ریسپشن نظم اس کی ڈائری میں محفوظ تھی جسے وہ اکثر دہراتی، وہ دھیرے دھیرے ایلس کے روئی جیسے سفید بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیر رہی تھی، ایلس بھی دن بھر کی تھکی تھی، اس کی گود میں بے سدھ سو رہی تھی۔

اتنے برسوں بعد ایک نام بازگشت بن کر اس کے اطراف میں ابھرا تھا۔

''عمیر! او خدایا نہ جانے اب کیا ہو گا کیا پھر سے.....''

''نہیں۔'' وہ چیخی، کچھ بے نام لمحے دھندلے خواب کی طرح آنکھوں کے آگے لہرا گئے۔

یہ وہ شجر ممنوع ہے جس کو ہاتھ لگانے کا گناہ کبیرہ کا وہ ارتکاب نہیں کرنا چاہتی تھی، مزید کرب سہنے کی اس میں ہمت نہیں، وہ اس سے آگے کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی، اپنی بے قرار جذبوں کو سلا دینا چاہتی تھی، سر پر جمے دوپٹے کا پلو پکڑ کر اس نے ایک سائیڈ آنسوؤں کو چہرے سے رگڑ کر صاف کر ڈالا تھا، پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر گود میں بے سدھ ایلس کو بیڈ کے درمیان میں لٹا دیا، اپنے اطراف پر نظر دوڑائی، کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر واضح نظر آ رہا تھا، رات کی سیاہی پھیل چکی تھی، تھکن اس کے اعصاب پر کچھ اس طرح سوار تھی کہ وہ آنکھیں موندے لیٹ گئی، نیند بہت جلد اس پر مہربان ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''بشریٰ یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' وہ تحکم بھرے انداز کو سن کر گھبراتے ہوئے پلٹی تھی، اس کے قدرے فاصلے پر وہ اس سے چلا کر پوچھ رہا تھا وہ دراز قد فوجی کٹ بالوں میں کوئی اجنبی تھا، اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا جو بے تکلفی سے اسے پکار رہا تھا، کچھ دیر عود آنے والی گھبراہٹ غائب ہو چکی تھی، وہ گیٹ سے باہر سڑک کے کنارے کھڑی تھی کہ یہ شخص گاڑی سے اتر کر اس کے سامنے آ کر چلایا تھا، وہ اپنے چہرے پر آئی لٹوں کو پیچھے کرتے ہوئے نفی میں بولی۔

''میرا نام بشریٰ نہیں ہے۔''

''اچھا پھر فرخندہ ہو گا؟'' شوخی سے کہا گیا۔

''جی نہیں۔'' وہ نفی میں اپنی اونچی پونی ٹیل سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''تابندہ!'' وہ شخص دلچسپی سے سینے پر ہاتھ باندھے رکے بغیر بولے جا رہا تھا، دبی دبی سی مسکراہٹ ہونٹوں کے کنارے ٹھہری ہوئی تھی۔

''میرا نام.....''

''دانیہ تم یہاں ہو میاں جی تمہیں اندر بلا رہے ہیں چلو اندر۔'' مامی کی تحکم بھری آواز نے اس کے لبوں کو ساکت کر دیا تھا۔

''گریٹ ڈیئر برادر تم آ گئے، کب سے انتظار تھا میں چوکیدار سے کہہ کر گیٹ کھلواتی ہوں تم گاڑی لے کر اندر آ جاؤ۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولیں، دانیہ نے ایک نظر دونوں کی جانب اٹھائی اور منہ لٹکا کر گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی، مامی کے سرد رویے کی وہ عادی تھی ان لیے بنا کچھ کہے وہ میاں جی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اسے محسوس نہ ہوا کہ وہ کس کی نظروں کے حصار میں بہت دور تک تھی، اس کے دماغ میں صرف مامی

کے یکدم بدل جانے والے رویے گونج رہے تھے، وہ جس محبت سے اپنے بھائی سے بات کر رہی تھیں، اگر اسی محبت سے دو جملے اسے بھی بول دیتیں تو ان کا کیا جاتا، نہ جانے مامی اس سے کیوں اتنی خار کھائے پھرتی ہیں، شاید جن کے ماں باپ نہیں ہوتے وہ اسی رویے کے مستحق ہوتے ہیں، وہ دسویں کلاس کی طالبہ تھی لیکن وقت اور رویوں نے اسے بہت جلد سمجھ بوجھ اور زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کروا دی تھی، وہ حساس تھی رویوں سے بہ خوبی آگاہ ہو جاتی، اچھے برے رویے کا اس کی شخصیت پر جلد اثر ہو جاتا تھا، ان تمام باتوں کے باوجود وہ ری ایکٹ نہیں کرتی تھی، مامی کے ہر منفی رویے کو وہ نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی یہ شاید میاں جی کی تربیت کا اثر تھا کہ وہ زندگی کی راہ پر مثبت انداز میں چل رہی تھی، اسے دوڑنا نہیں آتا تھا، میاں جی نے اسے ہلکے انداز میں چلنا سکھایا تھا، وہ اکثر اسے خرگوش اور کچھوا کی کہانی سنا کر مثال دیتے کہتے اور خرگوش تیز دوڑتا تھا لیکن منزل کو نہ پا سکا صرف اپنے ایک غلط فیصلے اور عمل سے اس نے جیتی بازی ہار دی اور کچھوا طاقت کے مظاہرے کے بجائے اپنی عقل اور مستقل مزاجی کی بنیاد پر سرخرو ہو گیا بس منزل تک پہنچنے کے لئے انسان کا مثبت اور مستقل مزاج ہونا بے حد ضروری ہے۔

میاں جی کی باتیں وہ گرہ میں باندھ کر رکھتی تھی، اس وقت بھی وہ مامی کی بات سے کچھ وقت کے لئے ڈس ہارٹ ضرور ہوئی تھی لیکن پھر ہمیشہ کی طرح میاں جی کی محفوظ پناہ گاہ پا کر وہ ہر غم سے آزاد ہو جاتی تھی یہ میاں جی کی تحمل مزاجی کا اثر تھا جو اس کے اندر بھی وہی سکون تھا۔

''باہر شاید مامی کے بھائی آئے ہیں۔'' وہ میاں جی کی برابر والی کرسی میں بیٹھتے ہوئے بولی، یہ میاں جی کا اسٹڈی روم تھا اور وہ اس وقت ایک کتاب کی ورق گردانی کر رہے تھے، اس نے میاں جی کو باہر ہونے والے واقعہ کے بارے میں من و عن سنا دیا، وہ ہر بات میاں جی سے کر لیا کرتی ہے۔

''ہاں تمہاری مامی کا اکلوتا چھوٹا بھائی ہے، باہر سے کئی سال بعد اسے لیول کر کے بہن سے ملنے آیا ہے مجھے بھی رات ہی علم ہوا تمہیں بتانا بھول گیا، بتا دیتا تو اچھا تھا، صبح ڈرائیور اسے ہی ایئرپورٹ لینے گیا تھا۔''

''کوئی بات نہیں میاں جی۔'' وہ سنجیدگی سے سر جھکا کر بولی، میاں جی کی شرمندگی اسے اچھی نہ لگی۔

''اچھی بات ہے، آج کرنل صاحب نے رات کھانے پر دعوت دی ہے تم ساتھ چلو گی۔'' میاں جی اپنے گہرے دوست کرنل حمید کا ذکر کرتے ہوئے بولے۔

''میرے فائنل پیپر ہونے والے ہیں، ایک اسائنمنٹ کرنا ہے، آپ کے ساتھ نہیں جا سکوں گی۔'' وہ سہولت سے انکار کرتے ہوئے بولی گھر کی طرح وہاں بھی اسے بور ہونا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر وقت پر سو جانا مجھے آنے میں شاید کچھ دیر ہو جائے۔'' میاں جی اس کی فرمانبرداری اور متانت دیکھ رہے تھے، اس چھوٹی سی عمر کے باوجود وہ صحیح غلط کی جو تمیز رکھتی ہے اس پر انہیں مکمل اعتماد تھا، وہ شرعی تقاضوں سے باخبر اور اس کی پاسداری کے قائل تھے، میاں جی نہ صرف خود صوم صلوٰۃ کے پابند تھے بلکہ یہی تربیت انہوں نے دانیہ کو دی تھی، گھر میں جوان لڑکا تھا، وہ فکر مند ضرور تھے، اس وقت دانیہ کو اکیلے چھوڑ کر جانا انہیں کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا، لیکن جانا ضروری تھا، کرنل صاحب کے ساتھ اس اہم میٹنگ میں کچھ امور نپٹانے تھے، وہ خود اسی عہدے سے چند سال پہلے ریٹائرمنٹ لے چکے تھے، صاحب جائیداد تھے، کرنل صاحب سے کچھ ایسی گہری دوستی تھی کہ ان سے نجی مسائل پر بھی مشورے کر لیا کرتے، اس وقت جائیداد کے کچھ اثاثوں کو وہ بیچنا چاہتے تھے اسی سلسلے میں کرنل حمید کا مشورہ انہیں چاہیے تھا، وہ بوا کو چند ہدایات دے کر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

آنگن میں شام دھیرے دھیرے اترنے لگی، کچھ سرمئی بادلوں نے ایسا آسمان پر ڈیرہ ڈال رکھا تھا کہ شام کا گہرا رنگ مزید گہرا ہو گیا تھا، ٹھنڈی ہواؤں سے جھومتے پھول اور پتے لان کے باغ کو مزید خوبصورت بنا رہے تھے، کیاریاں پھولوں اور ان کی مہک سے رچی ہوئی تھیں۔

دانیہ اپنے گھر کے گیٹ کے باہر کتاب کو ہاتھ میں لئے ورق گردانی کرتے ہوئے نکل آئی تھی، سیاہ گیٹ کے سامنے گھر کے متوازی رخ پر سیاہ کولتار کی سڑک تھی جس کے اطراف میں سفیدے کے درخت ایک ترتیب میں لگے ہوئے تھے، اس سڑک پر عام سڑکوں کی طرح ٹریفک کا ہجوم نہ تھا، سامنے ہی کچھ فاصلے پر پارک تھا جہاں شام ہوتے ہی قریبی گھروں میں رہنے والے بچے کھیلنے آ جاتے، ایک جاگنگ ٹریک بھی تھا جس میں کچھ لوگ تیز تیز چل رہے تھے، اماں ابا کی انگلی پکڑے چھوٹے چھوٹے بچوں کی معصوم حرکتیں دیکھنا دانیہ کا من پسند مشغلہ تھا، جب وہ اپنے سے کسی چھوٹے بچے کو گلا پھاڑ پھاڑ کر روتے ہوئے آئس کریم لینے کی ضد کرتے دیکھتی خود اسے اپنے بچپن کی ایسی کوئی جھلک یاد نہ تھی کہ کبھی اس نے کسی چیز کو پا لینے کے لئے گلا پھاڑ پھاڑ کر روتے ہوئے ضد کی ہو، وہ شروع سے ہی مصلحت پسند رہی ہے، بہت جلد بہل جانے والی دانیہ ضد نام کی شئے سے ناواقفیت کی حد تک انجان تھی، وہ بڑی حیرت اور دلچسپی سے ان معصوم بچوں کی حرکتیں دیکھا کرتی، اس کے بہن بھائی تو تھے نہیں، خاندان میں کوئی کزن نہ تھا، اسکول میں بھی اس کا انداز لیا دیا رہتا، اپنی زندگی کے سناٹوں میں کچھ یہی لمحے تھے کہ وہ اس پارک کی رونقوں کو دیکھ کر اپنا دل بہلا لیا کرتی، کبھی کبھی وہ میاں جی کے ہمراہ مغرب کے بعد واک کرنے بھی جاتی، تب یہاں بچوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی، اس وقت پارک میں موجود ننھے بچوں کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بے فکری سے ہنستا کھیلتا دیکھ کر وہ خوش ہو رہی تھی، مستقل پڑھنے سے ذہن میں بس کوفت اور بیزاری دور ہو گئی تھی، وہ ان چند گھڑیوں میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

''بشریٰ! آج تم پھر یہاں کھڑی ہو۔'' اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا وہ لبوں پر اپنی شرارتی ہنسی دبائے سینے پر ہاتھ باندھے گیٹ سے لگ کر اسے نہ جانے کب سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔

''میرا نام بشریٰ نہیں ہے۔'' وہ اس کے اس انداز پر نروس ہو گئی تھی۔

''او...... ہاں یاد آیا مس دانیہ۔'' شرارتی لہجہ جوں کا توں تھا۔

''جی فرمائیے۔'' اس کے چہرے پر اب گھبراہٹ طاری ہو گئی، مغرب ہونے والی تھی، کسی نے اسے ایسے دیکھ لیا تو اللہ جانے کیا ہو گا میاں جی تو سخت ناراض ہو جائیں گے، غیر لڑکوں سے بے تکلفی انہیں ہرگز پسند نہ تھی، بوا بھی کچن میں تھیں وہ تو بس یونہی چلی آئی تھی جیسے کبھی کبھار آ جاتی تھی، اپنا دل بہل جانے کی خاطر وہ شام کو

اکثر گیٹ کے باہر کھڑی ہو جاتی تھی۔
''آپ لوگوں کی طرح آپ کی کالونی بھی بور ہے، اتنی بوریت کے ساتھ زندہ کیسے ہیں؟ توبہ..... توبہ نہ کوئی ہلچل نہ ہنگامہ بس ایک سناٹا، تم بور نہیں ہو جاتی، وہ ''آپ'' سے اچانک ''تم'' تک آ گیا۔
''تم نہیں آپ سے بات کرتے ہیں، یہ پاکستان ہے کینیڈا، امریکہ نہیں۔'' وہ اپنا کھلا دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے تیکھے لہجے میں بولی اسے اتنی بے تکلفی اچھی نہیں لگ رہی تھی، کبھی کسی لڑکے سے یوں بے تکلفی سے بات کرنا تو دور کی بات اس نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا، وہ گرلز اسکول کی طالبہ تھی، میاں بی کی ناراضگی کا خوف اس کے دماغ پر سوار تھا اور یہ لڑکا گیٹ کے آگے کچھ اس طرح حائل تھا کہ وہ سرعت سے اندر جانے کے لئے بڑھ بھی نہ سکتی تھی، عجیب کشمکش تھی کرے تو کیا کرے، گھبراہٹ کے مارے اس کی سفید رنگت سرخ پڑ گئی، وہ اس کی ہر ادا پر شوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور وہ نروس تھی۔
''سوری جناب اگر میری بات بری لگی، آئندہ دھیان رکھوں گا، ویسے میں سب کزنوں کو یونہی تم کہہ کر ہی مخاطب کرتا ہوں، کبھی کسی نے ٹوکا نہیں، ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ کسی نے...... خیر۔'' وہ شوخ لہجے میں کہتے کہتے یکدم سنجیدہ ہو گیا اور سیاہ گیٹ سے ایک طرف کھڑے ہو کر اسے اندر جانے کا ہاتھ سے اشارہ کیا، وہ سر جھکائی تیزی سے اندر کی جانب تقریباً دوڑتے ہوئے بڑھی تھی، اس کا یکدم بدل جانے والا انداز دانیہ کو عجیب سا لگا، کمرے کی جانب بڑھنے سے پہلے اس نے کچن میں ایک نگاہ ڈالی، گھبراہٹ اس کے چہرے سے عیاں تھی۔
''بوا! میاں جی آ گئے؟'' وہ کچن میں کھانا بناتی بوا سے پوچھ رہی تھی۔
''نہیں۔''
دانیہ تیزی سے پلٹ کر شکر ادا کرتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بھاگی، پیچھے بوا اسے آوازیں دیتی رہ گئیں، وہ ان سنی کرتے ہوئے کمرے میں جا کر تیزی سے دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی، اس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا، دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ لگتا تھا جیسے وہ میلوں بھاگ کر آئی ہو۔

☆☆☆

پہلا پیپر تھا، وہ ناشتہ جلدی جلدی کر رہی تھی، اسے وقت پر پہنچنا تھا۔
''ناشتہ آرام سے کرو، دودھ کا گلاس پورا ختم کرنا۔'' میاں بی حسب معمول اسے جلدی جلدی کھانے سے ٹوک رہے تھے، وہ روز یہی جملے دہراتے تھے۔
''جی اچھا۔'' اس نے رفتار کچھ سست کر دی لیکن نظر گھڑی پر بار بار جا رہی تھی، سامنے کھولی کتاب کو اس نے اب بند کر دیا تھا اور اسے بیگ میں رکھنے لگی۔
''میں ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی نکلواتا ہوں۔'' میاں جی اپنا ناشتہ ختم کر چکے تھے۔
''ایک گلاس پانی ملے گا۔'' مانوس آواز نے شاید بوا کو پکارا تھا، اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا، ہتھیلیاں پسینے سے تر ہو گئیں، سلائس کا آخری نوالہ انڈے کے ساتھ اس نے جھکی نظروں سے ہی حلق میں ڈالا تھا، نظر اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، سن ہوتا وجود اپنے گرد نگاہوں کی تپش محسوس کر رہا تھا، اسے لگا وہ کسی حصار میں بری طرح جکڑ گئی ہے۔
''آپ ابھی تک بیٹھی ہیں ڈرائیور باہر انتظار کر رہا ہے، وقت ہو گیا ہے، اللہ کا نام لے

کر پیپر شروع کیجئے گا، ہمیشہ کی طرح اللہ آپ کو کامیاب کرے آمین۔'' وہ اسے دعائیں دے رہے تھے۔
''جی۔'' وہ اتنا کہہ کر اٹھ گئی، ساکت وجود نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، شاید وہ جلدی میں تھا جا چکا تھا، نہیں اس کا وہم تو نہیں...... نہیں...... کچھ دیر پہلے اس نے اسی کی آواز سنی تھی، اس کا دل چیخ کر بولا تھا۔
''یا اللہ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' وہ چور نظروں سے دل کو ٹٹول رہی تھی اور گاڑی میں بیٹھ چکی تھی، گاڑی آگے بڑھ گئی، لان میں بیٹھا اخبار پڑھتے ہوئے کسی نے مسکرا کر دیکھا تھا، گاڑی جا چکی تھی، سیاہ گیٹ بند ہو چکا تھا، درخت کے پتے جھوم رہے تھے، پرندے چہچہا رہے تھے۔

کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب مناجاتیں
مگر اک ان کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
عجب اک سرگوشی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
یہ سارے دلربا منظر
یہ طلسمی چاندنی راتیں
سنہری دھوپ کے موسم
یہ سکھ کی برساتیں
سبھی اک ضد میں رہتے ہیں
مجھے پیہم یوں کہتے ہیں
محبت یوں نہیں اچھی
محبت یوں نہیں اچھی!!!

کوئی گنگنا رہا تھا۔

☆☆☆

''کان کھول کر سن لو یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس نے زور سے اپنا پیر زمین پر پٹخا تھا، غصے سے سرخ ہوتی آنکھوں نے سخت تنبیہ کی۔
''کیوں نہیں ہو سکتا۔'' اس کے انداز میں بلا کا سکون تھا، وہ خاموشی سے پیر پٹختی بڑی بہن کے ری ایکشن کو دیکھ رہا تھا جو غصے سے پاگل ہو رہی تھی، اس کے کہے چند جملوں نے کمرے میں قیامت برپا کر دی تھی، کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا، آوازیں شاید باہر تک جا رہی تھیں، کھٹ پٹ ہوتی چیزیں دیکھ کر دانیہ بھی کمرے کی طرف چلی آئی، کمرے کے اندر کا منظر بھیانک تھا، ماں اور عمیر دونوں میں کسی بات پر اشتعال آمیز بحث جاری تھی، تجسس نے اس کے پیر جکڑ لئے، وہ وہیں کمرے کے باہر ٹھہر گئی، چیزیں پٹخی جا رہی تھیں۔
''جمعہ جمعہ چار دن ہوئے ہیں تمہیں آئے اس جادوگرانی نے ایسا کون سا صور پھونک دیا جو تم نے اتنا بڑا فیصلہ اچانک کر ڈالا، ممی کیا مانیں گے میرے ہوتے ہوئے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے ٹین ایج کی عمر ہی ایسی ہوتی ہے، انسپائر ہونا اس عمر کے تقاضے ہیں جان، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم اس انسپائریشن کو شادی جیسے بندھن میں بدل دو۔'' وہ تیکھے لہجے میں کہتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔
''شادی تو میں اسی سے کروں گا۔'' وہ پھر سکون سے بولا۔
''کیا عمر ہے تمہاری انیس سال، ماں باپ کے دیئے گھر میں رہتے ہو، تمہارا اپنا کیا ہے، گھر، پراپرٹی، پیسہ، نوکری...... کیا ہے تمہارے پاس شادی کروں گا۔'' اس کی نقل کرتے ہوئے طنز کر رہی تھیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''آپ اچھی طرح میری اپروچ جانتی ہیں، میری صلاحیتوں سے بھی واقف ہیں، ہمیشہ اسکالر شپ لیتا رہا ہوں، پڑھائی کا میدان ہو یا فٹ بال کا، میں ہر جگہ چیمپئن رہا ہوں، اپنی زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے کا ہنر مجھے آتا ہے، گھر، پراپرٹی، نوکری سب ایک دن میرے ہاتھ میں ہوں گے تب کروں گا شادی، لیکن شادی صرف اسی سے کروں گا، مائینڈ اٹ۔'' وہ ایک ایک لفظ ٹھوس لہجے میں کہہ رہا تھا، اپنے ارادوں میں وہ کتنا مستحکم رہا ہے سب جانتے تھے اس کا مضبوط لہجہ سن کر باہر کھڑی دانیہ کے قدم لرزنے لگے تھے، وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آیا تھا، ایک نظر کھڑی دانیہ کو دیکھ کر وہ چونکا نہیں بنا پلٹے آگے بڑھ گیا، دانیہ گھبرا گئی اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی، مای نے دیکھا تو قیامت آجائے گی۔

''کتنی چیپ حرکت کی تھی اس نے، بھلا کیا سوچتا ہوگا وہ میرے بارے میں، اس طرح کسی کے کمرے کے باہر باتیں سننا، یا اللہ یہ کیا گری ہوئی حرکت ہوگئی مجھ سے۔'' غیر ارادی طور پر ہونے والی اس حرکت نے اسے خود اپنی نظروں میں گرا دیا تھا، دل کی دھڑکن بہت تیز ہوگئی تھی، احساس جرم بڑھتا جا رہا تھا، وہ پشیماں سی خود کو کوس رہی تھی۔

☆☆☆

دو دن سے اس کا عمیر سے سامنا نہ ہوا تھا، وہ جان بوجھ کر بلاضرورت کمرے سے باہر نہیں نکل رہی تھی، پھر اس نے سنا عمیر صاحب جا رہے ہیں، واپس چلے جانے کا سن کر اس کا دل پھر بری طرح دھڑکا تھا، اس دن ہونے والی گفتگو میں کسی لڑکی کا ذکر تھا، اس کے اعصاب منتشر ہونے لگے، اس نے گہرا سانس لیا اور کچن میں چلی آئی، کچن میں بوا موجود نہ تھیں، اسے شدید بھوک کا احساس ہوا آج آخری پیپر دے کر آئی تھی اور آکر چند نوالے کھا کر ہی سو گئی تھی، اس نے کھانا نکالا اور مائیکرو ویو میں رکھا، کھانا گرم کرکے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی اور مزے سے کھانے لگی۔

''شکر ہے امتحان ختم ہوئے، ان چھٹیوں کو کارآمد بنانے کے لئے کچھ کرنا چاہیے۔'' وہ خود سے ہم کلام تھی اور جھکے سر سے چاول کے نوالے بنا کر کھا رہی تھی۔

''کھانا بنانا سیکھ لیں آپ کے کام آئے گا، شوہر کا دل آسانی سے جیت لیں گی۔'' مانوس آواز پر اس کے ہاتھ رک سے گئے، نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے والی کرسی میں بیٹھ کر اسی سے مخاطب تھا، اس کا دل دھڑکنے لگا، نہ جانے یہ کیسی نگاہیں تھیں، اس کے وجود کا سحر تھا یا کچھ اور کہ اسے دیکھتے ہی اس کا دل بے قابو ہو کر دھڑکنے لگتا، وہ کسی جن کی طرح اس کے حواسوں پر سوار تھا، اس کے ہاتھ کپکپانے لگے، وہ اس کی اس شوخ مزاجی پر پریشان تھی، اس دن ہو جانے والی غیر اخلاقی حرکت کے بعد ایسی نرمی کی اسے توقع نہ تھی، اس کا خیال تھا وہ ری ایکٹ کرے گا لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔

''ایک اچھی بھلی شخصیت آپ کے سامنے بیٹھی ہے، بہتر ہے اس بے جان پلیٹ کو گھورنے کے بجائے مجھ ناچیز کو......'' وہ اسے مستقل پلیٹ پر جھکا دیکھ کر دانستہ اپنا جملہ شوخی سے ادھورا چھوڑتا ہوا بولا۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ جھکی نگاہوں سے بہ مشکل بولی۔

''کس بات کی؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''اس دن...... وہ...... میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا...... میں...... مای کی آواز ہی تیز اتنی تھی کہ میں......''

''اس کی ضرورت نہیں...... ویسے کسی کی بات سننا اچھی بات تو نہیں مگر بعض اوقات بری باتیں اچھی بن جایا کرتی ہیں، ویسے کچھ لوگوں پر کوئی بات بری لگتی ہی نہیں۔'' وہ اس کی بات فوراً ہی سمجھ گیا جلدی سے کاٹ کر معنی خیز انداز میں بولا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ گڑبڑائی۔

''چھوڑیں جانیں بھی دیں اچھا یہ بتائیں اس دن کیا سنا؟''

''کچھ خاص نہیں چیزیں پٹخنے اور مای کے چند الفاظ ہی سمجھ آئے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی جس میں کچھ کچھ جھوٹ کی آمیزش تھی۔

''او...... یعنی محترمہ نے کچھ سنا ہی نہیں۔'' لبوں پر جاندار مسکراہٹ ابھری تھی۔

''جی نہیں۔'' وہ اپنے کھانے کی پلیٹ ختم کر چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ عمیر کسی لڑکی سے شادی کا ذکر کر رہا تھا، لیکن یہ اس کا مسئلہ تھا وہ انجان ہی بنی رہی، اپنی پلیٹ اٹھا کر وہ کرسی سے کھڑی ہوئی تو عمیر نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' اچانک اپنے سامنے اس طرح کھڑے ہو کر راستہ روکنا اسے اچھا نہ لگا وہ زور سے بولی تھی۔

''محترمہ بیٹھ جائیے مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ اس کے قریب آکر کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

دانیہ کو اسے اتنا قریب پا کر گھبراہٹ ہونے لگی، وہ آزاد ماحول سے آنے والا بہت سے رویوں سے نا آشنا لڑکا تھا، مشرقیت کے کیا تقاضے ہیں نہیں جانتا تھا، اس ماحول سے آیا تھا جہاں ہاتھ پکڑنا اور اس سے آگے تک جانا بھی معیوب نہ تھا، دانیہ اسے متوحش نگاہوں سے دیکھتی ہوئی تیزی سے پلٹی تھی اور کمرے کی طرف بھاگ گئی اور اس کو اس طرح جاتا دیکھ کر حیران ہوگیا تھا، وہ پہلی دفعہ پاکستان آیا تھا، لڑکیوں کا یہ انداز اس کے لئے نیا تھا، ایک دھیمی مسکان نے اس کے لبوں کو چھوا تھا، وہ گنگناتا لاؤنج سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

ناریل کے درخت کی لمبی ہری شاخیں ہوا کے رخ پر لہک رہی تھیں، اس درخت کے تنے سے لگ کر بیٹھنا اسے بے حد پسند تھا، سہ پہر ڈھل رہی تھی، وہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی، کچھ ہی دیر میں شام کے سائے بڑھنے لگیں گے، دو وقت ملتے ہیں تو دعا مانگنی چاہیے، میاں جی اس سے اکثر کہتے، وہ سوچ ہی رہی تھی اپنے لئے کیا دعا مانگے، اچھا رزلٹ آجائے تاکہ اچھے سے کالج میں داخلہ مل جائے یا پھر...... اچانک سامنے سے وائٹ شرٹ بلیو جینز میں اس کا بھرپور سراپا اپنی سحر انگیز شخصیت کے ساتھ اس کے سامنے آتا دکھائی دیا، وہ اس سے کترا کر بھاگ جانا چاہتی تھی، اسے سامنے سے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سرعت سے اٹھی تھی۔

''سنئے محترمہ۔''

''جی۔'' وہ بھاگتے اچانک رک گئی بنا پلٹے بولی۔

''یہاں دو منٹ میری بات سنیں گی۔'' وہ لان میں رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

وہ کسی ربورٹ کی طرح چلتی فرمانبرداری سے اس کی بات کی اطاعت کرتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی وہ اس کے بالکل سامنے والی کرسی کھسکا کر براجمان ہوگیا تھا، سنہری دھوپ میں

سفید ململ کا دوپٹہ سر پر لپیٹے وہ کسی حور کی طرح شفاف اور معصوم لگ رہی تھی۔

''آپ اتنا بھاگتی کیوں ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''آپ نے یہ کہنے کے لئے مجھے روکا تھا۔''

''جی نہیں صرف اتنا پوچھنا تھا کہ میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟''

''انسان لگتے ہیں۔'' اس عجیب سوال پر وہ بے اختیار ہنستے ہوئی بولی۔

''شکر ہے آپ ہنستی بھی ہیں ورنہ۔''

''ورنہ...... کیا؟'' اس کے دل میں ہلچل ہونے لگی۔

''میرے سوال کا جواب دیں۔'' وہ اب سنجیدہ تھا۔

''آپ یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں سیدھی بات کریں۔'' نگاہیں جھک گئیں، دس منٹ کی طویل صبر آزما خاموشی سہنے کے بعد عمیر کی سماعتوں نے جملہ سنایا تھا۔

''مس دانیہ سیدھی بات یہ ہے کہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں، ہوسکتا ہے میری آپا کی طرح آپ بھی میری کم عمری کے باعث میری سوچ کو ان میچور سمجھیں ایک جذباتی احساس جو وقت گزر جانے کے بعد بھاپ بن کر اڑ جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہے، میں جو کہہ رہا ہوں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں آپ کے ساتھ یہ تعلق محض جذباتی بنیاد پر رکھنا چاہتا تو فلرٹ کر سکتا تھا، مجھے لگتا ہے میں آپ کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزار سکتا ہوں، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے اور آپ کے حائل کئی مسائل ہیں ان مسائل سے نپٹنے کے لئے مجھے کچھ وقت درکار ہے صرف اتنا کہنا ہے میں آپا کے سارے خدشے ایک دن دور کروں گا تب تک میرا انتظار کرنا۔'' وہ کہہ کر پھر مزید رکا نہیں اٹھ کر جا چکا تھا۔

''یعنی وہ لڑکی میں تھی جس کا ذکر اس رات مامی سے وہ کر رہا تھا۔'' وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھی رہی، پریشان ہوتی رہی، مامی کی خار کھاتی نظریں اسے اندر تک دہلا رہی تھیں نہ جانے اس کی زندگی میں اب مزید کیا ہونے والا ہے۔

☆☆☆

رات کے تین بج چکے تھے، وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی، سامنے دیوار پر لگی وال کلاک کا گھنٹہ بج رہا تھا، تین بجے رات کے اس عالم میں پھیلے سناٹے سے اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی، پاس رکھی شیشے کی بوتل سے اس نے گلاس بھر کر غٹا غٹ پینے لگی۔

''ایلیں۔'' اس کے پہلو میں اب تک سو رہی تھی، کارنر پر رکھا ہیر بینڈ اٹھا کر اس نے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو اونچی پونی بنائی اور ایک لمبی سانس کھینچ کر اپنی رائیٹنگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئی، عمیر نے آنا تھا شاید اس لئے مامی پچھلے ایک ماہ سے غائب ہیں اس نے سوچا اس کی جھولی میں تو اللہ نے چند ہی رشتوں کے سکے ڈالے تھے، وہ چھوٹی تھی ماں باپ چلے گئے، معصوم ذہن میں ہلکی سی باپ اور ماں کی جھلک ہی محفوظ تھی، ماں باپ کا پیار کیسے ہوتا ہے، بہن بھائیوں کے تعلقات کیسے ہوتے ہیں؟ وہ ان سب رشتوں کے لمس سے محروم تھی، ننھیال، ددھیال دونوں ہی نہ ہونے کے برابر تھا، نانا نے اس کی پرورش کی، ماموں، مامی کا ہونا نہ ہونا برابر تھا، عمیر کی آمد اس کی زندگی میں ایک نیا احساس اجاگر کر رہی تھی، معصوم دل کو اس کی رفاقت اچھی لگنے لگی تھی، وہ اپنے حدود و قیود سے واقف تھی سو آگے نہ بڑھی خاموش لب سی کر بیٹھی رہی شاید یہ اس کی مجبوری تھی۔

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

بس ایک موتی سی چھب دکھا کر
بس ایک میٹھی سی دھن سنا کر
ستارہ شام بن کے آیا برنگ خواب سحر گیا وہ

مامی جو اس سے کبھی برے موڈ میں بات کر لیا کرتی تھیں، اب کلام کرنا بھی پسند نہ کرتیں، دانیہ کی موجودگی میں مامی طنز بھرا جملہ سماعتوں سے گھول کر منظر سے غائب ہو جاتی اور وہ ان لفظوں کی چبھن سے زخمی ہو کر کئی کئی دن سلگتی رہی، آٹھ سال ہو گئے، وہ ان ہی ماضی کے سرابوں سے روز الجھتی روز سلگتی تھی۔

یہ ایسا جان لیوا عذاب تھا کہ وہ خود کو فریب دینے کی روز ہی تگ و دو کر رہی ہوتی لیکن محبت کے آکٹوپس میں بری طرح جکڑا اس کا وجود بار بار دل و دماغ کی چیخ و پکار سے اس اعصاب شل کر دیتا۔

عمیر کتنا اپنے ارادوں میں مضبوط قوت ارادی اور بلند حوصلوں کا مالک ہے وہ اس سے نابلد ہے، اس کے حصے میں تو صرف اندیشے ہی اندیشے ہیں، ان آٹھ سالوں میں عمیر نے اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہ رکھا تھا، وہ اس کے ان چند مہربان دنوں کے زیر اثر رہ کر آٹھ سال سے اس کا انتظار کر رہی تھی، مامی کے تلخ رویئے سہتی رہی۔

ان کے نشتر دل میں چبھوتی رہی، نہ جانے وہ کیسا لمحہ تھا، شاید پہلی نظر کی محبت اسے ہی کہتے ہیں۔

لیکن وہ اس پہلی نظر کی محبت میں یہ بھی نہیں جانتی کہ اسے منزل ملے گی بھی یا نہیں، عمیر کے حوالے سے وہ مکمل اندھیرے میں تھی، ہوسکتا ہے اس نے شادی کر لی ہو، باہر ایک سے بڑھ کر ایک دوشیزہ مل سکتی ہے اسے، پھر وہ اتنے برس اس کا ہی کیوں انتظار کرتا۔

اس کا دماغ روز ہی رات کے اس پہر الجھتا رہتا، وہ روز ہی ان ہی الجھنوں کا شکار رہتی پھر تھک ہار کر سو جاتی، آج عمیر کی آمد کے بعد وہ سارا دن اس سے کتراتی رہی، نہ جانے اسے بھولی بھٹکی ایسی کوئی داستان یاد بھی نہ ہو گی جسے وہ اتنے برس سنبھالے بیٹھی تھی، وہ سارا دن یونیورسٹی سے آ کر اپنے کمرے میں ہی مقید رہی، میاں جی نے بھی اس سے کچھ نہ کہا تھا، شاید اس کے طبیعت خراب ہونے کے خیال سے پوچھا بھی نہیں کہ وہ کمرے میں کیوں ہے، وہ رائیٹنگ ٹیبل سے اپنے سوچوں کا غبار سمیٹ کر دوبارہ بیڈ تک آ گئی، بیڈ سے ٹیک لگائے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بہت لمبی مسافت طے کر کے آئی ہو تھکن سے جسم اور ہڈیاں چور چور تھیں، نہ جانے اس کی یہ مسافت ختم ہو گی بھی یا نہیں۔

محبت کے سکے اس کی جھولی گریں گے یا یوں ہی وہ کشکول اٹھائے پھرتی رہے گی، اس نے آنکھیں موند لیں بے شمار سوال تھے جو اس کے آس پاس آ کر اپنا دکھڑا سنا رہے تھے، ان سوالوں کا اس پاس جواب نہ تھا۔

☆☆☆

صبح فجر کی نماز کے بعد وہ شبنمی گھاس پر ننگے پیر چل رہی تھی، ایک فرحت کا احساس اس کے دل و دماغ کو معطر کر رہا تھا، شولڈر کٹ بال پونی سے آزاد کندھے پر پھیلے ہوئے تھے، اداس، ٹوٹی بکھری اور الجھی نگاہیں نم تھیں، نم آنکھیں چھلکنا چاہتی تھیں لیکن ضبط کے بندھن میں خود کو باندھ کر بیٹھی تھیں، اس نے لان سے واپس کمرے تک جانے کا ارادہ کیا، ابھی وہ مڑی ہی تھی کہ سامنے سے دشمن جاں آتا دکھائی دیا، وہ لمحہ بھر کو رک گئی، ٹھٹک سی گئی، وہ پہلے سے زیادہ خوبرو ہو

گیا تھا، بلیک ٹراؤزر میں ڈھیلی ڈھالی بلیو شرٹ میں اس کی شخصیت مکمل لگ رہی تھی۔

''کیا نظر لگانی ہے کی۔'' اس کی محویت پر اس نے اس کے قریب آ کر ٹوکا، وہ شرمندہ سی سر جھکا کر رہ گئی اور اپنی اس حرکت کو سرزنش کرنے لگی۔

''وہ...... میں...... سمجھی۔''

''کیا سمجھیں؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی، دل کی حالت غیر ہو رہی تھی، وہ اپنا پہلو بچا کر اس منظر سے غائب ہونا چاہتی تھی۔

''سنیے کچھ وقت ہے آپ کے پاس بات کر سکتا ہوں آپ سے۔'' اس نے لان کی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور بیتے لمحوں کی ایک جھلک اس کی نگاہوں کے آگے لہرا گئی، وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی، وہ اس کے برابر والی کرسی کھسکا کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

ہوا ایک دم سناٹے میں آ گئی تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہوا بھی ہم تن گوش ہو، ہوا میں اتری خاموشی دانیہ کے وجود کو برف بنا رہی تھی، وہ اچانک کھڑا ہو گیا اور اسے یونہی بیٹھا چھوڑ کر اندر کی جانب چلا گیا وہ حیرانی سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی، پانچ منٹ کے بعد وہ لان میں آیا تو اس کے ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے، ایک کپ اس نے دانیہ کے آگے بڑھا دیا جسے اس نے لرزتے ہاتھوں سے تھاما تھا، ہوا اب تیز چلنے لگی تھی۔

''آپ کو برا نہ لگے تو ہم ساتھ میں چائے پی سکتے ہیں، میں کل سے بور ہو رہا ہوں، کوئی مجھ بے چارے کو کمپنی دینے کے لئے تیار ہی نہیں۔'' وہی شوخ لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا، اس نے جھکی نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں۔

''کیسی جا رہی ہے آپ کی پڑھائی؟'' وہ چائے کا سپ لیتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''صحیح جا رہی ہے، اگلے ماہ سے فائنل سمیسٹر شروع ہو جائیں گے۔''

''اچھا گڈ۔''

''ماہی شاید امریکہ میں ہیں۔''

''جی، میں کچھ دن پہلے وہیں تھا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا ماہی کو آپ کے آنے کا علم ہے، میرا مطلب ہے وہ یہاں نہیں ہی، کب آئیں گی؟'' اس نے سوال کیا، وہ کچھ جھجک رہی تھی اس سوال پر۔

''وہ اب کبھی نہیں آئیں گی۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''زرین کی شادی تھی، میں اسی کو اٹینڈ کرنے امریکہ گیا تھا، ماہی آپ کی پاکستان واپس نہیں آنا چاہتی وہ وہاں سیٹل ہو گئیں ہیں۔''

اسے شدید حیرت ہو رہی تھی اتنا کچھ ہو گیا اور اسے خبر نہ ہوئی شاید معملات کو جاننے کی اس میں عادت نہ تھی، ہو سکتا ہے میاں جی کو خبر ہی نہ ہو اور اگر ہو گی بھی تو انہوں نے اس سے ذکر کرنا ضروری نہ سمجھا ہو۔

''کیا سوچ رہی ہیں۔'' وہ اس کو غور سے دیکھ رہا تھا، آٹھ برس پہلے کی دانیہ اب اور بھی خوبصورت ہو گئی تھی، اس کے اندر کے سوز نے اسے ایک الگ ہی روپ بخش دیا تھا، شولڈر کٹ بال اس کے چہرے کو اُبھار رہے تھے وہ بار بار اپنے چہرے سے ان لٹوں کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ مختصر بولی اور چائے کا آخری گرم گھونٹ حلق میں انڈیل کر خالی کپ اٹھا

کر کھڑی ہو گئی، اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

''کہاں جا رہی ہیں؟''

''کپ خالی ہو چکا ہے۔''

''دوبارہ بھر دوں۔'' انداز معنی خیز تھا۔

''کیسے؟''

''تمہاری زندگی کے خالی کپ کو بھرنے آیا ہوں، میں نے فیصلہ کر......''

''ایسا کوئی فیصلہ نہ کریں جس سے آپ کو بعد میں پریشانی ہو، مغربی اور مشرقی یہ دونوں الگ الگ سمتیں ہیں آپس میں کبھی نہیں مل سکتیں۔'' اس نے اس کی بات تیزی سے کاٹی تھی، اس کے لہجے میں اچانک نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت اور مضبوطی عود آئی تھی۔

''میں یہ فیصلہ آٹھ سال پہلے کر چکا تھا، جانتا ہوں تم ایک مشرقی ٹیپکل لڑکی ہو، شاید میرے دل کا رجحان اسی لئے تمہاری طرف راغب ہوا تھا، میں اور لڑکوں کی طرح فلرٹ کرنے کے بجائے ایک صحیح فیصلہ کرنا چاہتا تھا، آپا میری فیلنگ کو محض جذباتیت کا نام دے رہی تھیں، لیکن میں خود کو کافی وقت دیا، مجھے لگتا ہے میں تمہارے ساتھ ایک اچھی زندگی گزار سکتا ہوں، آپا اور مجھ میں چودہ سال کا ڈیفرنس ہے، ہماری ذہنی ہم آہنگی نہیں، میں اکیلا مغرب میں پلا بڑھا ہوں، اپنے فیصلے خود کرنے کا عادی ہوں، باہر کی دوڑتی بھاگتی ربورٹ زندگی سے عاجز ہو کر میں اپنے اصل کو لوٹنا چاہتا ہوں یہاں ملٹی نیشنل کمپنی میں میری جاب ہو گئی ہے، گھر مل گیا ہے، بس اب گھر والی چاہیے۔'' وہ شوخ لہجے میں اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جو بری طرح گھبرا رہی تھی۔

''مگر میاں جی۔'' اس نے اندیشوں میں گھرا ایک سوال کیا۔

''میری ان سے بات ہو چکی ہے، بس محترمہ کی رضا مندی چاہیے، کیا مجھے آپ کی زندگی میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔'' اس نے کہتے کہتے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھامنے کی جسارت کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کرنٹ کھا کر اچھلی تھی اور سرعت سے لان کی سیڑھیاں عبور کر کے اندر کی جانب بھاگ گئی۔

عمیر ہکا بکا ہوا اور پھر مسکراتا دیکھتا رہ گیا اور اسی سمت بڑھ گیا جس سمت میں دانیہ کچھ لمحے قبل گئی تھی، وہ سمت تھی جس میں زندگی اپنی رعنائیوں کے ساتھ انہیں پکار رہی تھی، کرب کے لمحے گزر چکے تھے، اندھیرا چھٹ چکا تھا اب صرف روشنی ہی روشنی تھی، جس میں ہر چیز واضح اور صاف نظر آ رہی تھی، ہوائیں گنگنا رہی تھیں، محبت یوں نہیں اچھی، محبت یوں نہیں اچھی۔

☆☆☆

ماریہ یاسر

بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے آج پھر وہ بے تحاشہ رو رہی تھی، آنسو ایک کے بعد ایک نکل کے تکیے کو بھگو رہے تھے وہ دنیا جہاں سے خفا تھی یا پھر عبید کو لگ رہی تھی، ایک پل کے لیے تو اس کا دل چاہا کہ اسے اپنی طرف موڑ کے اس ک سارے آنسو اپنی انگلیوں پر چن لے، وہ بھلا کب اسے یوں روتا دیکھ سکتا تھا، اس میں تو عبید کی جان لیتی تھی، اسے یوں بلکتا دیکھ کے وہ بھی تڑپ رہا تھا، لیکن خاموش کرانے کی بھی ہمت نہ ہو رہی تھی، کیونکہ وہ حنا کے رونے کی وجہ اچھی طرح جانتا تھا۔

''حنا یار! اب بس بھی کرو ناں پلیز، مجھ سے تمہارا یوں رونا نہیں دیکھا جا رہا، بس کرو یار۔'' آخر کار اس نے ہمت کر کے حنا کا رخ اپنی جانب موڑا جہاں آنسوؤں کی لکیریں اس کا حال دل بیان کر رہی تھیں۔

''اچھا بابا میں سوری کرتا ہوں ای کی طرف سے پلیز مان جاؤ ناں۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تو حنا نے اس کی اس ادا پر مسکرا کر آنسو پونچھ ڈالے تو عبید بھی مطمئن ہو گیا، وہ ایسی ہی تھی پل میں مان جانے والی، اسے منانا تو بچوں کا کھیل تھا، یوں تو وہ کسی سے ناراض ہی نہ ہوتی، عبید کو یاد نہ پڑتا کہ وہ کبھی کسی سے لڑی جھگڑی یا ناراض ہوئی ہو۔

بس ای کی باتوں سے دلبرداشتہ ہو کے رونے لگتی تو عبید کی چھوٹی سی بات پر مان بھی جاتی، اس وقت بھی وہ سب بھول کے کچن میں مصروف ہو گئی تو عبید بھی مطمئن ہو گا۔

☆☆☆

''عبید میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں ان روز روز کی باتوں سے جان ہی چھڑا لوں گی، اپنا یہ شوق ہی دفن کر دوں گی، اپنے جنون سے دستبردار ہو جاؤں گی، میں لکھنا چھوڑ دوں گی تو ای دوسروں کے سامنے مجھے بے عزت بھی نہیں کریں گی۔'' اس نے دل پر پتھر رکھ کے یہ سب بول تو دیا لیکن اس کی ان بنجر آنکھوں کی اداسی اور نمی کو دیکھ کے عبید سمجھ سکتا تھا کہ اس نے خود پر کتنا جبر کر کے یہ سب جملے ادا کیے ہوں گے، آخر اپنے عشق جنون سے دستبرداری اتنی آسان تو نہ تھی اور شوق بھی ایسا جو سالوں سے وہ سینچتی آ رہی ہو جس کی آبیاری دنوں نہیں بلکہ سالوں تک کی گئی ہو، اس کا چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے اور وہ بھی بنا کسی ٹھوس وجہ کے صرف دوسروں کے خوف کی وجہ سے، عبید کو اچھی طرح یاد تھا جب وہ بیاہ کر نئی نئی اس گھر میں آئی تو اس نے کیا کہا تھا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔'' شادی کے تیسرے دن وہ بڑی امید کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''مجھے ایک درخواست کرنا تھی، اس کے علاوہ میں ساری زندگی آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی بس میری یہ بات مان لیں۔'' خوف اس کی شہد رنگ آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا، کہ جانے اس کا کیا ردعمل ہو۔

''ہاں یار بولو، بیوی ہو تم میری، آرام سے

بات کرو۔'' عبید کا لہجہ اسے مان دے رہا تھا تو اس نے بھی اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں رسالوں میں کہانیاں لکھنا چاہتی ہوں، یہ میرا بہت پرانا شوق ہے لیکن ابو نے کبھی اجازت نہ دی، میں نے کئی بار ان کی منت بھی کی لیکن انہیں یہ سب پسند نہ تھا اب اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو کیا میں...... اس کے علاوہ میں کبھی کچھ نہ مانگوں گی آپ سے۔'' اس نے گھبرا کر اپنی بات مکمل کی تو عبید کو اس پر ٹوٹ کے پیار آیا۔

"بس اتنی سی خواہش پر وہ اتنا ڈر رہی تھی۔"

پھر اس نے اپنا مکمل مان اور اعتماد اس کے سنگ کیا تو اسے لگا جیسے وہ خوابوں کی دنیا میں جی رہی ہو، جب اس کی پہلی کہانی پر ادارے سے رسالہ اور اعزازیہ ملا تو کتنی دیر تو وہ بے یقینی سے پوسٹ مین کو دیکھے گئی، پوسٹ مین کو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا، پھر جب رسالہ میں اپنا نام دیکھا تو خوشی کے مارے زبان لفظوں کا ساتھ دینے سے ہی انکاری ہو گی، آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کے اپنا راستہ خود بنانے لگے، عبید اس کی خوشی میں خوش تھا، آخر کو اس کی شریک حیات کا خواب پورا ہوا تھا، پھر ایک کے بعد ایک کہانی چھپتی چلی گئی ہر طرف سے اس کی تعریف ہوئی اسے لگا کہ وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہے، عبید کا شکریہ ادا کر کے نہ تھکتی، لیکن مسئلہ شروع تب ہوا جب اس کی ساس نے پڑوسن رشیدہ سے کہا۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ جو لڑکی میں بیاہ کے لا رہی ہوں وہ یوں من گھڑت کہانیاں بنا بنا کے لکھے گی، اس کے ماں باپ نے اگر مجھے اس کے اس گر کے بارے میں بتایا ہوتا تو مجال ہے میں دوبارہ وہاں جاتی، لیکن میرے ساتھ تو فراڈ کیا سادی اور شریف سمجھ کے لائی تھی لیکن یہ تو بڑی چالاکو بی نکلی، جو انسان خود سے کہانیاں بنا بنا کے لکھ سکتا ہے تو وہ شوہر کو ماں سے الگ کرنے کے لئے من گھڑت کہانیاں سنا بھی سکتا ہے، نجانے میرے بیٹے کو ایسا کیا بتاتی ہے کہ وہ بھی مجھ سے زیادہ گھلتا ملتا نہیں اسی کے ساتھ مصروف رہتا ہے۔"

رابعہ اکلوتے بیٹے کی شادی سے پہلے اکیلی اس کی توجہ کا محور تھی اب شادی کے بعد قدرتی طور پر عبید کی توجہ بیوی اور ماں دونوں میں بٹ چکی تھی تو اس کا الزام حنا کے لکھنے پر آ گیا۔

رابعہ بیگم نے ہاتھ نچا نچا کر خود کو مظلوم ظاہر کیا، کچن میں چائے بناتی حنا کے ہاتھ کانپ گئے، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، کہ اس کی ساس اس کے بے ضرر سے شوق پر یوں غیروں کے سامنے بدنام کریں گی۔

"اچھا لکھتی کیا ہے ایسا؟" رشیدہ نے بھی مزہ لینا چاہا۔

"ارے لکھنا کیا ہے خود سے اپنے دل سے کہانی بناتی ہے، لو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی خود سے جھوٹی سچی کہانی لکھو اور پڑھنے والے تعریفوں کے پل باندھ لیں، مجھے تو اب بات کی سمجھ نہیں آتی، گھر میں بھی عبید کو پتہ نہیں کون سی کہانیاں سناتی ہے جو وہ مجھ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ساس کی طنزیہ باتیں سنیں اور دکھی دل کے ساتھ پلٹ آئی، اس کے اس بے ضرر سے شوق کی وجہ سے اسے یوں ذلیل کیا جائے گا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا، اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کیسے اپنی صفائی دیتی کہ لکھنے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ وہ گھر میں بھی من گھڑت باتیں کرتی ہو گی اور جہاں تک لکھنے کی بات ہے تو ضروری نہیں کہ کہانیاں ہر بار ہی خود ساختہ ہوں بلکہ یہ تو ہمارے اردگرد بسنے والے لوگوں کی زندگی سے بھی تولی جا سکتیں ہیں، یہ معاشرے کی سچائی پر بھی تو مبنی ہو سکتی ہیں، جو دوسروں کی اصلاح بھی کر سکتی ہیں۔

وہ یہ سب صرف سوچ ہی پائی، اس کے بعد یونہی ہونے لگا، کوئی اپنا پرایا آ کے بیٹھتا رابعہ بیگم یہی ڈھنڈورا پیٹنے لگیں، اچھے بھلے ٹیلنٹ کو بدنام کر کے رکھ دیا، سننے والا اسے یوں دیکھتا جیسے وہ لکھ کے بہت بڑا گناہ کما رہی ہو، عبید کو بتاتی تو وہ اسے ہی سمجھاتا کہ امی کی باتیں ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دو، وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ

ماں غلط کر رہی ہیں لیکن کہنے سے ڈرتا کہ کہیں وہ انہیں ناراض نہ کر دے، اس لئے بیوی کو سمجھاتا، حنا خود بھی صبر سے کام لیتی، لیکن اس کی برداشت اس وقت ڈگمگائی جب رابعہ نے امی کی ماں سے یہی سب دہرایا، اس نے ساس کو تو کچھ نہ کہا لیکن اپنے شوق سے دستبرداری کا اعلان کر دیا، ابھی تو اسے لکھتے سال بھی مکمل نہ ہوا تھا، گنتی کی چند کہانیاں ابھی تو اس نے فضاؤں میں اڑنا شروع ہی کیا کہ اس کے پر ہی کاٹ دیئے گئے اور وجہ بھی بے نام سی نکلی، بنا لڑائی جھگڑے کے اس نے اپنا فیصلہ عبید کو سنا ڈالا۔

گھر کا ماحول بہتر کرنے کے لئے وہ کتنی بڑی قربانی دینے کو تیار ہو گئی، عبید کو لگا کہ اگر اس نے اپنا یہ خواب یونہی ادھورا چھوڑا تو وہ خود بھی نامکمل رہ جائے گی، اس بات کی خلش اسے بھی بے چین کرتی رہے گی، لکھنا کوئی گناہ تو نہ تھا جس پر بین لگا دیا جاتا، بلکہ یہ تو خداداد صلاحیت ہے جو ہر ایک میں نہیں ہوتی، چنانچہ عبید نے ماں سے بات کرنے کا فیصلہ کیا، وہ جب نیند کی وادی میں اتری تو عبید دبے پاؤں بیڈ سے اترا، ایک نگاہ حنا کے چہرے پر ڈالی تو وہاں اداسی ہی اداسی نظر آئی، آنسوؤں کی ہلکی سی نم لکیریں ابھی بھی نظر آ رہی تھیں، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ روتے ہوئے سوئی تھی اور یہ آنسو خوابوں کو خود نوچ کر دور پھینکنے پر نکلے ہیں، اس نے خود سے عہد کرتے ماں کے کمرے میں پاؤں رکھا تھا کہ ہر حال میں ماں کو منائے گا سمجھائے گا کہ حنا کے معصوم سے خواب اسے واپس لوٹا دیں، پھر جب پونے گھنٹے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو بے حد مطمئن اور مسرور تھا۔

☆☆☆

"حنا بیٹا میں نے سنا ہے کہ تم لکھنا چھوڑ رہی ہو۔" وہ جو ساس کو ناشتہ دے کر پلٹنے والی تھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر میں کہوں کہ ایسا مت کرو تو؟" رابعہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو اسے لگا جیسے اسے وہم ہوا ہو۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، میری بیوقوفی کی وجہ سے تم اپنی اس صلاحیت کو زنگ مت لگنے دینا، یہ تو خداداد صلاحیت ہے ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی۔" انہوں نے صدق دل سے کہا۔

"آپ کو کوئی اعتراض نہیں امی؟" خوشی کے مارے اس کی آواز کانپ اٹھی۔

"نہیں بیٹا مجھے اب کوئی اعتراض نہیں بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ مجھ جیسی کم عقل ساس اور اپنے ابو پر بھی کوئی کہانی لکھ ڈالو تا کہ باقی لوگ یہ غلطی نہ دہرائیں اور کسی اچھے عمل کو برا بنا کے مت روکیں۔" انہوں نے حنا کو خود سے لپٹا لیا تو اس نے سامنے کھڑے عبید کو تشکر سے دیکھا جس نے اس کے لئے یہ سب کیا، اس لمحے اس نے اتنا خیال کرنے والا شوہر عطا کرنے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور عبید کو دیکھ کے مسکرا دی، جس نے اسے وکٹری کا نشان دکھا کے سب ٹھیک ہے کا سگنل دیا تھا۔

☆☆☆

اے بندے

اے بندے جو ہوا، وہ اچھا ہوا، جو ہو رہا ہے، جو ہوگا وہ بھی اچھا ہوگا، تیرا کیا گیا جو تو روتا ہے، تو کیا لایا تھا جو تو نے کھویا۔

جو لیا یہیں سے لیا، جو دیا یہیں پر دیا، جو آج تیرا ہے پہلے کسی اور کا تھا اور کل کسی اور کا ہو گا، تبدیلی کائنات کا معمول ہے، بس تو وہ جمع کر جو تو ساتھ لے جانے والا ہے، وہ ہے نیک اعمال۔

ریحانہ طاہر، ملتان

آم

آپ جب ہیں مرے سگے ابا
عقل سے کام کیوں نہیں لیتے
بیر اور ککڑیاں کھلاتے ہیں
آپ یہ آم کیوں نہیں لیتے

آسمان

کیا خبر تھی اس قدر آٹا گراں ہو جائے گا
جو شکم رکھتے ہیں ان کا امتحاں ہو جائے گا
دیکھتے رہیے اب اس کے نرخ کی اونچی اڑان
ہم زمیں پر ہوں گے اور یہ آسمان ہو جائے گا

نبیلہ راشد، لاہور

نمک حرام

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرعون کے پاس ایک فرمان لائے، جس کا مضمون تھا۔

''بادشاہ کا کیا حکم ہے، اپنے غلام کے حق میں، جس نے اپنے مالک کے مال و نعمت سے پرورش پائی، پھر اس کی ناشکری کی اور اس کے حق میں منکر ہو گیا اور اپنے مولا کا مدعی بن گیا۔''

اس فرعون نے جواب میں لکھا۔

''جو نمک حرام غلام اپنے آقا کی نعمتوں کا انکار کرے اور اس کے مقابل آ جائے، اس کی سزا ہے کہ اسے سمندر میں ڈبو دیا جائے۔''

چنانچہ جب فرعون خود دریا میں ڈوبنے لگا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا وہ فتویٰ اس کے سامنے کر دیا اور اس نے اس کو پہچان لیا۔

ثمرہ جیلانی، میرپور خاص

فرمائش

ایک صاحب نے ریستوران میں چرغے کا آرڈر دیا، چرغہ آیا تو اسے چکھنے کے بعد انہوں نے دوبارہ ویٹر کو بلایا اور پوچھا۔

''تمہارے ہاں چرغہ کس طرح تیار کیا جاتا ہے، گیس کے ذریعے یا کوئلوں پر؟''

''ہمارے ہوٹل میں چرغہ بجلی سے پکایا جاتا ہے جناب!'' ویٹر نے فخر سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے...... تو پھر اسے بجلی کے دو تین جھٹکے اور لگوا لاؤ۔''

ان صاحب نے چرغے کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

فرزانہ اسد، کراچی

روشنی

حضرت ابراہیم تیمی نے موسیٰ بن میران کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے بارے میں سوال

کیا۔

انہوں نے جواب دیا۔

''جب سے مرا ہوں، امراء کی ضیافتوں کا جواب دے رہا ہوں اور ایک سوئی کے بدلے قید میں ہوں جو میں نے مستعار لی تھی اور واپس نہیں کی تھی۔''

پھر میں نے دریافت کیا۔

''کون سی قبروں میں روشنی ہے؟''

آپ نے فرمایا

''دنیا میں مصیبت زدگان کی قبروں میں روشنی ہے۔''

عالیہ وحید، میرپور خاص

لاجواب

خلیفہ ہارون الرشید بہت حاضر دماغ تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا

''آپ کبھی کسی بات پر لاجواب ہوئے ہیں؟''

انہوں نے کہا۔

''ہاں! تین مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ میں لاجواب ہو گیا، ایک مرتبہ ایک عورت کا بیٹا مر گیا اور وہ رونے لگی، میں نے اس سے کہا، آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھو اور مت رو، اس نے جواب دیا کہ میں اس بیٹے کے مرنے پر کیوں نہ روؤں جس کے بدلے خلیفہ میرا بیٹا بن گیا۔

دوسری مرتبہ مصر میں کسی شخص نے موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعوا کیا، میں نے اسے بلوا کر کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تو اللہ کے دیے ہوئے معجزات تھے، اگر تو موسیٰ علیہ السلام ہے تو کوئی معجزہ دکھا، اس نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو اس وقت معجزہ دکھایا تھا جب فرعون نے خدائی کا دعوا کیا تھا، تو یہ دعوا کر تو میں معجزہ دکھاؤں گا۔

تیسری مرتبہ لوگ ایک گورنر کی غفلت اور کاہلی کی شکایت لے کر آئے، میں نے کہا کہ وہ شخص تو بہت شریف اور ایمان دار ہے، انہوں نے جواب دیا تو پھر اپنی جگہ اسے خلیفہ بنا دیں، تاکہ اس کا فائدہ سب کو پہنچے۔

حمیرا اکرم، کراچی

ہم نوالہ

حضرت جنید بغدادیؒ جنگل میں بیٹھے تھے، سامنے پیالہ دھرا تھا، پیالے میں دودھ اور روٹی کے ٹکڑے تھے، ایک کتا پیالے میں منہ ڈال کر روٹی کھا رہا تھا اور آپ زاروقطار رو رہے تھے، ایک شخص نے ان کی حالت دیکھی، خیال کیا، شاید ظالم کتا ان سے زبردستی چھین کر کھا رہا ہے، قریب جا کر حال پوچھا، جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔

''میں اس لیے رو رہا ہوں، کہ اس دنیا میں تو میری اور کتے کی حالت یکساں ہے، ہم دونوں ہم نوالہ پیالہ ہیں، نہ جانے ہم میں سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں کون بہتر ہے۔''

ثناء خواجہ، لاہور

وغیرہ...... وغیرہ

☆ مواقع نکل جاتے ہیں، مگر مواقع ختم نہیں ہوتے۔

☆ خاموشی اظہار نفرت کا بہترین ذریعہ ہے۔

☆ جڑیں سلامت ہوں تو ٹنڈ منڈ درختوں پر بھی موسم بدلتے ہی پھول آ جاتے ہیں۔

☆ اپنے اندر روگ مت پالیے، اس دنیا میں آپ ایک ہی تو ہیں۔

☆ نئی بنیادیں وہ لوگ بھر سکتے ہیں جو اس راز سے واقف ہوں کہ پرانی بنیادیں کیوں بیٹھ گئیں۔

☆ نا سے بات شروع ہو تو دامن ہی نہیں دل بھی تنگ ہو جاتا ہے، پھر نہ دل میں جگہ ملتی ہے،

نہ دامن میں۔

☆ جو روگ دل کو لگ جائیں وہ کوڑھ کی طرح بڑھتے ہیں۔

☆ زخم لگتا ہے تو انسان تڑپ کر اپنی طرف مڑتا ہے، یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب کسی کو خود آگہی ودیعت کی جاتی ہے۔

☆ خواب زندگی کی دلیل ہیں، انہیں کبھی ہارنے مت دینا۔

خالدہ رضا، فیصل آباد

تحفہ

ہم جب بھی اسلام آباد جاتے ہیں تو کسی کو نہیں بتاتے کہ ہم آرہے ہیں، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سب دوست گھر پر مل جاتے ہیں، اسلام آباد پہنچ کر ہم نے ''نذیر عامر'' کو فون کیا کہ ہم اسلام آباد آئے ہوئے ہیں، وہ خوش ہوئے، ہم نے کہا۔

''مصروفیت کی بنا پر آپ کے ہاں نہیں آ رہے۔'' وہ اور خوش ہوئے، ڈاکٹر تاش مرزا ازبکستان ایمبیسی سے وابستہ تھے، انہوں نے شام کو کھانے پر بلایا۔

اسلام آباد میں لوگ کھانے کو کام سمجھتے ہیں، اس لئے کہا جائے کہ صاحب کام کر رہے ہیں تو کچھ پتا نہیں، اس سے کیا مراد ہو۔

اسلام آباد مارکیٹ سے ہم نے ازبک دوستوں کے لئے تحفے خریدے، ان میں سے ایک شیشے کا پین بھی تھا، دکان دار نے کہا۔

''یہ بہت پائیدار چیز ہے، کئی سال چلے گا، بس آپ احتیاط کریں کہ اس سے لکھنے کا کام نہ لیں، البتہ اس سے چائے میں چینی گھول سکتے ہیں۔''

زافعہ عماد، کراچ

بارش کی آواز

بارش کی آواز کو سن کر
پیڑوں کی آغوش میں سبھی شاخیں
جھومنے لگتی ہیں
کھڑکی کے شیشوں پر جس دم
بوندیں پڑتی ہیں تو بارش کی آواز گھروں میں
خوشبوں بن کر در آتی ہے، دنیا کے بے انت
دکھوں اور اندیشوں کی اڑتی مٹی بیٹھتی ہے اور
مجھے دلوں کی اقلیموں میں
شمعیں جلنے لگتی ہیں
راہیں چلنے لگتی ہیں
بارش کی آواز کو سن کر

مشعال احمد، کراچی

قطرہ قطرہ

☆ اگر تم دنیا کے بغیر کام چلا سکتے ہو تو دنیا بھی تمہارے بغیر کام چلا سکتی ہے۔

☆ رات جتنی زیادہ اندھیری ہوگی صبح اتنی ہی قریب ہوگی۔

☆ میں فخر و غرور سے نفرت کرتا ہوں، اگر یہ دوسروں میں ہو۔

☆ یہ بھڑ کا چھتا ہے، اگر تم پہلے ہی وار میں اسے تمام نہیں کر سکتے تو اسے مت چھیڑو۔

☆ وقت آدمی کو ضعیف نہیں کر سکتا، آدمی خود اپنے آپ کو ضعیف کرتا ہے۔

فوزیہ ثمر، گجرات

تاخیر

لوگ بہت بھولے ہیں جاناں
آج مجھے بتلانے آئے
دیکھو چاروں جانب پھر سے
پھول اور کلیاں کھل اٹھی ہیں
تم ہی سوچو
میں ان کے اب آنے سے کیا حاصل

☆☆☆

ریحانہ طاہر ---- ملتان

آج پھر ساون ٹوٹ کے برسا ہے
آج پھر کسی کے لہجے میں نمی ہے
پھر سے وحشتوں کے ہالے میں ہوں مقید
آج پھر یادوں کی محفل جمی ہے

....

لوگ یاد آتے ہیں بارشوں کے موسم میں
درد مسکراتے ہیں بارشوں کے موسم میں
زیر آب آ گئی ہیں بستیاں دل و جاں کی
بند ٹوٹ جاتے ہیں بارشوں کے موسم میں

....

وہ اک شخص جو آیا ہے آندھیاں لے کر
اسی سے اپنے دیے کی ضمانتیں مانگوں
سکون ملتا ہے رونے سے دل کو آذر
شدید ہو موسم تو بارشیں مانگوں

نبیلہ راشد ---- لاہور

کس سے کہوں اپنی تباہی کا ماجرا
جنگل ہرا بھرا تھا جسے آگ لگ گئی

....

سب یہ سمجھ رہے کہ موسم بدل گیا
انسان کی بے بسی پہ فلک آبدیدہ ہے

....

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں
ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
عمریں بیت جاتی ہیں دل کو دل بنانے میں

ثمرہ جیلانی ---- میرپور خاص

بارش کی رم جھم میں جدائیوں کا موسم ہے
منتظر نگاہوں میں پانیوں کا موسم ہے
خواب بن کر نگاہوں میں کوئی نہیں آئے گا
ان جزیروں میں اب رتجگوں کا موسم ہے

....

پیار کا دیوتا مارے گا مجھے پہلا تیر
دوسرا تیر بھی پھر مجھ کو ہی کھانا ہو گا
کیسے بھولے گا تیرا پیار سے تپتا ہوا لمس
برف باری میں اکیلے جسے جانا ہو گا

....

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہو گئے
موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہو گئے
بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

فرزانہ اسد ---- کراچی

بارشوں کے موسم میں بارشیں تو ہوتی ہیں
دل میں بھیگ جانے کی خواہشیں تو ہوتی ہیں
وصل کے اجالوں میں اوڑھنی میں چھپ کر بھی
ہجر کے اندھیروں کی وحشتیں تو ہوتی ہیں

....

وہ ہوا تو نہیں تھی لڑکی تھی
کس لئے اتنی سر پھری نکلی
تیرے لہجے میں کیا نہیں تھا مگر
صرف سچ کی ذرا کمی نکلی

....

کیوں یہ تکرار سی ہونے لگی میں کی جاناں
وہ جو ہم تم میں تھا اک ہم مجھے واپس کر دو

عالیہ وحید ---- میر پور خاص

بھری پری میری دنیا میں اک مدت سے
کسی کی اتنی کمی ہے کہ کچھ نہ پوچھو تم
وہ زخم اب کے پایا ہے کہ کچھ نہ پوچھو تم
وہ مات اب کے ہوئی کہ کچھ نہ پوچھو تم

....

جانے کب طوفان بنے اور رستہ رستہ بچھ جائے
بند بنا کر سو مت جانا دریا آخر دریا ہے

....

سر محفل نگاہیں جن لوگوں کی مجھ پر پڑتی ہیں
نگاہوں کے حوالے سے وہ چہرے یاد رکھتا ہوں
ذرا سا ہٹ کر چلتا ہوں زمانے کی روایت سے
کہ جن پر بوجھ ڈالوں وہ کندھے یاد رکھتا ہوں

حمیرا اکرم ---- کراچی

کس سے کہوں اپنی تباہی کا ماجرا
جنگل ہرا بھرا تھا جسے آگ لگ گئی

....

ہے اگر مجھ کو خطر تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

....

پیڑوں میں شب کو بھرتی ہے جب سسکیاں ہوا
لیتی ہے دل میں یاد بھی انگڑائیاں بہت
ہم سے بچھڑ کے وہ بھی حقیقت میں خوش نہیں
کرتا ہے یوں تو انجمن آرائیاں بہت

ثناء خواجہ ---- لاہور

برس رہا ہے مگر تشنگی نہیں بجھتی
میں ریگ زار ہوں اور وہ گھٹاؤں جیسا ہے
ترے خیال سے بچ کر بتا کہاں جاؤں
یہاں سکوت بھی تیری صداؤں جیسا ہے

....

کچھ بھی اس ترک مراسم کا سبب ہو لیکن
سچ کہو تم بھی مجھے کھو کر پشیمان ہوتا؟
غم کے اظہار کو میں ایسا سمجھتا ہوں کمال
بزم میں جیسے کسی شخص کا عریاں ہونا

....

پھر دوستوں سے ترک مراسم کا کیا خیال
کیا سوچنا کہ اس نے پکارا نہیں ہمیں
کچھ دن کی بات ہے کہ اسے جانتے نہ تھے
آج اس سے بڑھ کے کوئی پیارا نہیں ہمیں

خالدہ رضا ---- فیصل آباد

محبت بھی کرنی عداوت بھی رکھنی
عجب بندگی ہے عجب تشنگی ہے

....

جہالتوں کے جزیرے میں ہو گیا مدفون
میں آگہی کے سمندر میں ڈوبنے والا
میں سن رہا ہوں کسی شخص بے نوا کی صدا
یہ کون ہے مرے لہجے میں بولنے والا

....

تھا سبھی کے لئے مسیحا وہ
بس مرا درد ہی نہ سمجھا وہ
مجھ میں تو خود بڑے سمندر ہیں
تھا کوئی اور ہی جزیرہ وہ

رافعہ عماد ---- کراچی

وفا کے راہرو کو کیوں سدا برباد دیکھا ہے
کیا طوفان میں گھر کر کوئی آباد دیکھا ہے
سنو کیسے محبت پر ہو ایمان پھر قائم
بتایا اک پتھر کو بہت ناشاد دیکھا ہے

....

کرتے ہیں سب ہجوم مصائب میں بندگی
یاد خدا بغیر ضرورت بھی چاہیے

....

تو جو بدلا بدل گئے ہم بھی

پیار کرتے تھے بندگی تو نہیں
وقت کٹ جائے گا بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

آمنہ سلمان ---- لاہور

مرا وجود مری ذات کو کھلتا ہے
میں آئینہ ہوں مگر جھوٹ بولنے والا
اب اس سے بڑھ کر مجھے کیا عذاب دے گا کوئی
کہ خود سے روٹھ گیا مجھ سے چھوٹنے والا

....

خواب صندل لڑکی
انتظار دیمک روگ
لگ جائے جن نینوں کو
اڑتے پھول بکھرے سوگ

....

وقت رخصت آ گیا دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اس کو ہم کیا کھوئیں گے جس کو کبھی پایا نہیں

نمرہ احمد ---- کراچی

چلو یونہی انا اگر آپ کی تسکین پاتی ہے
تو میں حق گوئی کا انمول گوہر بیچ دیتا ہوں
حیات چند روزہ کے سکون خام کی خاطر
میں اپنی دائمی قدروں کا پیکر بیچ دیتا ہوں

....

یہ لوٹ کے گھر جانے کی مجبوری مجھے تو
کھل کر ترے رستوں پہ بکھرنے نہیں دیتی
کیوں زیست مجھے رکھتی ہے مابین ہمیشہ
کیوں ٹھیک سے کچھ بھی مجھے کرنے نہیں دیتی

....

غیروں کی کیا جرأت مجھے محفل سے اٹھائیں
دیکھا جو اس کی طرف اس نے بھی اشارہ کر دیا

ارم ذاکر ---- فیصل آباد

جنگل میں سانپ شہر میں بستے ہیں آدمی
سانپوں سے بچ کر آئیں تو ڈستے ہیں آدمی
تھی خاک سب سے قیمتی شے آسمان پر
اور اس زمین پر فلک سے ستے ہیں آدمی

....

رتوں پہ بس نہ چلا ورنہ یہ دنیا والے
ہوائیں بیچتے نیلام رنگ و بو کرتے

....

بھڑکائیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں
صحرا میرا چہرا ہے سمندر تیری آنکھیں
بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر مجھے لیکن
کھلتی ہیں بہت دل میں اتر کر تیری آنکھیں

زینب رانا ---- میر پور خاص

چلو اچھا ہوا کام آ گئی دیوانگی اپنی
ورنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

....

کام ان سے آ پڑا ہے مقدر کی بات ہے
ہم جن سے گفتگو کے روا دار نہ تھے

....

آنکھوں میں بسا لیتے ہیں روٹھے ہوئے منظر
جاتے ہوئے لوگوں کو پکارا نہیں کرتے
مر جائیں گے پر ہار نہ مانیں گے اپنی
ہم تو وہ ہیں جو مر کے بھی ہارا نہیں کرتے

رابعہ اسلم ---- ملتان

دو چار لفظ کہہ کے میں خاموش ہو گیا
وہ مسکرا کر بولے بہت بولتے ہو تم

....

دل میرا اک کتاب کی صورت
جس میں وہ ہے گلاب کی صورت
حسن کچے گھڑے کا شیدائی
عشق موج چناب کی صورت

☆☆☆

ریحانہ طاہر ----- چوٹالہ
س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا، اب تم؟
س: ہر شوہر کی بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

نبیلہ راشد ----- لاہور
س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

ثمرہ جیلانی ---- میر پور خاص
س: السلام علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: برا مان جاؤ گی پڑھ کر۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں، دعا کریں گے۔
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

فرزانہ اسد ---- کراچی
س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں، برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی نو بائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔

☆☆☆

پوشیدہ ٹیکس

محمود نے سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے سرفراز سے پوچھا۔
''اس دفعہ سگریٹوں کے دام کیوں بڑھا دیئے گئے ہیں؟''
سرفراز نے جواب دیا۔
''یہ ایک پوشیدہ ٹیکس ہے، اس نئے قبرستان کو ترقی دینے کے لئے، جو صرف سگریٹ نوشوں کے لئے مخصوص ہوگا۔''

ریحانہ طاہر، ملتان

خرابی

رمضان نے نئی گاڑی خریدی اور ابھی ڈرائیونگ سیکھ ہی رہے تھے کہ ایک روز شاہ جی کو اپنے ساتھ گاڑی میں بیٹھا کر لے گئے، کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رمضان نے گویا کان لگا کر سننے کے بعد شاہ جی کو مخاطب کیا۔
''آپ یہ ٹھک ٹھک کی آوازیں سن رہے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس گاڑی کے رنگ پسٹن خراب ہیں؟''
''یہ رنگ پسٹن کی نہیں، بار بار ڈیش بورڈ سے میرے گھٹنے ٹکرانے کی آواز ہے۔'' شاہ جی نے ذرا ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

نبیلہ راشد، لاہور

دلیل

بیوی نے ایک خبر پڑھنے کے بعد اخبار سے نظریں ہٹا کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا، جو پینے پلانے کا شوقین واقع ہوا تھا، پھر وہ بولی۔
''ام الخبائث نے ایک اور انسان کی جان لے لی، ذرا یہ خبر پڑھو، کیماڑی سے ایک شخص منوڑہ کی سیر کے لئے لانچ میں بیٹھا، نشے میں ہونے کی وجہ سے وہ الٹی سیدھی حرکتیں کر رہا تھا، آخر کار سمندر میں گر پڑا اور ڈوب گیا، بدنصیب اگر شرابی نہ ہوتا تو آج زندہ ہوتا۔''
''سمندر میں گرنے تک وہ زندہ تھا نا؟'' شوہر نے پوچھا۔
''ہاں۔'' بیوی نے جواب دیا۔
''پانی میں ڈوبنے کے بعد مرا ہوگا؟'' شوہر نے مزید تصدیق چاہی۔
''ہاں۔'' بیوی کو تسلیم کرنا پڑا۔
''تو پھر یوں کہو نا کہ وہ پانی کی وجہ سے مرا، شراب کو کیوں الزام دے رہی ہو؟'' شوہر برا سا منہ بنا کر بولا۔

ثمرہ جیلانی، میر پور خاص

اظہار حیرت

بس میں ایک بچے نے اپنی ماں کی قمیض کھینچتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''امی...... امی...... دیکھیں اس آدمی کے سر پر بال ہی نہیں ہیں۔''
''ششش......'' ماں نے جلدی سے اسے چپ کراتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔
''وہ سن لے گا؟''
''تو کیا اسے یہ بات معلوم نہیں ہے؟'' بچے نے معصومیت سے پوچھا۔

فرزانہ اسد، کراچی

جمہوریت

مینجنگ ڈائریکٹر نے اپنی کمپنی کے بورڈ آف ممبران کے اجلاس میں کسی منصوبے کے بارے میں اپنی کئی تجاویز پیش کیں اور کہا۔

''میں اپنی رائے کسی پر مسلط کرنا نہیں چاہتا، میری خواہش ہے کہ میں اس سلسلے میں آپ لوگوں سے ووٹ لے کر اس کام کا آغاز کروں۔''

بورڈ کے ممبروں نے نہایت پسندیدگی سے اپنے مینجنگ ڈائریکٹر کو دیکھا۔

تب ڈائریکٹر نے دوبارہ کہا۔

''ہاں تو اب وہ تمام ممبران جنہیں میری تجویز سے اتفاق نہ ہو، اس اعلان کے ساتھ اپنے ہاتھ بلند کر دیں، جو اس بات کا اشارہ ہوگا کہ وہ استعفیٰ دینا چاہتے ہیں۔''

عالیہ وحید، میر پور خاص

خفگی

ایک فیکٹری کا مزدور پاگل ہو گیا، اسے پاگل خانے میں داخل کر دیا گیا، چند دن بعد اس کا ایک ساتھی مزدور اس سے ملنے پاگل خانے پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد بولا۔

''اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''بہت اچھا۔'' پاگل مزدور نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم جلدی فیکٹری میں واپس آ جاؤ گے؟'' ساتھی مزدور نے پرامید لہجے میں کہا۔

''میں اتنے بہت سے کمروں اور باغیچوں والا گھر چھوڑ کر اس منحوس فیکٹری میں مزدوری کرنے واپس آ جاؤں؟ تم نے مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے کیا؟'' مزدور بگڑ کر بولا۔

آمنہ، لاہور

میدان مار لیا

کسی گاؤں میں ایک کسان کے سرکش خچر نے اس کی ساس کے اتنی زور سے لات ماری کہ وہ بے چاری چل بسی، جنازہ اٹھاتے اٹھتے بہت ہجوم جمع ہو گیا۔

مولانا بولے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ اس گاؤں میں کافی ہردلعزیز تھیں، جبھی اتنے بہت سے لوگ اپنا کام چھوڑ کر جنازے میں شرکت کے لئے آئے ہیں۔''

کسان بولا۔

''اس کی وجہ مرحومہ کی ہردلعزیزی نہیں ہے، یہ سب لوگ یہاں اس لئے آئے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص میرے خچر کو خریدنے کے لئے بے تاب ہے۔''

حمیرا اکرم، کراچی

معیار میرٹ

ایک دفعہ ایک وزیر صاحب عوام کی شکایت سن رہے تھے، مجمع میں سے ایک لڑکی آگے بڑھی اور ایک درخواست وزیر موصوف کو دیتے ہوئے بولی۔

''سر؟ میں ایم اے پاس ہوں اور مجھے نوکری چاہیے۔''

وزیر موصوف لڑکی سے درخواست و اسناد وغیرہ لینے کے بعد بولے۔

''میں وزیراعلیٰ سے گزارش کروں گا۔''

جب وزیر صاحب، وزیراعلیٰ سے ملے، ان سے نوکری کی بات کی اور ساتھ ہی درخواست بھی دی تو وزیراعلیٰ صاحب بولے۔

''نوکریاں صرف میرٹ کی بنیاد پر دی جائیں گی۔''

وزیر صاحب غصے سے بولے۔

''میرٹ..... کیسا میرٹ؟ میں ان پڑھ ہوں اور وزیر ہوں، آپ مڈل پاس ہیں اور وزیراعلیٰ ہیں، جو بی اے ہے، وہ وزیراعظم ہے، مگر جو ایم اے ہے، وہ کچھ بھی نہیں، پھر میرٹ کیسا؟''

ثنا خواجہ، لاہور

قسمت مہربان ہو گئی

ایک صاحب کشتی میں بیٹھ کر مچھلی کے شکار کو گئے، شام تک ایک مچھلی بھی ان کے ہاتھ نہ لگی، واپسی میں ان کی نظر قریب سے گزرتی ہوئی ایک اور کشتی پر پڑی، جس میں ایک نوجوان لڑکا اور ایک خوب صورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

ان صاحب نے لڑکے سے پوچھا۔

''کہیے؟ آپ پر قسمت مہربان ہوئی؟''

لڑکے نے چہک کر جواب دیا۔

''بہت زیادہ۔''

ان صاحب نے رشک بھرے لہجے میں کہا۔

''مبارک ہو...... یہ تو بتایئے کہ آپ نے کانٹوں پر چارہ کون سا لگایا تھا؟''

نوجوان نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''ہم مچھلی کے شکار کو نہیں نکلے تھے۔''

خالدہ رضا، فیصل آباد

شیطان

مرزا غالب رمضان کے مہینے میں دہلی کے محلے قاسم جان کی ایک کوٹھری میں پچیسی کھیل رہے تھے، میرٹھ سے ان کے شاگرد مفتی شیفتہ دہلی آئے، تو مرزا صاحب سے ملنے گلی قاسم جان آئے، انہوں نے دیکھا کہ رمضان کے متبرک مہینے میں مرزا پچیسی کھیل رہے تھے، انہوں نے اعتراض کیا۔

''مرزا صاحب ہم نے سنا ہے کہ رمضان میں شیطان بند کر دیا جاتا ہے۔''

مرزا غالب نے جواب دیا۔

''مفتی صاحب آپ نے ٹھیک سنا ہے شیطان جہاں قید کیا جاتا ہے، وہ کوٹھری یہی ہے۔''

ریحانہ طاہر، ملتان

ماڈل

ایک مشہور معروف سرجن کی گاڑی راستے میں خراب ہو گئی، وہ کسی نہ کسی طرح اسے دھکیل کر مکینک کے پاس لے گئے اور کوئی آدھ گھنٹے میں مکینک نے ٹھوک بجا کر اسے چلنے کے قابل بنا دیا، جب وہ چلنے لگے تو مکینک نے ہاتھ میں بل تھما دیا۔

''آدھ گھنٹے کے کام کا اتنا معاوضہ؟'' وہ حیران ہو کر چیخے۔

''اتنا لمبا چوڑا بل تو ہم ڈاکٹر بھی نہیں بناتے۔''

''ڈاکٹر صاحب! مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہمارا واسطہ ہر سال ایک نئے ماڈل سے پڑتا ہے، جبکہ آپ لوگ صدیوں سے ایک ہی پرانے ماڈل پر کام کیے جا رہے ہیں۔'' مکینک نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

نبیلہ راشد، لاہور

ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں نثار صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔''

''کیا ثبوت ہے اس بات کا۔'' مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔

''ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا۔''

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

آمنہ سلمان: کی ڈائری سے پیارے وطن کے حوالے سے ایک خوبصورت نظم

''کسی نے سچ کہا ہے یہ!''

محبت اور کہانی میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا
مگر میری محبت تو
کہانی ہی کہانی ہے
محبت کی کہانی میں
کوئی راجہ نہ رانی ہے
نہ شہزادہ نہ شہزادی
محبت کی کہانی تو
مسافت ہی مسافت ہے
محبت کی مسافت اور
ضرورت کی مسافت میں
مسافر واپسی کے سارے امکان پاس رکھتا ہے
محبت کی مسافت میں
مسافر کے پلٹنے کا کوئی رستہ نہیں ہوتا
وہ ساری کشتیاں اپنی
جلا دیتے ہیں ساحل پر
کہ نا امید ہونے پر
پلٹنا بھی اگر چاہیں
تو واپس جا نہیں پائیں
وہی غرقاب ہو جائیں
محبت کی کہانی میں مسافت کی بشارت تھی
مسافت طے ہوئی تو پھر
جلا ڈالی تھیں میں نے بھی
وہیں سب کشتیاں اپنی
جہاں پہلا پڑاؤ تھا
شکستہ جسم تھا میرا
میرے سینے میں گھاؤ تھا
بھڑکتا اک الاؤ تھا
کسی کی چاہ میں سب کچھ لٹا کر
آ گیا تھا میں
کہاں پر آ گیا تھا میں؟
جہاں پہچان کا اپنی
حوالہ ہی نہیں ملتا
حوادث کے تھپیڑوں سے
سنبھالا ہی نہ ملتا تھا
شب تیرہ سے نکلا تھا
اُجالوں کی تمنا میں
مگر مجھ کو کسی جانب
اُجالا ہی نہ ملتا تھا
مگر ہمت نہیں ہاری
یہاں تک آ گیا ہوں میں
جہاں ہر سو اُجالا ہے
میری پہچان ہے اپنی، وطن میرا حوالہ ہے
مجھے اس نے سنبھالا ہے
اسے میں نے سنبھالا ہے
یہی میرا حوالہ ہے
یہی میرا حوالہ ہے

نمرہ احمد: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل

تمام عمر عذابوں کا سلسلہ تو رہا
یہ کم نہیں ہمیں جینے کا حوصلہ تو رہا
گزر ہی آئے کسی طرح تیرے دیوانے
قدم قدم پہ کوئی سخت مرحلہ تو رہا
چلو نہ عشق ہی جیتا، نہ عقل ہار سکی
تمام وقت مزے کا مقابلہ تو رہا
میں تیری ذات میں گم ہو سکا نہ تو مجھ میں
بہت قریب تھے ہم پھر بھی فاصلہ تو رہا
یہ اور بات کہ ہر چھیڑ لا اُبالی تھی
وہ تری نظر کا دلوں سے معاملہ تو رہا

ارم ذاکر: کی ڈائری سے فیض احمد فیض کی نظم

''صبح آزادی''

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل
جواں لہو کی پراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیار حسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پکارتی رہیں باہیں بدن بلاتے رہے
بہت عزیز تھی لیکن رخ سحر کی لگن
بہت قریں تھا حسینان نور کا دامن
سبک سبک تھی تمنا دبی دبی تھی تھکن
سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراق ظلمت و نور
سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصال منزل و گام
بدل چکا ہے بہت اہل درد کا دستور
نشاط وصل حلال و عذاب ہجر حرام
جگر کی آگ نظر کی امنگ دل کی جلن
کسی پہ چارہ ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں
کہاں سے آئی نگار صبا، کدھر کو گئی
ابھی چراغ سر راہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرانی شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

زینب رانا: کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی نظم

''بادل، میں اور تم''

بادل کے اور بحر کے رشتے عجیب ہیں
کالی گھٹا کے دوش پہ برفوں کا ہے درخت
جتنے زمین پہ بہتے ہیں دریا سبھی کا رخ
ایک بحر بے کنار کی منزل کی سمت ہے
خوابوں میں ایک بھیگی ہوئی خوش دلی کے ساتھ
ملتی ہے آشنا سے کوئی اجنبی سی سوچ
بادل بھنور کے ہاتھ سے لیتے ہیں اپنا رزق
پھر اس کو بانٹتے ہیں عجب بے رخی کے ساتھ
جنگل میں صحن باغ میں شہروں میں دشت میں
چشموں میں آبشاروں میں جھیلوں کے طشت میں
گاہے یہ اوس بن کے سنورتے ہیں برگ برگ
گاہے کسی کی آنکھ میں رہتے ہیں اس طرح
آنسو کی ایک بوند میں دجلہ دکھائی دے
اور دوسرے ہی پل میں جو دیکھو تو دور تک
ریگ رواں میں درد کا صحرا دکھائی دے
بادل کے اور بحر کے جتنے ہیں سلسلے
مجھ سے بھی تیری آنکھ کے رشتے وہی تو ہیں

رابعہ اسلم: کی ڈائری سے ناصر کاظمی کی نظم

''بارش کی دعا''

اے داتا بادل برسا دے
فصلوں کے پرچم لہرا دے
دیس کی دولت دیس کے پیارے
سوکھ رہے ہیں کھیت ہمارے
ان کھیتوں کی پیاس بجھا دے
اے داتا بادل برسا دے
یوں برسیں رحمت کی گھٹائیں
داغ پرانے سب دھل جائیں
اب کے برس وہ رنگ جما دے
اے داتا بادل برسا دے

کھیتوں کو دانوں سے بھر دے
مردہ زمیں کو زندہ کر دے
کیاری کیاری پھول کھلا دے
اے داتا بادل برسا دے
تو سنتا ہے سب کی دعائیں
داتا ہم کیوں خالی جائیں
ہم کو بھی محنت کا صلہ دے
اے داتا بادل برسا دے

فائدہ گیلانی: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
جو دور افق پر رہتے ہیں
وہ لوگ جو میرے اپنے تھے
کیوں ہنستے ہنستے روٹھ گئے
تڑپاتے ہیں سسکاتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
اک روز میں یونہی شام ڈھلے
بس تنہا تنہا بیٹھا تھا
تب چاند مجھے الجھا سا لگا
مجھ سے آخر یہ کہنے لگا
معلوم ہے کچھ تم کو ارشد
وہ لوگ جو میرے اپنے تھے
کیوں مجھ سے آخر روٹھ گئے
میں ہر شب ڈھونڈتا رہتا ہوں
پر مشکل ہے
تڑپاتے ہیں سسکاتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

میمونہ خرم: کی ڈائری سے ایک غزل

خیال و خواب ہوئی ہیں محبتیں کیسی
لہو میں ناچ رہی ہیں وحشتیں کیسی
نہ شب کو چاند ہی اچھا نہ دن کو مہر اچھا
یہ ہم پہ بیت رہی ہیں قیامتیں کیسی
ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی
جو بے خبر کوئی گزرا تو یہ صدا دی ہے
میں سنگ راہ ہوں مجھ پر عنایتیں کیسی
نہیں کہ حسن ہی نیرنگیوں میں طاق نہیں
جنوں بھی کھیل رہا ہے سیاستیں کیسی
نہ صاحبان جنوں ہیں نہ اہل کشف و کمال
ہمارے عہد میں آئیں کثافتیں کیسی
یہ دور بے ہنراں ہے بچا رکھو خود کو
یہاں صداقتیں کیسی کرامتیں کیسی

انیقہ وحید: کی ڈائری سے منظر بھوپالی کی غزل

دل ہے ہیرے کی کنی جسم گلابوں والا
میرا محبوب دراصل ہے کتابوں والا
حسن ہے رنگ ہے شوخی ہے ادا ہے اس میں
اک ہی جام مگر کتنی شرابوں والا
یار آئینہ ہوا کرتے ہیں یاروں کے لئے
تیرا چہرہ تو ابھی تک ہے حجابوں والا
مجھ سے ہو گی نہیں دنیا یہ تجارت دل کی
میں کروں کیا کہ میرا ذہن ہے خوابوں والا
تو رہے نہ رہے تیرے ظلم رہیں گے باقی
دن تو آنا ہے کسی روز حسابوں والا
حسن بے باک سے ہو جاتی ہیں آنکھیں روشن
دل میں اترا ہے مگر روپ حجابوں والا
جو نظر آتا ہے حاصل نہیں ہوتا منظر
زندگی کا بھی سفر ہے سرابوں والا

ریحانہ طاہر: کی ڈائری سے ایک غزل

گردش کے بعد ذات کا محور ملا مجھے
جس سے نکل گیا تھا وہی گھر ملا مجھے
ذرے کے ایک جز سے کھلا راز کائنات
قطرے کی وسعتوں میں سمندر ملا مجھے
کتنی عجیب بات ہے جو چاہتا تھا میں
قسمت سے اس طرح کا مقدر ملا مجھے

☆☆☆

افراح طارق

چکن ویجی ٹیبل اسٹکس

اشیاء

مرغی کی بوٹیاں	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (چوکور کٹی ہوئی)	آدھا کپ
شملہ مرچ	آدھا کپ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

مرغی کی بوٹیاں نسبتاً بڑی لیں، اس میں کالی مرچ، نمک، سرکہ، زردے کا رنگ اور سویا سوس ملا کر تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں، پیاز، ٹماٹر اور شملہ مرچ کے چوکور بڑے ٹکڑے کاٹ لیں، مصالحہ لگی ہوئی بوٹیوں اور سبزی کو ترتیب سے اسٹک میں لگائیں اور اوون میں 180 ڈگری سینٹی گریڈ پر بیس منٹ کے لئے بیک کر لیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

چکن اسپیگیٹھی کٹلس

اشیاء

مرغی (ابال کر ریشے کر لیں)	ایک کپ
اسپیگیٹھی	دو کپ
مایونیز	آدھا کپ
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
کالی مرچ (موٹی کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
انڈے	دو عدد
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

مرغی، مٹر، اسپیگیٹھی مایونیز، چائنیز نمک، عام نمک اور کالی مرچوں کو ملا کر چوپر میں باریک پیس لیں، مرکب کو آدھے گھنٹے کے لئے فریج میں رکھ دیں، آدھے گھنٹے بعد حسب پسند کٹلس بنا لیں تھوڑا تیل گرم کریں۔

پہلے انڈے میں ڈپ کریں، پھر بریڈ کرمز میں رول کر کے شیلو فرائی کر لیں، مزے دار کٹلس چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

ہاٹ ونگز

اشیاء

چکن ونگز (دو ٹکڑوں میں توڑ لیں)	آٹھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہاٹ سوس	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

نمک، ادرک اور لہسن مکس کر کے چکن ونگز کو اس مصالحے سے میری نیٹ کر لیں، مائیکرو ویو کنٹینر میں ڈال کر ڈھانپ دیں، چھ تا سات منٹ پکائیں، مائیکرو ویو میں سے نکالیں اور جو یخنی بچ گئی ہے اس میں سرکہ، سرخ پاؤڈر مرچ اور ہاٹ سوس ملا کر پیسٹ سا بنا لیں اور پھر سوس

کوٹنگز میں مکس کر کے بغیر ڈھانپے مائیکرو ویو میں تین تا چار منٹ پکائیں اور پھر نکال لیں، سرونگ پلیٹ میں ڈال کر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

چکن شیزان

اشیاء

چکن	آدھا کلو
ٹماٹر	ایک پاؤ
ہری پیاز	ایک پاؤ
تیل	آدھا کپ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن میں چلی گارلک سوس، نمک، سفید مرچ، سویا سوس، چائنیز نمک ڈال کر آدھا گھنٹہ رکھیں، تیل گرم کریں، اس میں چکن ڈالیں اور پانچ منٹ تل لیں، ڈھک کر پکائیں، مرغی گل جائے تو ہری پیاز اور ٹماٹر ڈالیں، اس کے بعد کارن فلور پانی میں حل کر کے ڈالیں، پانچ منٹ پکائیں، ٹماٹر پک جائے اور چکن تیار ہو جائے تو چولہے سے اتار لیں، ابلے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

پین کیک آملیٹ

اشیاء

انڈے	چھ عدد
مچھلی یا مرغی کے گوشت کا قیمہ	چار اونس
مشرومز (کٹے ہوئے)	دو اونس
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
سویا سوس	ایک چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک و سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

انڈے پھینٹ کر نمک و سیاہ مرچ ملا دیں، قیمہ میں مشرومز، ادرک، چینی، سویا سوس، نمک و سیاہ مرچ ملا دیں، چھوٹے سے فرائی پین میں ایک چائے کا چمچہ تیل ڈال کر گرم کریں اور انڈوں کا تھوڑا سا مرکب ڈال کر روٹی سی پھیلا دیں، نیچے سے سیٹ ہو جائے تو آملیٹ کو دہرا کر کے دھیمی آنچ پر پکائیں، تاکہ قیمہ اندر سے پک جائے، اسی طرح سارے پین کیک آملیٹ تل تل کر پلیٹ میں رکھتے جائیں اور گرم گرم پیش کریں، مزے دار پین کیک آملیٹ تیار ہے۔

چکن چلیز پکوڑا

اشیاء

مرغی کا گوشت بون لیس	1/2 کلو
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	ایک چٹکی
سفید مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
چلی سوس	1/2 چائے کا چمچہ
سویا سوس	1/2 چائے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
کارن فلیکس	1/4 کپ
پیپریکا پاؤڈر	1/2 کپ

ترکیب

گوشت کو ایک پیالے میں ڈالیں، اس میں سیاہ مرچ پاؤڈر، چلی گارلک سوس، سفید مرچ پاؤڈر، پیپریکا، لال مرچوں کا پیسٹ، نمک، چائنیز نمک، سویا سوس اور چلی سوس ڈالیں اور

تیس منٹ کے لئے میرینیٹ کریں۔

ایک اور پیالے میں کارن فلیکس، بریڈ کرمبز اور اسپائسی چپس مکس کریں اور موٹا موٹا کوٹ لیں، انڈوں میں نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر بیٹر سے پھینٹ لیں، کڑاہی میں تیل ڈال کر گرم کریں اور گوشت کو انڈے میں ڈپ کریں اور بریڈ کرمبز میں کوٹ کریں اور فرائی کریں، گولڈن براؤن ہونے کے بعد نکال لیں اور چلی گارلک سوس اور فرنچ فرائیز کے ساتھ سرو کریں۔

منفرد چنے، حلوہ پوری اور آلو

اشیاء

چنے کے لئے

سفید چنے رات کو بھگو دیں	آدھا کلو
پیاز درمیانی	دو عدد
ٹماٹر باریک کٹی ہوئی	دو سے تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن پیسٹ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
سفید زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
سبز الائچی	چھ عدد
کشمش	تین کھانے کے چمچ
بادام بھگو لیں	دس عدد
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
دال مسور بھگو دیں	آدھا چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا، ہری مرچیں	حسب ضرورت

ترکیب

چنے کو ابال لیں، پیاز کو کاٹ کر ابال کر پیس لیں، دیگچی میں تیل گرم کریں الائچی ڈال کر کڑکڑائیں اب اس میں پیاز کو ڈال کر بھونیں، جب پیاز اچھی طرح بھن جائے تو اس میں ادرک لہسن پیسٹ اور ٹماٹر ڈال کر بھونیں، جب بھن جائے تو نمک لال مرچ، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر ڈالیں اور ایک منٹ تک بھونیں، جب بھن جائے تو بادام چھیل کر ثابت ہی ڈال دیں، ساتھ دال، کشمش اور دو کپ پانی ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں، جب دال گل کر مصالحہ کی طرح بن جائے اور تیل اوپر آ جائے تو گرم مصالحہ پاؤڈر، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال دیں اور سرو کریں، نہایت مزے دار چنے تیار ہیں۔

حلوے کے لئے:

سوجی	آدھا کپ
چینی	آدھا کپ
گھی	آدھا کپ
کھویا	آدھا کپ
ناریل پسا ہوا	آدھا کپ
پستہ کٹا ہوا	دو کھانے کے چمچ
پانی	دو کپ
کیوڑا	چند قطرے
چاندی کے ورق	حسب ضرورت
انڈے	دو عدد

ترکیب:۔

پانی میں چینی ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ شیرہ تیار ہو جائے دوسرے پین میں گھی گرم کریں اور سوجی کی رنگت گولڈن ہونے تک فرائی کریں، جب سوجی گولڈن ہو جائے تو شیرہ ڈال کر پکائیں، ایک الگ پین میں انڈے پھینٹ کر فرائی کریں، جب شیرہ خشک ہو جائے تو کھویا، ناریل اور فرائی انڈے ڈال دیں اور بھونیں، جب بھن کر گھی الگ ہو جائے اور حلوہ پیندہ چھوڑنے لگے تو پستے اور کیوڑہ ڈال دیں اور اتار

لیں، سرونگ ڈش میں نکالیں اوپر چاندی کے ورق لگائیں۔

آلو کے لئے:۔

آلو	تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	ایک عدد

ترکیب:۔

سوس پین میں تیل گرم کرکے اس میں زیرہ ڈال کر کڑکڑائیں، آلو کے سلائس ڈال کر فرائی کریں، چار سے پانچ منٹ بعد نمک، کٹی ہوئی لال مرچ، ہلدی پاؤڈر اور کلونجی ڈال دیں اور بھونیں، جب بھن جائے تو پانی کا چھینٹا دے کر ہلکی آنچ پر دم پر لگائیں، جب آلو گل جائیں لیکن سلائس گول ہی رہیں ٹوٹیں نا تو لیموں کا رس ڈال دیں، سرونگ ڈش میں نکال کر گرم مصالحہ چھڑک دیں۔

پوری کے لئے:۔

میدہ	آدھا کلو
گھی	چوتھائی کپ
نمک	حسب ذائقہ
چینی	1/2 چائے کا چمچہ
تیل فرائی کے لئے	حسب ضرورت

ترکیب:۔

میدے میں گھی، نمک اور چینی ملا کر گوندھ لیں اب اس کے بعد چھوٹے پیڑے بنا کر بیلیں، توے پر تیل گرم کرکے اس میں بیلے ہوئے پراٹھے ڈال کر گولڈن فرائی کریں، گوندھتے وقت حسب ضرورت دودھ کا استعمال کریں منفرد چنے، حلوہ، آلو اور پوریوں کو ایک خوب صورت سرونگ ڈش میں نکالیں اور گرم گرم سرو کریں۔

آلو اور ہری پیاز کی سبزی

اشیاء

آلو چوکور	آدھا کلو
لال مرچ کٹی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ
ہری پیاز چوپ کرلیں	آدھا کلو
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
املی کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

ایک پتیلی میں تیل گرم کریں اس میں ہری پیاز کا سفید حصہ ڈال کر فرائی کریں، اس کے بعد اس میں ہرا حصہ ڈال کر دو سے تین سیکنڈ تک فرائی کریں، اب اس میں آلو، نمک اور کٹی ہوئی لال مرچیں ڈال کر مکس کریں اور ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر آلو کے گل جانے تک پکائیں، آخر میں چوپ کی ہوئی ہری مرچیں اور املی کا پیسٹ شامل کرکے مزید دو منٹ تک دھیمی آنچ پر پکائیں، مزے دار آلو اور ہری پیاز کی سبزی تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکال کر رائتے چٹنی اور پراٹھے کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

انسانی تہذیب وتمدن نے ترقی کی تو گھر اور خاندان تشکیل پائے، اچھے خاندان سے اچھے معاشرے اور اچھے معاشروں سے بہترین قومیں بنتی ہیں، عورت کو گھر اور خاندان میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے، وہی معاشرے ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے جہاں عورت کا حق تسلیم کیا گیا اور اسے احترام کا درجہ دیا گیا، ہمارے ہاں بہت سے معمالات میں تبدیلی آئی ہے، سوچنے کا انداز بدلا ہے، خواتین جو پہلے صرف گھروں تک محدود تھیں، اب مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہیں، اپنی صلاحیتیں منوا رہی ہیں، لیکن تبدیلی صرف بڑے شہروں تک ہی محدود ہے، خواتین کی اکثریت آج بھی اپنے جائز حق سے محروم اور جبر کا شکار ہیں، حقوق وخواتین کا چرچا تو بہت کیا جاتا ہے، ان کی حمایت میں جلسے جلوس نکالے جاتے ہیں، اسمبلیوں میں بل منظور کیے گئے، لیکن آج تک صحیح معنوں میں عمل درآمد نہیں ہوا۔

خواتین کو جو حقوق، جو رتبہ اور احترام ہمارے مذہب میں دیا گیا ہے، اس کے بعد کسی قرارداد یا مطالبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی صرف ان احکامات اور اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے، جو مذہب نے متعین کیے ہیں، لیکن شاید اصل مسئلہ بے عملی ہی ہے جس میں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

ہمیں دعاؤں میں یاد رکھیں گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے صغیرہ و کبیرہ گناہ معاف فرمائے اور ہمیں دونوں جہاں میں سرخرو کرے آمین یارب العالمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، درود شریف، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے۔

پہلا خط اُم رقیہ کا جیکب آباد سے ملا ہے، وہ لکھتی ہیں۔

جیکب آباد کی شدید گرمی میں حنا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بن کر آٹھ تاریخ کو موصول ہوا یعنی عید کے تیسرے دن، آنچل میں آدھا چہرہ چھپائے مہوش حیات واقعی عید کا چاند لگیں، عید کے حوالے سے ٹائٹل بے حد پسند آیا، حمد ونعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے اپنے دل ودماغ کو منور کیا، انشاء جی سے ان کی تحریر کے توسط سے ملنے کے لئے ان کی محفل میں پہنچے، جہاں وہ ہمیں یہ کہتے ہوئے ملے کہ "کل کا کام آج پر نہ ڈالو" کالم پڑھ کر بے حد مزہ آیا، ارے واہ جی واہ حنا نے تو عید کی خوشیاں دوبالا کرنے کا پورا انتظام کر رکھا ہے "عید سروے" کرکے، سروے کا عنوان "کھنکتی چوڑی، چھنکتی پائل" بہت پسند آیا، اندر کے صفحات پر مصنفین نے چٹ پٹے سوالوں کے بڑے مزے کے جوابات دے رکھے تھے، غزالہ جلیل کے جوابات تو کچھ زیادہ ہی تحویل تھے، بہرحال پڑھ کر مزہ آیا، سب سے پہلے مکمل

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد
صائمہ اکرام
عُشنا کوثر سردار
اشفاق احمد
نمرہ احمد
سعدیہ عابد
نبیلہ عزیز
نسیم حجازی
فرحت اشتیاق
عفت سحر طاہر
فائزہ افتخار
عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو
تنزیلہ ریاض
نبیلہ ابر راجہ
ہاشم ندیم
نگہت سیما
فائزہ افتخار
آمنہ ریاض
مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ
سباس گُل
عنیزہ سید
مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ
رُخسانہ نگار عدنان
اقراء صغیر احمد
علیم ُالحق
رفعت سراج
اُمِ مریم
نایاب جیلانی
ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ناولوں کی طرف بڑھے جو کہ دو عدد تھے اور دونوں ہی عید کے حوالے سے، ''عید کا تحفہ'' سباس گل کی تحریر بلاوجہ لمبی کی گئیں تھی اگر سباس اس کو تھوڑا مختصر لکھتی یعنی ڈائیلاگ بلاوجہ لمبے لمبے نہ کرتی تو تحریر مزید نکھر جاتی، اُم ایمان کا مکمل ناول ''عید کا چاند لایا خوشیوں کا پیغام'' بھی کچھ خاص پسند نہیں آیا، مصنفہ کی پلاٹ پر گرفت نہیں تھی حالانکہ اُم ایمان کا شمار اچھا لکھنے والوں میں ہوتا ہے، ناولٹ میں صدف آصف کا نام دیکھ کر چونکے اور پھر لپکے ان کی تحریر کی طرف، ہلکے پھلکے موضوع کے ساتھ صدف کی تحریر مزہ دے گئی، یقیناً آپ صدف آصف حنا کے صفحات پر نظر آتی رہیں گی، شبانہ شوکت کا ''تیری سادگی میں بھی کمال تھا'' ناولٹ بے حد پسند آیا، شبانہ مبارک باد، افسانوں میں سب سے زیادہ جس تحریر نے متاثر کیا وہ روبینہ سعید کی تھی ''پھر یوں ہوا کہ'' فنی ٹائپ کی اسٹوری بے حد پسند آئی، مصباح علی اور ثوبیہ نور العین کی تحریر بھی اچھی تھی جبکہ سیما بنت عاصم کی تحریر ہمیشہ کی طرح اچھی ہی تھی، اب بات ہو جائے مکمل ناول کی، اُم مریم کا ناول ''دل گزیدہ'' کی کیا بات ہے، اُم مریم کے پچھلے ناولوں کی طرح ان کا یہ ناول بھی ٹاپ پر ہے مون کا کردار خاصا پراسرار ہے جبکہ غانیہ کے کردار میں پریشے کی جھلک نظر آتی ہے، منیب جس طرح اپنے والد صاحب کے سامنے بھیگی بلی بنے نظر آتے ہیں، اسے پڑھ کر بے اختیار مسکراہٹ قہقہے میں تبدیل ہو جاتی ہے، حمدان یقیناً بڑا ہو کر غانیہ کا ساتھ دے گا، اُم مریم پلیز اس تحریر میں کسی کو ماریئے گا مت اور پلیز پلیز جلدی سے منیب کو غانیہ کی محبت میں مبتلا کروا دیں۔

''پربت کے اس پار کہیں'' میں اللہ اللہ کر کے کہانی سمجھ میں آنے لگی ہے ورنہ تو سورے، حت، نیل بڑ میں ہی الجھے رہتے تھے، اگلی قسط کا اب شدت سے انتظار رہنے لگا ہے، سدرۃ المنتہیٰ اپنی تخلیق کے عروج پر نظر آتی ہیں، آخری قسط کا انتظار تو اب شدت اختیار کر گیا ہے۔

مستقل سلسلے عید کے حوالے سے تھے اور سبھی بہترین تھے، کس قیامت کے یہ نامے میں میری یہ پہلی شرکت ہے، یقیناً آپ خوش آمدید کہتے ہوئے میرا خط شامل کریں گی۔

اُم رقیہ خوش آمدید دل و جان سے اس محفل میں ''عید نمبر'' کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ، آپ کی قیمتی رائے اور پسندیدگی مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں ان سطور کے ذریعے، ہم آپ کی رائے کے ہمیشہ منتظر رہیں گے شرکت کر کے اس محفل کی رونق کو بڑھاتی رہیے گا شکریہ۔

رابعہ صادق: گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں۔

جولائی کا شمارہ خوبصورت سرورق سے سجا، عید کے گفٹ کے طور پر ملا، سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے فیضیاب ہوئے، اس کے بعد انشاء نامہ پڑھ کر انشاء جی کی اس نصیحت کو آنچل میں باندھ لیا کہ ''کل کا کام آج پر مت ڈالنا'' عید سروے کی محفل کو پیاری مصنفین نے اپنی آمد سے جگمگا رکھا تھا، پڑھ کر مزہ آیا، اس سروے میں مصباح نوشین، اُم مریم، سندس جبیں، ثمینہ بٹ، سویرا فلک اور کئی مصنفین کی کمی محسوس ہوئی مگر آگے یہ پڑھ کر کہ اس کا دوسرا حصہ اگست میں شائع ہوگا، مطمئن ہو گئے کہ یقیناً یہ سب سروے کے بقیہ حصے میں شامل ہوں گیں، کیا بات ہے آپی ''ایک دن حنا کے ساتھ'' دو ماہ سے غائب ہے، لیکن بند تو نہیں کر دیا آپ نے؟ اُم مریم کا ناول ''دل گزیدہ'' اچھا خاصا الجھا ہوا ہے اگرچہ کہانی

دلچسپ ہے مگر نہ جانے یہ مریم کے پچھلے ناولوں کی طرح توجہ نہیں پا رہی، اس قسط کو پڑھ کر تو شدت سے احساس ہوا کہ مریم اس تحریر کو بے دلی سے لکھ رہی ہیں، پلیز مریم آپ اپنا انداز تحریر بدلیں اور ویسا ہی لکھیں جو آپ کا انداز ہے، سباس گل کا مکمل ناول ''عید کا تحفہ'' پسند آیا، سباس آپی کی تحریر کا ایک خاصا ہے کہ وہ سنجیدہ موضوع کو بھی بڑے ہلکے پھلکے انداز میں لکھتی ہیں، چھوٹے چھوٹے جملے بے ساختہ چہرے پر مسکراہٹ لے آتے ہیں، بہت شکریہ سباس گل آپی اتنی اچھی تحریر پڑھنے کے لئے دینے کا، اُم ایمان کے ناول کا عنوان خاصا طویل تھا، ان کی تحریر بھی بے حد دلچسپ لگی، جبکہ ناولٹ میں شبانہ شوکت کا ناولٹ بے حد پسند آیا، جبکہ صدف آصف کی بھی تحریر کو برجستہ جملوں نے دلچسپ بنایا، افسانے چاروں ہی بہترین تھے، روبینہ سعید کی تحریر تو بے حد پسند آئی، سدرۃ المنتہیٰ کے اس مرتبہ کی قسط بھی پسند آئی، ان کی تحریر سمٹتے سمٹتے بھی تین چار ماہ لے گئی، ''پربت کے اس پار کہیں'' میں نایاب جیلانی آخر کار کہانی کو دلچسپ بنانے میں کامیاب ہو گئیں، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ اور میری ڈائری کا سلسلہ بے حد دلچسپ ہوتا ہے، جبکہ حنا کی محفل اور رنگ حنا تو بے اختیار چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے، مہندی کے ڈیزائن پسند نہیں آئے، کس قیامت کے یہ نامے میں سبھی دوستوں نے جون کے شمارے پر بھرپور تبصرہ کیا۔

رابعہ صادق کہاں غائب تھیں ڈیئر آپ تو بہت طویل عرصے کے بعد اس محفل میں لوٹی ہیں، جولائی کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ، ایک دن حنا کے ساتھ اگلے ماہ سے شامل ہوگا، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

منزہ عطا: کوٹ ادو سے لکھتی ہیں۔

حنا ہمیں ہر ماہ ٹائم پہ مل جاتا ہے، حنا بہت اچھا ڈائجسٹ ہے میری خط لکھنے کی وجہ سردار محمود صاحب کی وفات کی خبر بہت دکھ ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ سردار صاحب کے درجات بلند کر کے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے آمین۔

اسلامیات میں پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھی دل کو راحت ملی ایمان تازہ ہو گیا، پھر ہم آگے جا پہنچے اُم مریم آپ کی تحریر کی تعریف کیسے کروں بہت اچھی بہت زبردست ویل ڈن اس کے بعد ''ادھورے خوابوں کا محل'' مصباح نوشین کی تحریر کو پڑھا واہ مصباح آپ کا ناول بہت اچھا بہت اعلیٰ تحریر ہے، آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے اُم مریم کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' اور سندس جبیں کا ناول ''کاسہ دل'' وہ بھی حنا میں شائع ہوا تھا جس کی ہم آخری قسط نہیں پڑھ سکے اگر یہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے تو ہم لینا چاہتے ہیں آپ ہمیں بتائیں ہم یہ دونوں ناول کیسے منگوائیں، اللہ آپ کو خوش رکھے۔

منزہ عطا خوش آمدید، آپ کے ساتھ ہم بھی دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت سردار صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔

حنا کو پسند کرنے کا شکریہ اُم مریم کا ناول ''آخری جزیرہ'' کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا جبکہ سندس جبیں کا ''کاسہ دل'' شائع ہو چکا ہے آپ اسے کسی قریبی بک اسٹال سے منگوا لیں، اپنی رائے سے ہمیں مستفید کرتی رہا کریں شکریہ۔

سمعان آفندی: چکوال سے لکھتے ہیں۔

حسب وعدہ ایگزام سے فری ہو کر حنا کی

محفل میں آ گئے پھر سے، مگر اس بار ہم خالی ہاتھ نہیں آئے بلکہ ڈھیروں شکوے لائیں ہیں بھئی چار ماہ پہلے بھیجی گئی میری مراسلات ابھی تک شائع ہی نہیں ہوتی؟ آخر کیوں؟

جولائی کا حنا سولہ کو ملا، ایک نین سے وار کرتی ہوئی ماڈل سیدھا دل پہ اتر گئی، کیا ہر ماہ ایسا ٹائٹل نہیں ہو سکتا کہ جو ڈائریکٹ دل میں اتر جائے، اسلامیات کارنر، انشاء نامہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے، سروے میں سب کے جواب اچھے لگے، مکمل ناول دونوں سپر سے بھی اوپر تھے، مگر ایک چھوٹی سی غلطی تھی شاید پرنٹنگ کی وجہ سے ہوئی یہ کہ جناب سباس آپی کے ناول میں صفحہ نمبر 58 کے ابتدائی پیراگراف میں سعدان کے پانچ روپے ڈونیشن ڈالنے کا ذکر ہے بڑی حیرت ہوئی کہ اتنا امیر و کبیر آدمی کے جسٹ پانچ روپے مگر پھر صفحہ نمبر 69 پہ کلیئر ہو گیا کہ پانچ ہزار روپے تھے، افسانے اس بار عمدہ تھے، ناولٹ کا رنگ بھی اچھا لگا، جہاں عید کے حوالے سے ناولٹ مکمل ناولٹ پڑھ کر خوش ہوئے وہیں وہ ساری خوشی خاک میں ملا دی پل بھر میں نایاب آپی نے ''امام'' کی موت کی خبر سنا کر، امام کو نیل بر کا ساتھ دینا چاہیے جب وہ لڑکی ہو کے اتنا بڑا اسٹینڈ لے رہی تھی تو امام کو کیا پرابلم تھی، پلیز اب نیل بر کے ساتھ کچھ بھی برا مت کیجئے گا اور حمت کے ساتھ بھی، کیونکہ امام نیل بر، حمت میرے پسندیدہ کردار ہیں۔

''دل گزیدہ'' میں منیب کو غانیہ کے ساتھ اب ہمدردی سے پیش آ جانا چاہیے کیونکہ ماں باپ کی اس ضد وانا میں حمدان کہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہو جائے ویسا نک نیم ''یارمن'' اچھا لگا، مون کا کردار کافی پراسرار ہے، کہیں میم سے منیب ہی میم سے مون تو نہیں ہے، خیر اسے بھی مریم آپی جلد کلیئر کر دیں گی، سدرہ آپی چاہ کے بھی اپنے ناول کا اختتام نہیں کر پا رہیں، امرت کے ڈائیلاگ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔

حاصل مطالعہ میں فرح راو اور معکنون شاہ کا انتخاب اچھا لگا، محفل حنا میں سبھی کے سوال و جواب اچھے لگے، بیاض میں فوزیہ غزل، عابد محمود، افشاں زینب کے اشعار اچھے لگے، رنگ حنا میں ارج گل کی پسند دل کو بھائی، میری ڈائری میں بھی کا انتخاب اچھا لگا، قیامت کے یہ نامے میں جامع تبصرہ کرتی ہوئی آنسہ غزل بہت پسند آئیں۔

ایک ادنیٰ سی گزارش ہے کہ میرے مراسلات کو بھی حنا کے صفحات کی زینت بنا ہی دیجئے، اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گا جہاں بھی رہیں اللہ پاک آپ کو شیطان کے شر اور نفس کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔

بھائی سمعان آفندی جولائی کے شمارے پر آپ کا تبصرہ ہمیں بے حد پسند آیا، حنا کی تحریروں کے لئے آپ کی پسندیدگی ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے، انشاء اللہ حنا کے ٹائٹل ہمیشہ آپ کی پسندیدگی پر پورا اتریں گے آپ کی تحریریں ہمیں موصول نہیں ہوئی ورنہ ضرور شائع ہوتی، نایاب نے امام کو مارا نہیں یہ غلط فہمی آپ کو کیونکر ہوئی، منیب کو بھی آپ کا پیغام مل گیا، دیکھتے ہیں وہ آپ کی تجویز پر عمل کر کے غانیہ کو خوشیاں دیتے ہیں یہ نہیں، سباس گل کے ناول کے سلسلے میں آپ نے خود ہی تصحیح کر دی اب ہم کیا کہیں سوائے اس کے ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆